خزائنِ شریعت و طریقت

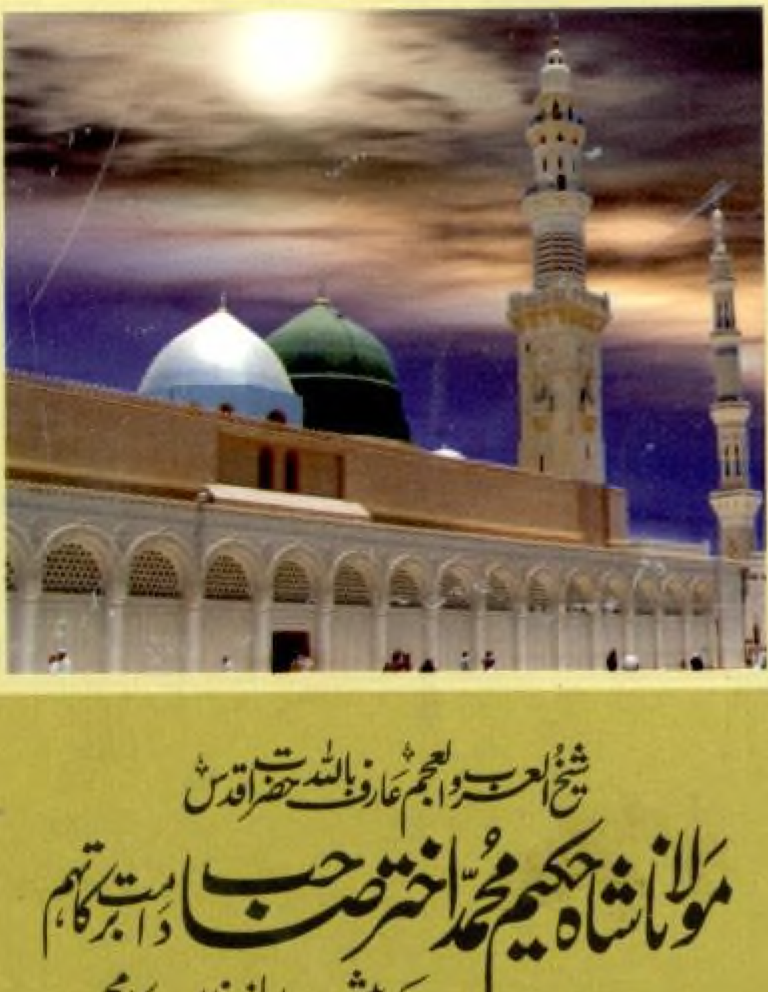

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس

مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کے بیش بہا ملفوظات کا مجموعہ

مرتب

خادم خاص حضرتِ والا

دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال کراچی پاکستان

فون: ۴۹۹۲۱۷۶

خزائنِ شریعت و طریقت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
کے بیش بہا ملفوظات کا مجموعہ

مرتب
خادم خاص حضرتِ والا
دامت برکاتہم

کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان
فون: ۴۹۹۲۱۷۶

ضروری تفصیل

نام کتاب: خزائنِ شریعت و طریقت

نام صاحب ملفوظات: شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

دام ظلالهم علينا الى مأة وعشرين سنة

موضوع: مجموعۂ ملفوظات

مرتب: یکے از خدام حضرت والا مدظلہم العالی (سید عشرت جمیل میرؔ صاحب)

کمپوزنگ: مفتی محمد عاصم صاحب مقیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

اشاعت اوّل: رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

تعداد: ۲۲۰۰

ناشر: کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال-۲ کراچی، پوسٹ آفس بکس نمبر ۱۱۱۸۲

بہ فیضِ صحبتِ ابرار، یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحت دوستو! اس کی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہے تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

فہرست

صفحہ	عنوان
۲۰	وحدانیتِ باری تعالیٰ شانہٗ کی عجیب دلیل
۲۲	لُوٹ لوتمام بہارِ کائنات یعنی حصولِ عیش ہمہ گیر کا طریقہ
۲۶	تعلقِ خُلّت (خالص دوستی) کی علامت
۲۶	اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی دلیل
۲۷	ہماری آہ کا خریدار اللہ ہے
۲۸	حدیث حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلاءُ پر ایک وجد آفریں علم
۳۱	وِلایت کی بھیک اور دل کا پیالہ
۳۲	شکستِ آرزو کا انعام
۳۳	تجلیاتِ قرب کی دو صورتیں
۳۴	صحبتِ شیخ کا نفع اور ذکر و فکر
۳۵	اِستقامت اور ذکر اللہ
۳۶	اہل اللہ کے فیضِ صحبت کی مثال
۳۷	قلب کے تالہ کی کنجی
۳۹	اجتماعی اصلاح، انفرادی اصلاح پر موقوف ہے
۴۰	تقویٰ کے دو تار
۴۰	علم اور خشیت لازم وملزوم ہیں
۴۱	انتشارِ اَفکار کے باوجود ذکر کے نفع کی مثال

۴۲	نبی علیہ السلام کی خلوت وجلوت کی وراثت
۴۳	تقویٰ کی آگ اور قلوبِ صادقین
۴۴	قیمت کا اعتبار نسبت سے ہے
۴۵	استغفار کا ایک مضمون
۴۵	نفس کیسے مٹتا ہے؟
۴۶	کبر وعجب کی تحقیق، منطق کی اصطلاح میں
۴۷	کرم اور سخاوت کا فرق
۴۷	سلیم العقل اور سلیم القلب میں معقول نسبت
۴۸	اضطرارِ محمود واضطرارِ غیر محمود
۴۸	مضمون دعائے جانِ اختر بدرگاہِ مولائے اکبر
۵۴	مومن کا ذکر اللہ وکالۃً تمام کائنات کا ذکر ہے
۵۵	قیمت کا معیار نسبت سے ہے
۵۶	جاہل صوفیاء کی گمراہی کا سبب
۵۶	ہجرت کا حاصل
۵۶	قرآنِ پاک کے علوم کی جامعیت وبلاغت
۵۸	قرآنِ پاک کی آیت سے دلیل اِنّی کی مثال
۵۸	حدیثِ پاک سے دلیل لِمّی کی مثال
۵۸	ایک معقولی دلیل کی مثال قرآن وحدیث سے
۵۹	مثنوی کے ایک شعر سے عام مخصوص منہ البعض کی مثال
۵۹	ذکرِ قلیل کی مثال اور اس کا نقصان
۶۲	حدیث اِذَا رُأُوْ ذُکِرَ اللّٰہُ کی عجیب تشریح

۶۲	مشائخ کو بھی اپنے نفس کی نگرانی ضروری ہے
۶۳	رَبَّنَا ظَلَمْنَا میں حضرت آدم علیہ السلام سے رَبَّنَا کہلانے کا راز
۶۳	دعا کا قبول اور ظہور
۶۴	بدنظری میں مبتلا کرنے کے لیے شیطان کا ایک فریب
۶۴	آخرت کی کھیتی کی پیداوار
۶۴	خدمت شرط اور نصرت جزاء ہے
۶۵	شیخ فضل ورحمتِ الٰہیہ کا واسطہ ہے
۶۵	دنیا سے دل نہ لگانے کی تلقین
۶۵	اسماءِ حسنٰی کی برکات
۶۵	دین سے افسوسناک غفلت
۶۶	موجودہ دور میں صحابہ کے اعمالِ منصوصہ کے اختیار کی صورت
۶۸	اعمال سے مقصود رضاءِ حق ہے
۷۰	حقیقی زندگی اطاعتِ حق اور اطاعتِ رسول کا نام ہے
۷۱	قلتِ وسائل سے گھبرانا نہیں چاہیے
۷۲	اعمال کی قیمت کیفیت سے ہوتی ہے
۷۲	عشقِ مجاز سے بچنا عشقِ حقیقی کا ذریعہ ہے
۷۳	حدیثِ صحت کی عجیب تشریح
۷۴	معیتِ صالحین جنت سے افضل ہے
۷۵	عظمتِ صحابہ
۷۵	خدائی پنشن
۷۵	چند اشعار

۷۶	اشعار بنام محمد رضوان القاسمی فاضل دیو بند
۷۶	بدنگاہی سے احتراز کے ثمرات
۷۷	سورۂ حجرات میں ادب کا مقام
۷۸	صبر پر مہتدون کی بشارتِ عظمیٰ
۷۸	امت کے بڑے لوگ کون ہیں؟
۸۱	احادیث میں مذکور دو عظیم الشان خیر
۸۲	بدنظری کے علاج کا ایک خاص عنوان
۸۳	ذرا دیکھو! توفیضِ خانقاہی
۸۶	ہر کرب اور پریشانی کا علاج
۸۷	حی کے معنیٰ
۸۷	قیوم کے معنیٰ
۸۷	سرکار کون ہے؟
۸۷	عدالت کا نام کیا ہے؟
۸۷	مضمونِ استغاثہ کیا ہے؟
۸۹	مدعا علیہ کون ہے؟
۹۱	شیطانی وسوسہ اور نفسانی تقاضہ کا فرق
۹۱	توبہ اور اس کے فوائد
۹۴	تقویٰ پر فجور کے تقدم کا سبب
۹۵	مقامِ فنا اور مقامِ بقا کیا ہے؟
۹۵	انسان کو غیر منصرف بنانے والے دو اسباب
۹۶	استدراج کا خوف استدراج نہیں

۹٦	اہلِ حق کے ذمہ حق کو پیش کرنا ہے
۹٦	حق تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں
۹۸	خلافت کی حقیقت
۹۸	ادب کی عظیم الشان تعلیم
۹۹	بعض کو خلافت نہ دینا شیخ کا کمالِ اخلاص ہے
۱۰۰	ادب اور شرافتِ طبع لازم وملزوم ہے
۱۰۰	دَاعِیْ اِلَی اللهِ کی محبوبیت کا سبب
۱۰۰	شہوت کی آگ سے نجات کا انعام
۱۰۱	حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی ایک دلیل
۱۰۱	حکمِ استغفار کے عاشقانہ اسرار
۱۰۳	آیت فَفِرُّوْا اِلَی اللهِ کا ایک عاشقانہ نکتہ
۱۰۳	آیت اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ کا ایک لطیفۂ قرآنی
۱۰۴	اِکرامِ علماء کا سبب
۱۰۴	خاصانِ خدا پر تکوینی افضالِ الٰہیہ
۱۰۵	رضاءِ الٰہی کے حصول کا بہترین طریقہ
۱۰٦	شیخ کے دو حق
۱۰٦	شر کو خیر بنانے کا طریقہ
۱۰۷	عبادت کی کمیت اور کیفیت کا فرق
۱۰۷	استغفار میں واسطۂ ربوبیت کی حکمت
۱۰۸	قلب میں نور آنے کی علامت
۱۰۹	پردہ کا فائدہ اور بے پردگی کا نقصان

۱۰۹	انوارِ الوہیت، انوارِ نبوت، انوارِ ولایت
۱۱۰	غیر اللہ سے نجات کا مدار تعلق مع اللہ پر ہے
۱۱۱	دنیا میں جنت کا مزہ دلوانے والے تین اعمال
۱۱۴	ایک مسنون دعا کی تشریح مع تمثیل
۱۱۵	اہل اللہ کو حزن وغم مفید ہونے کا راز
۱۱۶	بندوں کی تحقیر کی حرمت کا راز
۱۱۶	اہل اللہ کی تلاش اور قدر کس کو ہوتی ہے؟
۱۱۷	توبہ کرنے والوں کی محبوبیت کی تمثیل
۱۱۷	اتباع کے لیے وھم مھتدون کا عجیب نکتہ
۱۱۹	آیت فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا حضور ﷺ کی بے مثل شانِ محبوبیت کی غماز ہے
۱۱۹	حضرت حکیم الامت تھانوی کا ایک غیر مطبوعہ ملفوظ
۱۲۰	علم کی مثال اجزائے بریانی سے
۱۲۱	صحبت یافتہ لوگوں کے حسن خاتمہ کی دلیل شرعی
۱۲۲	تعلق مع اللہ کی پہچان کا معیار
۱۲۳	ایک غلط فہمی کی اصلاح
۱۲۴	تربیت کے غیر محدود طریقے
۱۲۴	نفس کے مجاہدات کی حکمت
۱۲۵	تجلیاتِ جذب کے زمان ومکان
۱۲۷	تعلیمِ کتاب اور تزکیہ کا ربط
۱۳۰	ایک لطیف نکتہ
۱۳۰	اللہ والوں کے پاس کیا ملتا ہے؟

۱۳۱	فقہ کے حکم تغلیبی سے غلبۂ محبتِ الٰہیہ پر استدلال
۱۳۲	تلخ زندگی
۱۳۲	گناہوں کا تریاق
۱۳۳	آیت تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ الخ کے متعلق ایک علمِ عظیم
۱۳۳	حدیث اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ کی تشریح
۱۳۴	مرید کے معنیٰ
۱۳۴	علاج بدگمانی
۱۳۵	رمضان المبارک اور صحبت صالحین
۱۳۵	مثنوی کے ایک شعر کی شرح
۱۳۶	اہلِ دنیا اور اہلِ دین کے بڑھاپے کا فرق
۱۳۶	علماءِ خشک کی ناقدری کا سبب
۱۳۷	حدیثِ دعائے صحت کی الہامی تشریح
۱۳۹	اہل اللہ جنت سے افضل ہیں
۱۳۹	دنیا میں لطف جنت حاصل کرنے کا طریقہ
۱۳۹	۱۔ اہل اللہ کی صحبت
۱۴۰	۲۔ التزام ذکر
۱۴۱	۳۔ حقوق العباد کی ادائیگی
۱۴۱	۴۔ اتباع شریعت
۱۴۱	استغفار کے دو فائدے
۱۴۱	اشکِ ندامت کی کرامت
۱۴۲	عُجب و کبر کا علاج

۱۴۲	تسلیم ورضا اور تسلی قلب کا عجیب مضمون
۱۴۲	دنداں شکن جواب
۱۴۳	معاشرہ پر غالب رہنے کی ترکیب
۱۴۳	بندوں پر صفاتِ الٰہیہ کا ظہور
۱۴۴	توبہ کا ایک طریقۂ دعا
۱۴۴	حج وعمرہ کے متعلق خاص ہدایات
۱۴۹	ہدایات برائے زائرینِ مدینہ منورہ
۱۵۵	ہدایات ونصائح برائے خلفائے مجازین وجملہ احباب
۱۶۱	اصلاحِ نفس کا مختصر راستہ
۱۶۲	تین باتیں اصلاح معاشرت کے لیے
۱۶۲	اصلاحِ نفس کا آسان ترین نسخہ
۱۶۹	حسینوں سے نہ ہدیہ لو نہ دو
۱۷۲	مبغوض قوم کی علامت
۱۷۲	محبت للّٰہی اور نفسانی محبت میں فرق
۱۷۲	صاحبِ حُزن اللہ کی راہ جلد طے کر لیتا ہے
۱۷۴	لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کی عجیب تقریر
۱۸۰	فیض زندہ شیخ سے ملتا ہے
۱۸۱	حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کے حالات
۱۸۵	انسانوں میں باخدا رہنا تنہائی سے بہتر ہے
۱۸۸	اصل شکر کیا ہے؟
۱۸۹	فتح ونصرت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

۱۹۱	قرآن پاک میں اسماء حسنیٰ کا باہمی ربط اور اس کی حکمت
۱۹۲	بارگاہِ حق میں حصولِ رحمت کا عجیب مضمون
۱۹۳	تیمّم کا ایک اہم مسئلہ
۱۹۴	عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کا فرق
۱۹۹	انتہائی عاشقانہ عمل
۲۰۰	آیت اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی سے حدیثِ پاک کا عجیب ربط
۲۰۱	یہودیوں والا مزاج
۲۰۲	ذکر اللہ کا طریقہ
۲۰۳	صحابی کے معنیٰ
۲۰۳	حسن کے چاند اور قلب کی طغیانی
۲۰۴	سکون واطمینان کا سرچشمہ
۲۰۷	وَساوِس کا علاج
۲۱۶	غیرتِ دینی
۲۱۷	مقصدِ زندگی
۲۱۸	لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ الخ پڑھنے کی فضیلت
۲۱۸	کھانے کے بعد کی دعا کی عجیب شرح
۲۱۹	قربِ عبادت اور قربِ ندامت
۲۲۳	بشارتِ منامیہ
۲۳۰	حدیث اَللّٰھُمَّ وَاقِیَةً الخ کی شرح کی عجیب تمثیل
۲۳۱	جنوبی افریقہ کے جنگل میں حضرت والا کے ارشادات
۲۴۰	قلندر کسے کہتے ہیں؟

۲۴۱	مجدد ہونے کے متعلق خود حکیم الامت کی تصدیق
۲۴۲	جامع المجددین
۲۴۳	تفسیر بیان القرآن کے بارے میں علامہ کشمیری کا ارشاد
۲۴۳	حکیم الامت کے تفسیری کمال اور ترجمہ کی بعض مثالیں
۲۴۵	فضلِ ذوالمنن بقدرِ حسنِ ظن
۲۴۶	چند اہم نصائح
۲۴۶	نماز با جماعت، ڈاڑھی اور ٹخنے کھلے رکھنے کا اہتمام
۲۴۶	گھر سے ٹی وی نکال دیجیے
۲۴۸	بیویوں سے اچھا سلوک کیجیے
۲۵۰	اولاد کی تربیت کا انداز
۲۵۰	طریقِ اکابر
۲۵۱	نظر بازی کی حرمت کی ایک حکمت
۲۵۱	نفع کے لیے مناسبت شرط ہے
۲۵۲	شیخ کے متعلق مختلف ہدایات
۲۵۶	حسد کی بیماری اور علاج
۲۶۰	علماء کا اکرام
۲۶۱	غیر اللہ سے فرار وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے
۲۶۴	اہل اللہ کی محبت
۲۶۵	تفسیر حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ
۲۶۹	بدنظری کے چودہ نقصانات
۲۷۸	آیت کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کے متعلق ایک علم عظیم

۲۸۰	تلوین اور تمکین
۲۸۱	حدیث اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ الخ کی ایک جدید اور نادر تشریح
۲۸۲	ترجمانِ دردِ دل
۲۸۳	اہلِ محبت کی قیمت
۲۸۳	حضرت والا دَامَتْ بَرَکَاتُهُمْ وَطَالَتْ حَيَاتُهُمْ کی زندگی کا ایک ورق
۲۸۶	انبیاء علیہم السلام کے علمِ غیب کی نفی کی انوکھی دلیل
۲۸۸	ذوقِ عاشقانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
۲۸۹	لفظِ مُبَشِّر کا نزول
۲۹۰	ظاہر وباطن کو وفاداری کی تعلیم
۲۹۱	ایک علمِ عظیم
۲۹۴	تربیتِ اولاد کا پیارا انداز
۲۹۵	خاموش عبادت
۲۹۶	اختلافِ ائمہ حضور ﷺ کی محبوبیت کی دلیل ہے
۲۹۷	اللہ تعالیٰ کی دو عظیم الشان نشانیاں
۲۹۸	حدیث یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ الخ کی انوکھی شرح
۳۰۴	احکامِ شریعت کی محبت سے تعمیل طریقت ہے
۳۰۵	دعا کا ایک عجیب مضمون
۳۰۶	جو نفس کا دشمن نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں
۳۰۶	اپنی عزت کو خاک میں نہ ملاؤ
۳۰۸	ایک مختصر اِستخارہ
۳۱۰	حدیث پاک کی دو دعاؤں کی عجیب تشریح

۳۱۲	تقدیر کے متعلق ایک اِشکال کا جواب
۳۱۳	گناہ پر مجبور نہ ہونے کی دلیل
۳۱۴	فناء الفناء کے معنیٰ
۳۱۵	خانقاہ کا مقصد
۳۱۷	شک سے یقین زائل نہیں ہوتا
۳۱۷	جنت کی نعمتوں کی شان
۳۱۹	سورة التین کی تفسیر
۳۲۲	سالکین کی استعداد کے مطابق شیخ کو مضامین کا القاء ہونا
۳۲۳	طریقِ عشق تمام تر محبت وادب ہے
۳۲۴	مولانا گنگوہی کے ارشاد کی دلنشین تمثیل
۳۲۵	نوم العالم عبادة کی شرح
۳۲۶	طریق کا ایک تسلی بخش اصول
۳۲۶	گناہ سے نہ بچنے کے بیہودہ بہانے
۳۲۷	شیخ کی شفقت
۳۲۸	حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کی اصلاحی شان
۳۲۹	ہر شیخ کا رنگ الگ ہوتا ہے
۳۲۹	اگر مناسبت نہ ہو تو شیخ بدلنا ضروری ہے
۳۳۲	تقویٰ کیا ہے؟
۳۳۳	قلندر کی مختصر اور جامع تعریف
۳۳۳	شیخ کی ڈانٹ کا نفع
۳۳۴	اخلاص کے آنسوؤں کی قیمت

۳۳۵	آدھا تیتر آدھا بٹیر
۳۳۶	آیت اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ کا عاشقانہ ترجمہ
۳۳۷	ایک علم عظیم...... اللہ کا سب سے زیادہ پیارا بننے کا نسخہ
۳۴۱	انگریز کی لید
۳۴۱	شریعت وطریقت کی عاشقانہ تعریف
۳۴۲	شرح حدیث اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ الخ
۳۴۵	گناہ کب متروک ہوتے ہیں
۳۴۶	خدا کی دوستی کی علامت
۳۴۶	گناہ سے بچنے کا ایک لذیذ طریقہ
۳۴۷	شیخ کا ایک اہم ادب
۳۵۰	نارِ شہوت اور اس کے بجھانے کا طریقہ
۳۵۳	حدیث اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً الخ کی شرح
۳۵۵	امام کا جنازہ کے سینہ کے مقابل کھڑے ہونے کا راز
۳۵۵	نماز میں دو سجدوں کی فرضیت کا راز
۳۵۷	محبتِ الٰہیہ کی ازلی ابدی اور بے مثل شراب
۳۶۰	جلبِ منفعت پر دفعِ ضرر کی تقدیم کی وجہ
۳۶۲	فطرتِ سلیمہ کا تقاضا
۳۶۳	دعائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریح
۳۶۴	نفس کا علاج
۳۶۵	موت اور موت کا بھائی
۳۶۶	کبر کی تعریف

۳۶۷	ریا اور دِکھاوے کا علاج
۳۶۹	قلب ونظر کی پاسبانی اور سنتِ صحابہ
۳۸۴	اسلام کی صداقت کی ایک دلیل
۳۸۶	مجلسِ اہلِ دل
۳۹۱	وجد وحال کی حقیقت
۳۹۳	احسان کیا ہے؟
۳۹۸	تصوف کی حقیقت
۳۹۹	اللہ تعالیٰ کے نامِ مبارک کی عجیب الہامی تشریح
۴۰۲	تمنائے گناہ.........ایک مخفی جرم
۴۰۲	شکر گذار بندہ کون ہے؟
۴۰۴	کلمہ میں لَا اِلٰہ کی تقدیم کی وجہ
۴۱۱	مہرِ نبوت دلیلِ صداقتِ نبوت ہے
۴۱۲	اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کیا تعلق ہے؟
۴۱۳	اللہ کون ہے؟
۴۱۴	مدینہ منورہ کا آسمانِ مبارک اور نگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
۴۱۵	اللہ کی محبت لغت اور زبان سے بے نیاز ہے
۴۱۵	عقلی محبت مطلوب ہے طبعی نہیں
۴۱۸	ذکر اللہ کے باوجود اطمینان حاصل نہ ہونے کی وجہ
۴۱۹	توجہ کا مسئلہ
۴۱۹	شیخ کے ادب کی تعلیم
۴۲۱	احتیاط اور تقویٰ کی عظیم الشان تعلیم
۴۲۲	نافرمانی کے کام میں شرکت جائز نہیں

۴۲۲	اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل
۴۲۳	قرآن وحدیث میں بیٹیوں کی فضیلت
۴۲۶	مراکزِ لذت کے گندے مقامات سے اِتصال کی حکمت
۴۲۷	اہلِ وجاہت کو تبلیغ کا حکمت آمیز انداز
۴۲۸	آیت وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ باب تفعُّل سے نازل ہونے کا راز
۴۳۱	اسماءِ حسنیٰ کا باہمی ربط
۴۳۱	غَفُوْرٌ اور وَدُوْدٌ کا ربط
۴۳۲	تَوَّاب اور رَحِیْم کا ربط
۴۳۲	عَزِیْز اور غَفُوْر کا ربط
۴۳۳	عَزِیْز اور عَلِیْم کا ربط
۴۳۵	ایک وفاقی وزیر کو نصیحت
۴۳۷	فضل ورحمت کی علامت
۴۳۷	صاحبزادی صاحبہ کو ایک نصیحت
۴۳۹	شیطان کی ایک چال
۴۳۹	الہامِ رشد اور شرِ نفس سے حفاظت کی دعا
۴۴۰	اللہ تعالیٰ کی نشانی
۴۴۲	تقویٰ کے معنیٰ
۴۴۶	حضرت والا کا کمالِ ادب
۴۴۷	برطانیہ کا پانچواں سفر
۴۵۱	عشقِ مجازی کا کشتہ
۴۵۵	بدنظری اور عشقِ مجازی کی مذمت پر عجیب تقریر

۴۶۳	بعد نمازِ مغرب حضرت والا کا درسِ حدیث
۴۶۶	عمرہ کے لیے روانگی
۴۶۷	سب سے بڑا دشمن اور اس کا علاج
۴۶۸	عصبیت کفر کی نشانی ہے
۴۷۱	خانہ کعبہ کے وسطِ دنیا میں ہونے کا راز
۴۷۱	خانہ کعبہ کے مختصر ہونے کی حکمت
۴۷۲	حرم کے پہاڑوں پر سبزہ نہ ہونے کی وجوہات
۴۷۳	کون بے وقوف اور کون عقلمند ہے؟
۴۷۴	انبیاء علیہم السلام کے بشر ہونے کا راز
۴۷۵	بلد امین اللہ تعالیٰ کی آیت کبریٰ ہے
۴۷۵	طواف میں کعبہ کو نہ دیکھنے کی وجہ
۴۷۷	گناہ اللہ سے دوری کا سبب ہے
۴۷۷	شیخ کی مجلس کا ادب
۴۷۹	ہجرت کا راز
۴۸۰	جن اور جادو وغیرہ تمام بلاؤں سے حفاظت کا وظیفہ
۴۸۱	عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا فرق
۴۸۱	لطیف مزاح
۴۸۲	دنیا کب نعمت ہے؟
۴۸۳	یقین کی کرامت
۴۸۳	تین برے القاب
۴۸۴	مہمان کی توہین میزبان کی توہین ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خزائنِ شریعت وطریقت

عارف باللہ حضرت مرشدنا ومولانا شاہ محمد اختر صاحب اَدَامَ اللّٰہُ ظِلَّہُمْ عَلَیْنَا کی ایک قدیم ڈائری سے حضرت والا دامت برکاتہم کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے بعض مضامین اور وارداتِ غیبیہ پیشِ قارئین ہیں جو حضرت والا نے بطور یادداشت تحریر فرمائے یا اپنے مرشد حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملاحظہ وتصدیق کے لیے ارسال فرمائے۔ یہ الہامی مضامین ۳۵ سال پہلے کے ہیں۔ (احقر میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ خادمِ خاص حضرت والا)

وحدانیتِ باری تعالیٰ شانہٗ کی عجیب دلیل

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ ساری کائنات خود بخود وجود میں آ گئی اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے اور تمام کارخانۂ عالم خود بخود چل رہا ہے ان کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ایک جنگل میں ٹائپ رائٹر کی مشین رکھی ہوئی تھی جس میں کاغذ وغیرہ سب لگا ہوا تھا کہ چند بندروں نے اس مشین پر چند اُلٹے سیدھے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے جس کے نتیجہ میں دیوانِ غالب تیار ہو گیا، تمام اشعار درست، وزن اور بحر درست، ردیف وقافیہ درست تو کیا آپ اس دعویٰ کو تسلیم کرلیں گے؟ یا کہیں گے کہ یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔ پس اگرچہ بندروں کی احمقانہ حرکت سے دیوانِ غالب تیار نہیں ہوسکتا تو کیا یہ چاند خود بخود ڈھائی لاکھ میل کی دوری پر قائم ہو گیا کہ اگر ایک میل اور نیچے آ جاتا تو سمندر کے مدوجزر سے ساری دنیا غرقاب ہو جاتی اور سورج خود بخود ساڑھے

نو کروڑ میل پر لگ گیا کہ اگر ذرا سا اور نیچے ہوتا تو کائنات جل کر راکھ ہو جاتی۔ پس ان بے وقوف سائنسدانوں کا یہ دعویٰ کہ کائنات کا ایسا مکمل نظام خود بخود وجود میں آ گیا کیا عقل اس دعویٰ کو تسلیم کر سکتی ہے؟ عقل اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ کوئی ذات پاک ہے جس کے دستِ قدرت نے زمین و آسمان، شمس و قمر، سیاروں اور ستاروں کو ایک خاص نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ خود قرآن میں اعلان ہو رہا ہے کہ اللہ ہی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، چاند سورج کو پیدا کیا، دریا اور پہاڑ پیدا کیے غرض کائنات کا ہر ذرّہ اس کی مخلوق ہے۔ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے کسی باطل خدا، کسی فرعون و شدّاد نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ زمین و آسمان میں نے پیدا کیے ہیں، شمس و قمر کو میں نے پیدا کیا ہے، سمندر اور دریا میں نے پیدا کیے ہیں۔ خدائی کا دعویٰ کرنے والوں نے حتیٰ کہ فرعون نے بھی خود کو اللہ نہیں کہا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہا کیونکہ مردود جانتے تھے کہ ہم اللہ نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ اسمِ ذات ہے جو تمام اسماءِ صفاتیہ کا حامل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کی تکوینی حفاظت فرمائی پس اگر فرعون کہتا کہ میں اللہ ہوں تو لازم آتا کہ مجھ میں جملہ صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ صفتِ خالقیت بھی ہے یعنی چاند، سورج، سمندر اور پہاڑ وغیرہ کو میں نے پیدا کیا ہے اور اس دعویٰ سے وہ عوام کو دھوکہ نہیں دے سکتا تھا کیونکہ خالق کو تو اپنی مخلوق پر غالب ہونا چاہیے نہ کہ مخلوق کے سامنے عاجز و بے بس۔ پس ہر مجرم اور سرکش کا ضمیر اندر سے جانتا تھا کہ اگر ہم خالق ہونے کا دعویٰ کریں گے اور کل کو سمندر میں ڈوب جائیں تو لوگ مذاق اڑائیں گے کہ لو صاحب خالق اپنی مخلوق میں ڈوب گیا۔ پس تمام مخلوق حق تعالیٰ کے اس چیلنج اور دعویٰ کے سامنے کہ میں نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے خاموش ہے۔ صاحبو! خود فیصلہ کرو بلکہ ججوں کی بین الاقوامی عدالت کے سامنے اس قضیہ کو رکھو کہ ایک شخص دعویٰ کر رہا ہے کہ یہ چیز میری

ملکیت ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا اس کی ملکیت کا دعویٰ دار نہ ہو تو ججوں کی وہ عدالت کیا فیصلہ دے گی؟ یہی کہ یہ مدعی کی ملکیت ہے کیونکہ کوئی دوسرا اس کے دعویٰ کو چیلنج نہیں کر رہا ہے پس حق تعالیٰ کے دعویٰ کے مقابلہ میں جب کوئی دوسرا مدعی نہیں تو ثابت ہو گیا کہ صرف اللہ ہی ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اور اگر کوئی دوسرا خالق ہوتا تو ضرور قرآن کے اس دعویٰ کو چیلنج کرتا لیکن نہ کوئی ہوا ہے اور نہ قیامت تک ہو گا جو یہ دعویٰ کر سکے۔ لہٰذا اب خود ہی فیصلہ کر لو کہ یہ زمین کس کی ہے، آسمان کس کا ہے، یہ چاند سورج کس کے ہیں اور خود ہم کس کے ہیں۔ بعض حمقاء کہتے ہیں کہ ہم خود بخود پیدا ہو گئے ہمارا کوئی خالق نہیں تو وہ بالفاظِ دیگر یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک لاوارث ملکیت ہیں اور لاوارث ملکیت کے لیے شریعت کا قانون ہے کہ ایسی ملکیت کو بیت المال میں داخل کیا جاتا ہے، انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ کی زمین پر چلیں پھریں، اللہ کے رزق سے کھائیں، اللہ کے چاند اور سورج سے فائدہ اُٹھائیں۔ ایسوں کو دو دن کھانا نہ دو تو خود اقرار کریں گے کہ ہم لاوارث ملکیت نہیں ہیں، ہمارا کوئی مالک ہے۔

لُوٹ لو تمام بہارِ کائنات یعنی حصولِ عیش ہمہ گیر کا طریقہ

سارے جہان کی لذتیں اور بہاریں ہمارے قلوب کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور ہمارے نفوس اور قلوب ہمہ وقت تحتِ مشقِ ستمِ آرزو ہیں تو چین کی ایک صورت تو یہ ہے کہ جو لذت سامنے آئے اسے حاصل کیا جائے لیکن یہ محال ہے اوّلاً تو ہر لذّت کے اسباب واصول مشکل اور اگر مفروضہ صورت میں وصول ممکن تصور کیا جائے تو ان سے لذت کا حصول محال ہو گا۔ مثال کے طور پر شامی کباب کی لذت جسے بے حد مرغوب طبع ہو لیکن معدہ پر ہونے کے بعد اب حسرت کرتا ہے کہ اب کہاں کھاؤں۔ اسی طرح حسین عورت کو فرض کریں کہ لذّتِ جماع اگر چہ اَلَذُّ اللَّذّٰات ہے لیکن بعد انزال وفراغ اب حسرت کرتا ہے مزید طا --

کہاں سے لائے کہ مسلسل جماع کرتا رہے، اتنا بڑا معدہ کہاں سے لائے کہ مسلسل غذائیں کھاتا رہے، اسی طرح سلطنت کا لطف ہے کہ ایک سلطنت کے بعد دوسری سلطنت کو دل چاہتا ہے، اس کے علاوہ زوالِ سلطنت کا غم مارے دیتا ہے۔ اسی طرح تمام محبوب اور مرغوب نعمتیں ہمارے لیے جو باعثِ لذت ہیں باعثِ حسرت بھی ہیں باعتبار فکرِ وصول وفکرِ حصول وغمِ زوال کے۔ اسی طرح اپنے گھر میں خواہ کتنی ہی حسین بیوی ہولیکن بقاعدہ کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ جب انسان کی نظر دوسری عورت پر پڑتی ہے تو اس طرف کو بھی رغبت ہوتی ہے اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال ہر حال میں یہ انسان اس جہان میں تحتِ مشقِ ستم آرزو ہے تو دل کو چین ملنے کا کیا راستہ ہو کوئی سائنسدان مجھے بتادے! یہ فقیر تمام اہلِ جہان کو اعلان کرتا ہے کہ بتائیں کوئی ایسی صورت کہ جہاں حسرت نہ ہو، فکرِ زوال نہ ہو چین ہی چین ہو اور ہمہ گیر عیش ہو، تمام جہان کی نعمتوں سے سیر چشمی ہو، کائنات کی ہر نعمت کا لطف ہی نہیں بلکہ رشکِ نعمِ کائنات لطف دل میں بھرا ہو۔ دل میں آسمان وزمین اور فلکی شمس وقمر اور ارضی شمس وقمر یعنی بتانِ خوبرو کا بھی لطف بھرا ہو، تمام شامی کباب وچنگیزی بکرے، مرغ کی بریانیاں اور تمام سلطنتوں کی شان وآن اور ان کے سلاطین کی اکیس توپوں کی سلامی کا اعزاز دل میں محسوس ہورہا ہو اس کا طریقہ کوئی بتائے؟ ارے کوئی نہیں بتا سکتا اس فقیر سے سنو۔ یہ طریقہ صرف اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں، ان کے سوا کون بتا سکتا ہے۔ فرما رہے ہیں:

﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾

(سورۃ الرعد، اٰیۃ:۲۸)

ایک آیت میں تمام تفصیل بتادی اور تمام نعمتوں اور لذتوں کے حصول کا طریقہ بتادیا جس کی تقریر یہ ہے کہ انسان کی صفات انسان سے منفک ہوسکتی ہیں مثلاً آج ہم حافظ ہیں کل نسیان کے سبب غیر حافظ ہوگئے، آج جوان ہیں کل

بوڑھے ہوگئے، آج تندرست ہیں کل بیمار ہوگئے۔ ہماری صفات ہم سے الگ ہوجاتی ہیں بوجہ اس کے کہ ہمارے اندر تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور یہ تغیرات بوجہ ہمارے حدوث کے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ شانہ حدوث سے پاک ہیں اس وجہ سے وہ تغیرات سے پاک ہیں وہ ازلی، قدیم اور ابدی ہیں، ان کے جملہ صفات بھی ابدی ہیں کسی وقت بھی صفاتِ الٰہیہ ذاتِ حق سے الگ نہیں ہوتے بس جب اللہ کا ذکر کثرت سے کروگے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا قرب نصیب ہوگا تو ان کی معیتِ خاصہ عطا ہوگی اور ان کی معیتِ خاصہ اگرچہ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ہی کا ایک جز ہے مگر یہ جز صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے لیے خاص ہے۔ عام معیت تو تمام کائنات کے ساتھ بھی ہے کفار کے ساتھ بھی ہے۔ مجرم بھی سلطانِ وقت کے پاس کھڑا ہے لیکن یہ معیت کس کام کی۔ معیت تو وہ کام کی ہے جو رضاء سلطان کے ساتھ ہو۔ پس یہ معیتِ خاصہ جس قلب وروح کو عطا کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ کی ذات مع اپنی تمام صفات کے قلب پر کرم نوازی کرتی ہے اور بزبانِ حال یہ عبدِ خاص ومقرب کہہ اٹھتا ہے کہ سارے جہاں کا عیش ہمارے جگر میں ہے اور کہتا ہے کہ ؎

جو دل پہ ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

چونکہ دنیا کی تمام نعمتوں کا خالق اللہ ہے اور ان نعمتوں کے اندر جو لطف ولذت ہے اس کا بھی خالق اللہ ہے پس جس دل میں اللہ کا قربِ خاص عطا ہوتا ہے اس پر حق تعالیٰ کی اس صفت خاص کی بھی عکاسی ہوتی ہے جو خالق ہے تمام کائنات کی اور کائنات کی نعمتوں اور لذتوں کا۔ پس ایسا مقرب باللہ قلب اپنے اندر حق تعالیٰ کی معیتِ خاصہ میں لطفِ ذات اور لطفِ صفات دونوں محسوس کرتا ہے اور سارے جہان میں یہ تمام نعمتیں خواہ بادشاہت کی ہوں یا سلاطین کے تخت

وتاج کی ہوں یا بریانی وکباب کی ہوں یا حسن وشباب کی ہوں یا لذیذ مشروبات کی ہوں جو کچھ لذتیں اور نعمتیں آفاقِ عالم میں بکھری ہوئی ہیں ان کا وصول اور حصول انسان کے لیے عادۃً محال تھا اب اس ہمہ گیر عیش کا یہ قلبِ عارف حامل بنا ہوا ہے اور اس کے لیے وہ محال ممکن بنا ہوا ہے۔ قلبِ عارف باللہ اور روح مقرب باللہ اپنے اندر تمام کائنات اور اس کی لذتوں اور نعمتوں کی بہاریں محسوس کرتی ہے اور اس کی سلطنت ایسی نہیں جس کا تختہ اُلٹ جانے کا خوف ہو۔ دنیا جو مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہے یہ تو فانی ہے، اس کے تمام مظاہر فانی ہیں مگر جن صفاتِ الٰہیہ کی یہ عکاس ہیں ان صفات کو فنا نہیں اور قلبِ عارف کی یہ بہاریں ان صفاتِ الٰہیہ سے منعکس ہو رہی ہیں جو غیر فانی ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

خاصہ کاں خمرے کہ از خُمِ نبی ست
مستی او دائمی نے یک شبی ست
چرخ در گردش اسیرِ ہوشِ ماست
بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
زیں سبب ہنگامہا شُد کل ہدر
باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر
وعدہ ہا باشد حقیقی دلپذیر
وعدہ ہا باشد مجازی تاسہ گیر

پس جس کو مشقِ ستمِ آرزو کے عذاب سے رہائی حاصل کرنا ہو وہ اپنی خواہشات کو حق تعالیٰ کی مرضیات کے تابع بنا دے۔

وہ پہلے آرزوؤں کو جگر میں خون کرتے ہیں
کرم سے پھر نعم کو دل میں دونا دون کرتے ہیں

اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کثرتِ ذکر کی توفیق ہو اور کثرتِ ذکر کی

توفیق اور اس میں اخلاص موقوف ہے کسی اہل اللہ سے تعلق خاص پر۔ چند روز محنت کر کے دیکھو پھر عیش ہمہ گیر کا مشاہدہ کرو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

تعلقِ خُلَّت (خالص دوستی) کی علامت

اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ آیت دال بر علامت تعلقِ خُلَّت ہے۔ جب روحِ سالک کو یہ مقامِ خُلَّت عطا ہوتا ہے تو وہ کثرتِ آہ سے مشرف ہو جاتی ہے۔ انابت کی صفت سے قبل اَوَّاہٌ کو بیان فرما کر بتا دیا کہ انابتِ کاملہ کی صفت مخفی اور باطنی ہے پس دوسرے لوگ کیسے پہچانیں گے ہمارے خلیلوں کو۔ اس لیے پہلے ہی اَوَّاہٌ کی صفت بیان فرما دی کہ آتشِ غم کے تحمل کے لیے وہ بکثرت آہ کیا کرتے ہیں۔

آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور آپ کی خُلَّت بھی منصوص ہے وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی دلیل

کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ یعنی یہ لوگ (کفار) اس روز اپنے رب کا دیدار دیکھنے سے روک دیئے جائیں گے۔ یہ عنوانِ سزا حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے۔ برعکس دنیا کے حُکّام چونکہ حُکّام محض ہوتے ہیں محبوب نہیں ہوتے اس لیے جب سے روئے زمین قائم ہے آج تک کسی سلطان یا حاکم نے مجرمین کو یہ سزا نہیں سنائی ہے کہ تم کو اس جرم کے سبب

ہم اپنی صورت کے دیدار سے محجوب اور محروم کرتے ہیں اور اگر کوئی حاکم یہ اعلان کرے بھی تو مجرمین کہیں گے کہ تیری صورت پر جھاڑو پھرے تو ہماری جان بخش دے اور حق تعالیٰ شانہٗ کفار سے فرمائیں گے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ ہم تمہیں اپنی رویت سے مشرف کریں اور کس انداز سے فرمائیں گے کَلَّا ہرگز نہیں اور صفتِ ربوبیت بیان فرمائی جو علت محبوبیت ہے یعنی پالنے والا محبوب ہوتا ہے اور محبوب کے دیدار سے محرومی کتنی بڑی محرومی ہے جو کفار کے لیے باعثِ حسرت ہوگی۔ ذٰلِکَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی شَانُہٗ بِلُطْفِہٖ۔

ہماری آہ کا خریدار اللہ ہے

اسمِ ذات میں ہماری آہ بھی شامل ہے۔ اگر ذرا کھینچ کر اللہ کہا جائے تو اپنی آہ کی آواز بھی محسوس ہوتی ہے۔ خالق تعالیٰ شانہ نے اپنے عباد کو اس فطرت پر خلق فرمایا ہے کہ اگر وہ غم میں مبتلا ہوں اور اضطرار لاحق ہو، اسباب و تدابیر بھی نہ ہوں تو ان کے دل سے آہ نکلے اور یہ ایسی انسانی فطرت ہے جو تقلید یا تمرین یا سماعت کی بھی محتاج نہیں مثلاً ایک بچہ ابتداء ہی سے ایسی جگہ پرورش کیا جائے جہاں وہ لفظ آہ نہ سن سکے نہ پڑھ سکے اور پھر اسے کسی ایسے غم میں مبتلا کیا جائے جس کے دفعیہ کی تدابیر اس کے سامنے نہ ہوں اور اس کے غم کے مقام کو مقامِ اضطرار پر پہنچایا جائے تو خود بخود اس کے منہ سے آہ نکلے گی۔ یہ عجیب راز ہے کہ اس آہ کو جو حالتِ اضطرار میں بندے نکالنے والے تھے میاں نے اپنے نامِ پاک کے اندر داخل فرما رکھا ہے جیسے مادرِ مشفقہ اپنی آغوش میں طفلِ مضطر کو لے لیتی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس فطرۃ تاوّہ یعنی اضطرار میں آہ کرنے پر ہمیں اس لیے پیدا کیا کہ جب وہ آہ کریں اور پھر مجھے پکاریں یعنی اللہ کہیں تو اپنی آہ کو میرے اسمِ ذات سے الگ نہ پائیں اور ہر بار جب اللہ کہیں تو اپنی آہ کی لذت کو میرے نامِ پاک کے اندر بھی محسوس کریں اور یہ بھی محسوس کریں کہ ہماری آہ کو

پہلے ہی سے میاں نے اپنے نامِ پاک کے اس قدر قریب کر رکھا ہے کہ گویا گلے سے لگا رکھا ہے اور یہ ذوقاً استدلال ہے حق تعالیٰ شانہ کی الوہیت پر۔ اس کے برعکس دوسرے باطل معبودوں کے نام ہماری آہ کے خریدار نہیں اور جب ہماری آہ کے خریدار نہیں تو ہمارے معبود بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ معبود ہی کیا جو بندوں کے دُکھ درد کا ساتھی نہ ہو۔ ذٰلِکَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی شَانُہٗ بِلُطْفِہٖ

حدیث حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلاَءُ پر ایک وجد آفریں علم

حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلاَءُ (رواہ البخاری) دال بر محبوبیت خلوۃ ہے اور خلوۃ محضہ محلِ اعمالِ ولایت ہے کہ مناجاۃ وتاوّہ وتضرع وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیاً فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ وغیر ذالک انعامات وثمراتِ قرب محتاج وموقوف بر تخلی مع الحق ہیں۔ ومثل ذالک وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ دال بر مشقت نفس فی الجلوۃ ہے اگرچہ تبلیغ ودعوۃ الی اللہ وتزکیہ نفوس عباد وغیر ذالک من اعمالِ ضروریہ موقوف ومحتاج جلوۃ ہیں اور بواسطۂ خدمتِ خلق باعث ترقی و قرب ہیں لیکن طبعاً رؤیتِ محبوب بلا واسطہ الذ ہے رؤیت بواسطہ مرآۃ سے وَ لِذَالِکَ کَانَتِ الْخَلْوَۃُ اَحَبَّ اِلٰی وِلَایَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْجَلْوَۃُ کَانَتْ شَاقَّۃً عَلٰی نَفْسِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَمَا یَدُلُّ عَلَیْہِ قَوْلُہٗ تَعَالٰی وَاصْبِرْ نَفْسَکَ الْخ۔

(**تسہیل از مرتب**: بخاری شریف کی حدیث حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَاءُ نبوت ملنے سے پہلے مجھے خلوت محبوب کر دی گئی خلوت کی محبوبیت پر دلالت کرتی ہے اور خلوت ہی اعمالِ ولایت کا محل ہے کہ مناجات ودعا وآہ وزاری وغیرہ جملہ انعاماتِ قرب خلوت مع الحق ہی پر موقوف ہیں۔ اور اسی طرح آیت وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ نفس پر جلوت کے شاق ہونے کی دلالت کرتی ہے اگرچہ تبلیغ ودعوت اور بندوں کے نفوس کا تزکیہ وغیرہ جیسے

ضروری اعمال جلوت کے محتاج ہیں اور خدمتِ خلق کے واسطے سے ترقی وقرب کا باعث ہیں لیکن عاشق کو طبعاً دیدارِ محبوب بلا واسطہ زیادہ مرغوب والذ ہوتا ہے بہ نسبت دیدار بواسطہ آئینہ کے اور اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خلوت زیادہ محبوب تھی جیسا کہ حدیثِ مذکور دلالت کرتی ہے اور جلوت آپ پر شاق تھی جیسا کہ آیت وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ دلالت کرتی ہے۔)

نیز یہی آیت وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ موید اور شاہد بھی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد حُبِّبَ اِلَیَّ الۡخَلَآءُ کی۔ حالانکہ آپ نے اپنے ارشاد پر کوئی دلیل بیان نہ فرمائی تھی لیکن حق تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول حُبِّبَ اِلَیَّ الۡخَلَآءُ کو وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ سے منصوص ومدلل ومؤید بالقرآن فرمادیا۔ اس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت ورفعتِ قرب کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا لطف اس مثال سے واضح ہوسکتا ہے کہ کوئی عاشق دعویٰ کرے کہ میں خلوت مع المحبوب کو احب سمجھتا ہوں پھر اس کا محبوب اس دعویٰ کی تائید میں دلیل بیان فرمائے، عاشقوں کے لیے یہ مقامِ وجد ہے۔ ذَالِکَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی شَانُہٗ بِلُطۡفِہٖ

(**تسہیل از مرتب** آیت وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ اے نبی اگرچہ آپ کو خلوت میں ہمارے ساتھ مشغول ہونا مرغوب ہے لیکن صحابہ کو خوشبوئے محمدی میں بسانے کے لیے ان کے درمیان بیٹھنے میں اپنے نفس پر مشقت برداشت کیجیے۔ اس طرح یہ آیت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد حُبِّبَ اِلَیَّ الۡخَلَآءُ کی تائید کرتی ہے حالانکہ آپ نے اپنے ارشاد پر کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے حُبِّبَ اِلَیَّ الۡخَلَآءُ کی وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ سے تائید فرما کر اس کو قرآنِ پاک سے منصوص ومدلل کردیا۔ اس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت اور مقامِ قرب کی رفعت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا لطف اس مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے

کہ کوئی عاشق دعویٰ کرے کہ میں اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کو بہت محبوب رکھتا ہوں پھر اس کا محبوب اس دعویٰ کی تائید میں دلیل بیان فرمائے کہ میرے عاشق کی محبت کی یہ دلیل ہے تو عاشقوں کے لیے یہ مقامِ وجد ہے۔)

اس حدیثِ مذکور اور آیتِ مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ جلوت کے دینی کاموں میں جس قدر مسرور رہتے ہوں اور خلوت میں ذکر و شغل و تصورِ محبوب میں دل اس قدر نہ مسرور ہوتا ہو تو یہ علامت ہے کہ اس شخص کی روح بمصداق داں کہ روحت خوشۂ غیبی ندید ہے مقامِ ولایت اتباعِ سنت کی برکت سے جس قدر مقرب الی النبوت ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کو خلوت الذ اور جلوت اشق ہونے لگتی ہے لیکن تعمیلِ ارشادِ وَاصْبِرْ کے تحت ترکِ جلوت سے بھی احتراز کرتے ہیں کہ اختیارِ جلوت ہی میں بقاء دین بواسطہ مشاورت و اصلاح و دعوۃ الی اللہ موقوف و منحصر ہے ولنعم ما قال العارف الرومی فی هذا المقام یؤید هذا الحدیث

بہر ایں کر دست منع آں با شکوہ
از ترھب و زشدن خلوت بکوہ
تانہ گردد فوت ایں نوع التقاء
کاں نظر بخت است و اکسیر بقا
مشورہ کن از گروہِ صالحاں
بر پیمبر امرھم شوریٰ بداں
یک زماں زیں قبلہ گر ذاہل شوی
تحرّۂ ہر قبلۂ باطل شوی
چوں شوی تمیز دہ رانا سپاس
بجہد از تو خطرۂ قبلہ شناس

(**تسہیل از مرتب**: اس حدیث مذکور اور آیت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا

کہ جولوگ جلوت کے دینی کاموں میں تو مسرور رہتے ہیں لیکن خلوت میں ذکر واذکار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے میں ان کا دل زیادہ مسرور نہیں ہوتا یہ علامت ہے کہ اس شخص کی روح ابھی مقامِ قرب سے نا آشنا ہے۔ کسی کا مقامِ ولایت اتباعِ سنت کی برکت سے ذوقِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قریب ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کو خلوت محبوب اور جلوت شاق ہونے لگتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاصْبِرْ نَفْسَکَ کی تعمیل میں جلوت کو بھی ترک نہیں کرتے کیونکہ دین کی بقاء تبلیغ و اصلاح اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ جلوت اختیار کرنے ہی پر موقوف ہے۔)

وِلایت کی بھیک اور دل کا پیالہ

دعا میں انعاماتِ ولایت کا اعلیٰ مقام طلب کرے یعنی انعامِ صدیقیت کی درخواست کرے کہ یہ اعلیٰ مقامِ وِلایت ہے اور ولایت کے دروازے قیامت تک کے لیے کھلے ہیں۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

اور اگر وسوسہ آئے کہ ہم تو اس قابل نہیں کس منہ سے مانگیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ۔

آفتابش بر حدث ہا می زند
لطفِ عام او نمی جوید سند

(ترجمہ: اس کا آفتابِ کرم غلاظت پر بھی چمکتا ہے اور اس کی ماہیت بدل کر تنور میں نور بنا دیتا ہے، اس کا لطفِ عام قابلیت نہیں تلاش کرتا۔ مرتب)

اگر ظرف چھوٹا ہے تو حق تعالیٰ اس کی توسیع پر بھی قادر ہیں کہ ظرف کے خالق بھی تو وہی ہیں۔ اگر جھولی چھوٹی ہے تو فقیر یہ کہے کہ میاں آپ کے انعامات کے لیے اگر اس فقیر کا ظرف اور اس کی جھولی ناکافی اور تنگ ہے تو یہ

ظرف اور جھولی بھی تو آپ ہی کی عطا ہے آپ کا کرم اس کو وسیع اور قابلِ انعام بنا دینے پر بھی قادر ہے۔ ہم تو آپ کے ایسے فقیر ہیں کہ آپ ہی سے کاسۂ گدائی بھی مانگتے ہیں۔ ہمارا فقر کمال تہی دستی اور بے مائیگی کے سبب پیالہ بھی آپ ہی کے کرم سے طلب کرتا ہے۔

شکستِ آرزو کا انعام

خلافِ شریعت آرزوؤں کا خون کرنے سے اور شکستِ آرزو کے غم کو جھیل لینے سے اللہ کا راستہ طے ہوتا ہے کَمَایَدُلُّ عَلَیْهِ الْحَدِیْثُ الْقُدُسِیُّ:

﴿اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِیْ﴾

(المرقاة، کتابُ الجنائز، باب عیادة المریض)

میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔ یہ محبوبِ حقیقی کا مسکن ہے، پہلے ویران کرتے ہیں پھر آباد کرتے ہیں جیسے کسی نے خوب کہا ہے ؎

دردِ دل دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
ہم اسی گھر میں رہیں گے جسے برباد کیا

ولنعم ماقال مولانا روم ؎

شاہِ جاں مرجسم را ویراں کند
بعد ویرانیش آباد آں کند

ولنعم ماقال الشاعر ؎

مے کدہ میں نہ خانقاہ میں ہے
جو تجلی دلِ تباہ میں ہے

وقال المجذوب الھندی ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

اور احقر اختر کا شعر ہے ؎

تباہ ہو کے جو دل تیرا محرمِ غم ہے
پھر اس کو اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے
ہزار خونِ تمنا ہزارہا غم سے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالم ہے

وقال العارف الرومی ؎

صبر بگزیدند و صدیقیں شدند

تجلیاتِ قرب کی دو صورتیں

یوں تو صاحبِ نسبت کو حضورِ دوام حاصل ہوتا ہے لیکن گاہ گاہ تجلیاتِ خاصہ کا انعام بھی عطا ہوتا ہے۔ سالکین کے قلوب پر حق تعالیٰ شانہ کی تجلیاتِ قرب کے ظہور کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی تو اس کے آثار و علامات پہلے سے معلوم ہو جاتے ہیں اور کبھی اچانک بطور نعمتِ غیر مترقبہ ظہور فرماتے ہیں۔ صورتِ اولیٰ کی مثال ؎

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند
میل ما را جانبِ زاری کند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب کسی پر فضل فرمانا چاہتے ہیں تو اس کے اندر اپنی یاد میں رونے کا میلان پیدا فرماتے ہیں اور صورتِ ثانیہ میں کوئی علامت پہلے سے نہیں معلوم ہوتی بس اچانک قلب کا دروازہ کھلتا ہے اور قربِ خاص کا اِدراک ہوتا ہے اور سالک بزبان حال کہتا ہے کہ ؎

خود بخود آں شہ ابرار ببر می آید
نہ بزورے نہ بہ زاری نہ بزر می آید

اس وقت تمام کائنات و ما فیہا سالک کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے

اور دل محسوس کرتا ہے۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

یہ صورتِ ثانیہ ارواحِ سالکین کے لیے بہ نسبت اولیٰ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ کَمَا هُوَ الْمُشَاهَدَةُ فِي الدُّنْيَا اِذَا جَآءَ الْحَبِيْبُ اِلَى الْحَبِيْبِ الَّذِي قَلْبُهٗ يَكُوْنُ مُضْطَرًّا وَّمُشْتَاقًا لَّهٗ بِدُوْنِ الْاَخْبَارِ فَتَكُوْنُ الْمَسَرَّةُ فِي الْوِصَالِ وَاللِّقَاءِ اَلَذُّ وَاَكْثَرُ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ الْاَخْبَارُ ترجمہ از مرتب: جیسا کہ دنیا میں مشاہدہ ہے کہ جب کوئی دوست اپنے دوست کے پاس بغیر اطلاع کے آجاتا ہے جس کے لیے اس کا قلب مشتاق و بے قرار ہو تو یہ ملاقات زیادہ لذیذ ہوتی ہے اس ملاقات سے جس میں پہلے سے اطلاع ہو۔

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغرؔ
کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيُشِيْرُ اِلَيْهِ هٰذَا الْحَدِيْثُ اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهٗ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور حدیثِ پاک میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے زمانے کے ان ہی ایام میں نسیمِ کرم کے جھونکے آتے رہتے ہیں پس تم ان کی تلاش میں رہو۔

صحبتِ شیخ کا نفع اور ذکر و فکر

اگر صحبتِ شیخ کی میسر ہو لیکن التزامِ ذکر و فکر نہ ہو تو بھی نفع کامل نہیں ہوتا۔ ذکر سے دل میں نرمی اور قبولِ اثرِ صحبت کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ کاشتکار بیج ڈالنے سے پہلے زمین کو نرم کرتا ہے یعنی اس میں سے کنکر پتھر نکالتا ہے پھر بیج ڈالتا ہے۔ اسی طرح ذکر اللہ سے غیر اللہ کے کنکر پتھر دل سے نکل جاتے

ہیں پھر دل میں صحبتِ شیخ کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔

اِستقامت اور ذکر اللہ

استقامت اور ثابت قدمی کے لیے کثرتِ ذکر اور دوامِ ذکر بہت ضروری ہے۔ کَمَا یَدُلُّ عَلَیْهِ قَوْلُهٗ تَعَالٰی اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا کے بعد وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا کا امر اسی ثبات کے حصول کا نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کفار کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو لیکن یہ ثابت قدمی کیسے نصیب ہوگی؟ وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا ہمیں کثرت سے یاد کرو۔ معلوم ہوا کہ ثباتِ قدمی کثرتِ ذکر سے نصیب ہوگی۔ اس مضمون کی توضیح کے لیے حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک عجیب مثال دل میں ڈالی کہ قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف مستقیم ہے۔ کتنا ہی حرکت دیجئے مگر اپنا رخ جب تک قطب شمالی کی طرف مستقیم نہیں کرلیتی مضطرب رہتی ہے جبکہ دوسرے لوہے خواہ کتنا ہی وزن رکھتے ہوں آپ انہیں جس رخ پر چاہیں ڈال دیں لیکن اس ایک رتی کی سوئی میں یہ بلا کی استقامت کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ اس ننھی سی سوئی میں مقناطیس کی پالش لگی ہوئی ہے پس قطب شمالی پر مقناطیس کا جو خزانہ ہے وہ اس کو اپنی طرف کھینچے رہتا ہے اسی طرح جو سالک ذکر کا اہتمام والتزام ودوام رکھتا ہے اس کے قلب کی سوئی پر اللہ کے نور کی ایک پالش لگ جاتی ہے۔ پھر حق تعالیٰ شانہ کا مرکزِ نور اس قلب کی سوئی کو ہمیشہ اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے۔ خواہ سارا زمانہ اس کے قلب کی سوئی کا رُخ تبدیل کرنا چاہے لیکن یہ دل اپنا قبلہ حق تعالیٰ ہی کی طرف مستقیم رکھتا ہے کیسا ہی ماحول اور کیسا ہی معاشرہ ہو اور کیسی ہی مخالف ہوائیں چل رہی ہوں لیکن اس قلب کی سوئی کو سکون نہیں ملتا جب تک اپنے مولیٰ کی طرف رُخ صحیح نہ کرلے۔ اگر نفس وشیطان ذرا بھی اس کے رُخ کو بدل دیں تو مثل قطب نما کی سوئی کے اس کے دل کی سوئی مضطرب ہوجاتی ہے اور اس

قدر کرب کا احساس ہوتا ہے کہ کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے اور ساری کائنات تاریک نظر آتی ہے کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ الخ اور ایسے مبارک دلوں کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی کوئی پناہ گاہ اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ وَ ظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ لہٰذا ایسے دل استقامت کے لیے مضطر اور مجبور ہوتے ہیں لیکن یہ اضطرار اسی دوام و اہتمام ذکر ہی کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ ذکر سے غافل ہیں وہ گناہوں سے اس قدر بے چین نہیں ہوتے کیونکہ جو پہلے ہی سے ظلمت میں ہو اس کو مزید ظلمت سے زیادہ حیرانی نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس جو نور میں ہو اور پھر اچانک تاریکی اس کو گھیر لے وہ سخت پریشان ہو جاتا ہے۔ اس مثال کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب اچانک بجلی فیل ہو جاتی ہے تو کس قدر تاریکی کا احساس ہوتا ہے اور جن کے گھر میں بجلی نہیں ہوتی انہیں یہ حیرانی نہیں ہوتی۔

اہل اللہ کے فیضِ صحبت کی مثال

صحبت کی نافعیت کی ایک عجیب مثال حق تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ وہ یہ کہ مثلاً دو تالاب ہیں۔ ایک میں خوب مچھلیاں ہیں اور دوسرا خالی ہے۔ اگر یہ خالی تالاب چاہے کہ مچھلیاں میرے اندر بھی آجائیں تو اس تالاب کو دوسرے تالاب سے اِتصال حاصل کرنا پڑے گا کیونکہ مچھلیاں خشکی کا فاصلہ طے کرنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح جو دل صاحبِ نسبت ہے اس کے تمام انعاماتِ وِلایت مثل علوم و معارف، صدق و یقین تقویٰ و خشیت وغیرہ دوسرے خالی دل میں اس وقت آسکتے ہیں جب کہ یہ خالی دل اس قلبِ عارف سے متصل ہو جائے اور یہی تعلقِ خلت یعنی گہری اور خالص دوستی کا تعلق ہے کہ دل کو دل سے ملا دے پس بقاعدہ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ کہ ہر دوست اپنے گہرے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس کا سارا دین اس کے اندر منتقل ہو جائے گا اور یہ اللہ تک

پہنچنے کا بہت ہی آسان راستہ ہے۔ اسی لیے مولانا رومی نے فرمایا ہے کہ ؎

مہر پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دِل مدہ اِلاَّ بہ مہرِ دل خوشاں

اللہ تعالیٰ کے پاک بندوں کی محبت اپنی جان کے اندر بٹھالو اور دل کسی کو مت دو سوائے ان کے جن کے دل اللہ کی محبت سے اچھے ہو گئے ہیں۔

قلب کے تالہ کی کنجی

ہر اسمِ ذات سے قلب کا قفل کھلتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

﴿ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ ﴾

(عمل الیوم و اللیلۃ لابن السنی، باب کیف مسئلۃ الوسیلۃ، ص: ۵۰)

اے اللہ! ہمارے قلوب کے تالوں کو کھول دیجیے اپنے ذکر سے۔ اور جب تالہ کھلتا ہے تب دروازہ کے اندر کا خزانہ نظر آتا ہے جب ذکر کی برکت سے دل کا تالہ کھلے گا تب خزانۂ قربِ الٰہی کا اِدراک ہوگا۔ اور تالہ اس صندوق پر لگتا ہے جس میں قیمتی چیز ہو۔ معلوم ہوا کہ قلوب میں بڑی قیمتی امانت رکھی ہوئی ہے۔ پھر کنجی کی قیمت سے امانت کی قیمت کا پتہ چلتا ہے۔ قیمتی تالہ کی کنجی بھی قیمتی ہوتی ہے۔ ذکر جیسی انمول کنجی سے جس کا تالہ کھلے گا اس میں کیا کچھ قیمتی چیز ہوگی اور وہ تعلق مع اللہ اور محبت الٰہیہ کی قیمتی امانت ہے جو عالمِ ازل میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر قلوب میں رکھ دی تھی۔ ؎

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

جن کی امانت تھی انہی کے نام کی کنجی ان کے رسول سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملی۔ اس قیمتی کنجی کو روس اور امریکہ اور جملہ اہلِ کفر اپنی سائنسی

ایجادات سے نہ پا سکے اور قیامت تک نہ پا سکیں گے اگر حالتِ کفر میں رہے۔
کنجی سے تالہ کھلتا ہے اور تالہ کھلنے پر دروازہ کھلتا ہے اور دروازہ کھلنے پر وہ قیمتی چیز ہاتھ آتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی معیتِ خاصہ کا انکشاف ہے یعنی جب دل کا تالہ کھلتا ہے تو گویا دل کی آنکھوں سے وہ اللہ کو دیکھتا ہے جس کو محدث عظیم علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اَنْ تَغْلِبَ عَلَیْهِ مُشَاهَدَةُ الْحَقِّ حَتّٰی كَاَنَّهٗ یَرَی اللّٰهَ تَعَالٰی شَانُهٗ یعنی مشاہدۂ حق ایسا غالب ہو جاتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ پس جب ذاکر کے منہ سے نکلتا ہے ''اللہ'' تو گویا وہ کہتا ہے کہ اے رب اپنا دروازہ کھولیے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

﴿اَلذَّاكِرُ كَالْوَاقِفِ عَلَی الْبَابِ﴾

جو ذکر کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر پہنچ گیا اور گویا وہ ان کے دروازہ کو کھٹکھٹا رہا ہے یعنی یہ ذکر ہی ان کے دروازہ کو کھٹکھٹانا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں درہم سرے

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کسی دروازہ کو کھٹکھٹاتا رہے گا تو اس دروازہ سے ضرور کوئی سر برآمد ہوگا یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ملیں گے۔ لہٰذا ان کا نام لیے جائیں، اس کی بھی فکر نہ کریں کہ دروازہ کب کھلے گا۔ جیسا کہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا
عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگر نہ طبیب ہست

دنیا میں اللہ کا کوئی عاشق ایسا نہیں ہوا جس نے اللہ کو چاہا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نظرِ کرم نہ فرمائی ہو۔ اے مخاطب! تیرے اندر ہی درد نہیں ہے ورنہ طبیب موجود ہے۔

اجتماعی اصلاح، انفرادی اصلاح پر موقوف ہے

اس وقت معاشرہ گناہوں کی کثرت سے بالکل خراب ہو رہا ہے گویا کہ ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ اس آگ کو بجھانے کا طریقہ بعض لوگ کہتے ہیں اجتماعی ہے لیکن درحقیقت اصلاحِ انفرادی پر اصلاحِ اجتماعی موقوف ہے۔ نارِ نمرود کو ایک انفرادی نور نے بجھا دیا۔ اب اسی زمانہ کی طغیانی اور عصیانی آگ میں اہل اللہ بھی رہتے ہیں اور اس آگ سے مامون ومحفوظ ہیں۔ دنیا کی ظاہری آگ کو تو پانی سے بجھا سکتے ہیں لیکن نارِ شہوت کو صرف اللہ کا نور بجھا سکتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پل صراط سے گذرے گا تو دوزخ فریاد کرے گی:

﴿جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَأَ نُوْرُکَ لَھَبِیْ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

اے مومن! جلد گذر جا تیرا نور میری نار کو بجھائے دیتا ہے تو جب مرکزِ نار مومن کے نور سے بجھنے لگا تو نارِ شہوت تو اس کی فرع اور شاخ ہے۔ پھر اس کی کیا حقیقت ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی نے ایک مصرعہ میں بیان فرمایا۔

نارِ شہوت چہ کشد؟ نورِ خدا

یہ مولانا کا ہی کمال ہے کہ ایسی چھوٹی بحر میں سوال اور جواب دونوں جمع کر دیئے۔ فرماتے ہیں نارِ شہوت یعنی گناہوں کے تقاضوں کی آگ کو کون بجھا سکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں، نورِ خدا۔ آگے فرماتے ہیں۔

نورِ ابراہیم را ساز اوستا

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نور کو مشعلِ راہ بنا لو۔ اس لیے مشائخِ صوفیاء التزامِ ذکر اور اس کے اہتمام کی تاکید فرماتے رہتے ہیں کہ بدون

اس کے نفس کے دواعی اور تقاضے مضمحل نہیں ہوتے۔

تقویٰ کے دو تار

جس طرح دو تاروں سے بلب جلتے ہیں۔ ایک مثبت ایک منفی۔ اسی طرح محبت وتقویٰ کا چراغ دل میں روشن ہوتا ہے جب دو تار جلتے ہیں ایک مثبت یعنی التزامِ ذکر اپنے گھر پر اور دوسرا منفی تار یعنی شیخ کی صحبت۔ ذکر اور وظیفہ تو شیطان بھی بہت کرتا تھا لیکن شیخ کی صحبت میسر نہ تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ منفی تار نہ لگ سکا اور اس کا انا فنا نہ ہوسکا۔ انانیت اور تکبر اور نفس کی تمام خود بینی وخود رائی کو شیخ کی صحبت ہی مٹاتی ہے پس ولایت کے لیے یہ دونوں اجزاء ازبس ضروری ہیں التزامِ ذکر اور صحبتِ شیخ ان دونوں تاروں سے ولایت کا چراغ روشن ہوتا ہے۔

اسی طرح ذکر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک مثبت اور ایک منفی۔ مثبت ذکر نوافل اور اذکار وتلاوت وغیرہ جملہ عبادات اور منفی ذکر گناہوں سے بچنا ہے۔ یہ دونوں مل کر ذکر کامل ہوتا ہے۔

علم اور خشیت لازم وملزوم ہیں

جس طرح آگ کے لیے حرارت اور برف کے لیے برودت لازم ہے اسی طرح علمِ صحیح کے لیے خشیت لازم ہے۔ اگر خشیت نہ ہو تو علمِ صحیح اس کو نہ کہا جائے گا کہ انتفاء لازم انتفاء ملزوم کو مستلزم ہے اور یہ لزوم منصوص ہے۔ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی شَانُهٗ:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُ﴾

(سورۃ الفاطر، اٰیۃ:۲۸)

اور لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ:

﴿وَاللهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُکُمْ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا اَخْشٰکُمْ لَهٗ﴾

(مسند احمد)

اور خشیت کے لیے عمل لازم ہے پس علم کا لازمِ اوّل تو خشیت ہے جو صرف باطن سے تعلق رکھتا ہے لیکن عمل جو علم کا لازمِ ثانی ہے وہ علم کے لازمِ اوّل یعنی خشیت کے لیے دلیل ہوتا ہے پس صحیح علم کے لیے خشیت اور خشیت کے لیے عمل لازم ہے۔ اور جو اہلِ علم ان دونوں لازموں سے کورے ہوں وہ عنداللہ اہلِ علم نہیں ہیں۔ انہیں اپنے کو عالم سمجھنا محض ایک دھوکہ ہے۔

جانِ جملہ علمہا این است و ایں
کہ بدانی من کیئم در یوم دیں

تمام علوم کی جان یہ ہے کہ تجھ کو یہ خشیت حاصل ہو جائے کہ قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا جن کو یہ حاصل نہیں تو ایسے ہی لوگ مَنْ یَّتَفَقَّهُ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ کے مصداق ہیں یعنی جن لوگوں نے علم حاصل کیا لیکن تصوف وخشیت حاصل نہ کی وہ خشک یعنی بے عمل رہے۔ ایسے حضرات کے لیے ضروری ہے کہ کسی ایسے اہلِ علم کی صحبت میں بیٹھیں جس کا علم اپنے لازمِ باطن یعنی خشیت اور لازمِ ظاہر یعنی عمل دونوں لازموں سے آراستہ ہو۔

حضرتِ والا اَدَامَ اللّٰہُ ظِلَالَهُمْ نے اپنے مرشد حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ مکتوب ارسال فرمایا تھا:

''چند مضامین احقر کے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے فیضان سے اہلِ علم کے لیے بڑے نافع بیان ہوئے ہیں۔ بعض بڑے علماء نے یہاں ان کی بڑی قدر کی ہے۔ شرفِ نظارت کے لیے ارسال ہے۔'' محمد اختر عفا اللہ عنہ

انتشارِ اَفکار کے باوجود ذکر کے نفع کی مثال

ایک عالم استاذ بخاری شریف وکتب عالیہ نے سوال کیا کہ مدرسہ کے اہتمام، کثرتِ کار اور انتشارِ افکار کی حالت میں ذکر سے کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوتا، دل مطلق حاضر نہیں ہوتا۔ احقر نے عرض کیا کہ حج کے زمانہ میں مکہ شریف

کے تاجر کثرتِ کار اور انتشارِ افکار کے باوجود جو کچھ غذائے جسمانی کھاتے ہیں کیا وہ خون نہیں بناتی اور کیا ان کے اجسام کے تحفظ و بقاء کا ذریعہ نہیں ہوتی؟ اسی طرح ذکر اللہ کا اہتمام بہر حال مفید ہے خواہ افکار میں کتنا ہی انتشار اور دل کتنا ہی غیر حاضر ہو، منہ سے نکلنے کے بعد اللہ کا نام نور ہی بنا تا ہے۔ دو عالم تھے دونوں کو وجد آ گیا اور تقریباً کئی ماہ ہو گئے اختر کے پاس آتے رہتے ہیں اور اس مثال کا فائدہ یہ بیان کیا کہ آج تک معمول میں ناغہ نہیں ہوا۔

نبی علیہ السلام کی خلوت وجلوت کی وراثت

دوسرا مضمون یہ ہے، مخاطب علمائے کرام تھے کہ جلوتِ نبوت کے کار ہائے دینیہ کا نفع موقوف ہے خلوتِ نبوت کے کار ہائے وِلایت کے اہتمام پر۔ پس دینی مشاغل وعظ و درس واہتمام کے ساتھ تخلی مع الحق اور التزام ذکر وفکر سے استغناء محض دھوکہ ہے۔ از بس ضروری بلکہ تخلی مع اللہ کو تقدم اور اوّلیت حاصل ہے جلوت کی خدمات پر کَمَا صُرِّحَ فِی الْبُخَارِی قَالَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَاءُ، نبوت پر اس کا تقدم بڑے اہم اسرار کی طرف دال ہے نیز بعد ظہورِ نبوت تمام عمر مبارک کے اہتمام خلوۃ ولایۃ النبوۃ کا ذکر قرآن شریف واحادیث شریفہ میں موجود ہے۔ بس وراثتِ جلوت نبی علیہ السلام کے ساتھ اہلِ علم کو وراثتِ خلوت نبی علیہ السلام کا بھی اہتمام ضروری ہے ورنہ دینی خدمات محض کماً بہت معلوم ہوں گی لیکن کیفاً بے جان ہوں گی۔

ہر چند کہ وراثت سے مراد حدیث شریف میں علم مُصرّح ہے لیکن علم سے مقصود عمل ہی ہے، علم تو وسیلۂ عمل ہے۔

(**تسہیل از مرتب**: وہ جملہ دینی کام جو نبی علیہ السلام کی جلوت سے متعلق ہیں ان کا نفع موقوف ہے نبی علیہ السلام کی خلوت کے کار ہائے ولایت کی اتباع پر۔ پس وعظ و درس و جملہ دینی مشاغل کے اہتمام کے ساتھ خلوت مع اللہ و

مناجات اور ذکر وفکر کے التزام سے لاپرواہی سخت دھوکہ ہے، بلکہ جلوت کی خدمات پر خلوت کے تعلق مع اللہ ورجوع الی اللہ کو اوّلیت حاصل ہے جیسا کہ بخاری شریف میں تصریح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ نبوت ملنے سے پہلے مجھے خلوت محبوب کردی گئی۔ نبوت پر اس کا تقدم بڑے اہم اسرار کی طرف دلالت کرتا ہے۔ اور عطاء نبوت کے بعد بھی تمام عمر مبارک ولایتِ نبوت کے کاموں کے اہتمام کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ پس نبی علیہ السلام کی جلوت کی وراثت (یعنی وعظ و درس وتبلیغ) کے ساتھ نبی علیہ السلام کی خلوت کی وراثت (ذکر وفکر ونوافل) کا اہتمام بھی ضروری ہے ورنہ دینی خدمات کمیت کے اعتبار سے بہت معلوم ہوں گی لیکن کیفیت کے اعتبار سے بے جان ہوں گی۔)

اگرچہ حدیثِ پاک:

﴿اَلْعُلَمَآءُ فَاِنَّهُمْ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ﴾

(كنز العمال، كتاب العلم، ج:۱۰، ص:۱۵۰)

(یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں) میں وراثت سے مراد علم ہے لیکن علم سے مقصود عمل ہی ہے جو موقوف ہے خلوتِ نبی کے کارہائے ولایت کی اتباع پر۔

تقویٰ کی آگ اور قلوبِ صادقین

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ الْاٰية پر ایک مثال حق تعالیٰ شانہ نے حضرتِ اقدس کی برکت سے عطا فرمائی جس کے بیان سے اہلِ علم کو وجد آیا وہ یہ ہے کہ کتابوں میں اگر آگ لکھی ہو اور آگ کے خواص پر بہت ہی ضخیم کتابیں بھی ہوں اور کوئی عمر بھر اس کو پڑھتا رہے تو کیا آگ کی حرارت سے استفادہ کرسکتا ہے تاآنکہ خارج میں آگ کے پاس جا کر حرارت نہ حاصل کرے۔ بس تمام دینی انعامات صدق ویقین، خشیت وتقویٰ، محبتِ شدید مع اللہ کی آگ کتابوں

کے نقوش سے حاصل نہیں ہوسکتی، خارج میں جن کے سینے اس آگ کے حامل ہیں ان کی صحبت میں رہ کر ان نعمتوں کا استفادہ کرنا ہوگا جیسا کہ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؂

مہر پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دل مدہ اِلّا بمہر دل خوشاں

حدیثِ پاک میں ہے:

﴿اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاداب، باب الحب فی اللہ ومن اللہ)

یعنی ہر شخص اپنے گہرے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس کسی اہل اللہ کو اپنا خلیل بنانا پڑے گا ورنہ تعلقِ ضعیف سے استفادہ بھی ضعیف ہوگا۔

قیمت کا اعتبار نسبت سے ہے

مضاف کی قیمت ہمیشہ مضاف الیہ کی قیمت کے اعتبار سے ہوتی ہے پس بیت اللہ کو جو شرف حاصل ہے وہ ''بَیْتِیْ'' کی یاء سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمادیا کہ یہ میرا گھر ہے۔ بس اس نسبت سے یہ بیت **محرّم تشریفاً و تعظیماً و تکریمًا و مهابةً** تمام کائنات کے بیوت اور محلاتِ شاہی سے اس قدر مافوق ہے جس کا ہم تصور و اِدراک صرف اپنی معرفت کے اعتبار سے تو اجمالاً کچھ کرسکتے ہیں لیکن حقِ عظمت کی معرفت ہمارے لیے محال ہے کیونکہ جس مضاف الیہ سے اس کو شرف ہے اس کی صفات غیر متناہیہ وغیر محدودہ ہیں پس عظمتِ کعبہ اور اس کی تجلیات کا مشاہدہ بھی غیر متناہی ہے۔ ہر شخص کی روح اپنی استعداد کے اعتبار سے اِدراک کرتی ہے جس قدر تعلق والہانہ جس کو حق سبحانہ وتعالیٰ سے ہوتا ہے اسی قدر اور اس نسبت سے ان کے گھر پر تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بیت کا مزہ اس روح سے پوچھنا چاہیے جو ''بَیْتِیْ'' کے یاء

سے عارف اور مقرب ہے۔ اسی طرح حال اگرچہ محل کا محتاج ہوتا ہے لیکن محل کی قیمت حال سے ہے۔ ایک جھونپڑا ہے لیکن اگر اس میں خدا کا رسول ساکن ومقیم ہے تو وہ تمام زمین وآسمان اور پوری کائنات سے قیمتی ہے۔ اسی طرح انسان کے جسم میں ننھا اور چھوٹا سا دل ہے لیکن جس دل میں اللہ ہے تو یہ دل اپنے مکین کے شرف سے کس قدر قیمتی ہوجاتا ہے کما قال العارف ؎

ہاں دہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

ترجمہ: اے لوگو! یہ گدڑی پوش میرے خاص بندے ہیں۔ میری نسبت کے سبب ان کا ایک جسم ہزاروں خاکی اجسام سے فوق تر ہے۔

رُخِ زرّینِ من منگر کہ پائے آہنیں دارم
چہ میدانی کہ در باطن چہ شاہے ہم نشیں دارم

استغفار کا ایک مضمون

استغفار کا ایک مضمون دعا میں یہ بھی ہے کہ اے اللہ موقعِ سکوت پر میرا نطق اور موقعِ نطق پر میرا سکوت اور موقعِ اظہار پر میرا اخفاء اور موقعِ اخفاء پر میرا اظہار سب معاف فرمادیجئے۔ جملہ اقوال واعمال وحرکات وسکنات سب عفو فرمادیجئے کہ کسی طرح سے میں ان پر مطمئن نہیں ؎

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش

نفس کیسے مٹتا ہے؟

صرف عبادت اور ذکر سے نفس نہیں مٹتا ورنہ شیطان کی عبادت ایک ہزار سال کی اس کے نفس کو ضرور مٹادیتی اور حال اس کا ظاہر ہے۔ پس نفس کو

مٹانے کے لیے صادقین کی معیت وصحبت بہت ضروری ہے اور تعلق بھی غلامی کا ہو محض دوستی کا نہ ہو۔ یہی بات شیطان کو حاصل نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾

(سورۃ لقمان، اٰیۃ: ۱۵)

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ تعلق اہل اللہ سے اتباع کا مامور بہ اور نفع کامل کا مدار صرف اتباع پر ہے۔ اگر اتباع نہ ہو تو رسمی مریدی بھی مفید نہیں۔ پس شیخ سے محض دوستانہ تعلق بے سود ہے، غلامی کا تعلق ہونا چاہیے۔ نیز اہل اللہ کی اولاد و اقرباء اور اہل محلّہ کے دین سے محروم رہنے کی وجہ عدم اتباع ہے لہٰذا ان کی محرومی پر اشکال باقی نہ رہا۔

کبر وعجب کی تحقیق، منطق کی اصطلاح میں

ایک جید عالم سے کبر وعجب کی حقیقت عرض کر رہا تھا کہ قلب میں یہ مضمون عطا ہوا کہ یہ دونوں ایسی کلی ہیں جن میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔ کبر اعم ہے اور عجب اخص ہے۔ پس ہر متکبر مبتلائے عجب بھی ہے (کہ تکبر کی تہہ اور اصل میں عجب مخفی ہوتا ہے یعنی اوّلاً اپنی کسی صفت پر نظرِ استحسان بدونِ خوفِ زوال اور بدونِ استحضارِ نسبتِ عطاءِ خداوندی ڈالی جاتی ہے پھر دوسرے شخص کو جو اس صفت سے خالی ہوتا ہے حقیر سمجھتا ہے پس صورۃ اولیٰ میں عجب کا تحقق اور ثانیہ میں کبر کا تحقق ہونا بیک وقت پایا گیا) اور ہر مبتلائے عجب کا مبتلائے کبر ہونا لازم نہیں حَيْثُ اَنَّ اِعْجَابَ الْمَرْءِ صِفَةٌ مِّنْ صِفَاتِ نَفْسِهٖ لَا يَسْتَلْزِمُ اَنْ يَّرٰى مَنْ يَّخْلُوْ عَنْهَا حَقِيْرًا ۔ مخاطب چونکہ معقول سے دلچسپی رکھتے ہیں بہت مسرور ہوئے۔

(**تسہیل از مرتب**: کبر کے معنی ہیں اپنے کو اچھا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا اور عجب یعنی خود پسندی کے معنی ہیں صرف خود کو اچھا سمجھنا، پس ہر متکبر عجب اور

خود پسندی میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ تکبر کی تہہ میں خود پسندی پوشیدہ ہوتی ہے کہ اپنی کسی خوبی پر نظر کر کے اپنے کو اچھا اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے۔ اپنے کو اچھا سمجھنے سے خود پسند ہونا اور دوسرے کو حقیر سمجھنے سے متکبر ہونا بیک وقت لازم آتا ہے اور جو عجب وخود پسندی میں مبتلا ہے اس کے لیے کبر میں مبتلا ہونا لازم نہیں کیونکہ اپنی کسی خوبی کو اپنا کمال سمجھ کر خود کو اچھا سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو اس صفت سے خالی ہو اس کو حقیر بھی سمجھے۔ لیکن عجب اور تکبر دونوں حرام ہیں۔)

کرم اور سخاوت کا فرق

ایک دوسرے عالم نے احقر سے سوال کیا کہ میرے شاگردوں نے مجھ سے آج سوال کیا ہے کہ کرم اور سخاوت میں کیا فرق ہے انہوں نے فرمایا کہ میں جواب نہ دے سکا اور کہا کہ سوچ کر بتاؤں گا۔ احقر نے ان کو جواب دیا کہ کرم اور سخاوت دونوں کی نسبت میں غور کرلیں جواب نکل آئے گا۔ پھر احقر نے خود ہی عرض کیا کہ کرم اور سخاوت میں بھی نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔ سخاوت صرف مال کے ساتھ خاص ہے کما یدل علیہ ؎

سخیاں ز اموال بر می خورند

اور کرم عام ہے مال کے ساتھ بھی اور دوسری خدماتِ بدنیہ کو بھی۔ اگر کسی نے چل کر کہیں سفارش کردی تو آپ اس کو سخی نہیں کہہ سکتے لیکن کریم النفس کہیں گے۔ اس فرق سے بہت مسرور ہوئے۔

سلیم العقل اور سلیم القلب میں معقول نسبت

ایک اہلِ علم نے دریافت کیا کہ سلیم العقل اور سلیم القلب میں کیا فرق ہے۔ احقر نے جواب دیا کہ ان دونوں کلی میں نسبت تساوی ہے۔ ہر سلیم العقل، سلیم القلب اور ہر سلیم القلب سلیم العقل ہوتا ہے اور اسی طرح اس کا عکس بھی

ہے کہ جو سلیم القلب نہ ہوگا وہ سلیم العقل بھی نہ ہوگا اسی طرح جو سلیم العقل نہ ہوگا وہ سلیم القلب بھی نہ ہوگا۔ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسی سبب سلامتی عقل و فہم کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے کہ اسی سے سلامتی قلب کا پتہ چلتا ہے نیز سلامتی عقل سلامتی قلب ہی کا ثمرہ ہے اور اولیٰ کے لیے ثانیہ بمنزلہ علت ہے اور باعتبار اوّلیت سلامتی قلب کو تقدم حاصل ہے اور قلب میں سلامتی پیدا ہونے کے اسباب اعمالِ صالحہ کا اختیار اور معاصی سے اجتناب ہیں جو صحبتِ شیخ کامل ہی کے صدقہ میں میسر ہوتے ہیں۔ اس ناکارہ کی ایسی باتوں سے اہلِ علم مسرور اور محوِ حیرت ہوتے ہیں۔ وَ ذَالِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ کَرَمِہٖ بِبَرَکَۃِ دُعَائِکُمُ الْعَالِیَۃِ۔

اضطرارِ محمود و اضطرارِ غیر محمود

ایک عالم مہتمم صاحب نے کہا کہ میں طبعاً اور عقلاً و شرعاً امراء کے دروازہ پر جانا پسند نہیں کرتا لیکن کیا کروں کہ مضطر ہوں، بہت قرض ہوگیا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ جو اضطرار کہ مقدماتِ محمودہ صحیحہ پر مرتب ہو وہ اضطرار بھی صحیح اور محمود ہوتا ہے۔ برعکس مقدماتِ غیر صحیحہ پر جو اضطرار مرتب ہوتا ہے وہ اضطرار بھی غیر محمود ہوتا ہے۔ بقدر گنجائش کام کرنا چاہیے۔ اس پر مولانا بہت متاثر ہوئے۔

مضمون دعائے جانِ اختر بدرگاہِ مولائے اکبر

بوقتِ دعا عجیب مضامین و الفاظ جالبِ رحمتِ حق و جاذبِ کرمِ حق دل میں آپ کی غلامی کے صدقہ میں عطا فرماتے ہیں۔ بہ ہر بن مو ممنون و شاکر ہوں۔ مختصر دعا حصولِ سعادت اور آپ کے مطالعہ کے شرف کے حصول کے لیے تحریر ہے۔ نیز گدایانہ و عاجزانہ درخواست ہے کہ میری ہر دعا پر آمین فرما دیجئے آپ کا عظیم کرم ہوگا۔

کہ دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست

(احقر اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

اے آفتابِ کرم! ایک شعاعِ کرم اس جانِ عبدِ عاصی پر بھی ڈال دیجئے کہ

آفتابت بر حد شہا می زند

لطفِ عام تو نمی جوید سند

آپ کا سورج نجاست پر بھی چمکتا ہے اور اپنی فیض رسانی سے اس کو بھی محروم نہیں کرتا۔ آپ کا کرم قابلیت تلاش نہیں کرتا۔ اے بحرِ کرم! ایک قطرہ اس عبدِ ناکارہ کی روح پر ڈال دیجئے

یارب چہ قطرہ ایست محبت کہ من ازاں

یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اے اللہ! آپ کی محبت کا ایک قطرہ بھی عجیب ہے کہ ایک قطرہ پیا ہے اور دریا کا دریا رو رہا ہوں۔ ایک ذرّہ درد کا یارب تو میرے دل میں ڈال دے

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے

الٰہی میں تجھ سے طلبگار تیرا

ہمارا منہ اس عظیم بلکہ اعظم الانعامات کے لائق نہیں، اپنے اعمالِ بد کے پیش نظر یہ مانگنا بے حیائی کا مانگنا ہے مگر اے اللہ آپ کا کرم استعداد و صلاحیت نہیں ڈھونڈتا بلکہ خود استعداد و صلاحیت آپ کی عطا کا ظہور ہے اور ہماری استعداد آپ ہی کی عطا سے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ قانوناً ایک شخص مجرم ہے اور قابلِ سزا ہے مگر مراحمِ خسروانہ کے تحت سلطان سے رحم کی درخواست کرتا ہے اور رہائی پا جاتا ہے۔ پس اے اللہ قانوناً اختر مجرم، روسیاہ، مستحقِ سزا و عذاب ہے مگر آپ کے مراحمِ خسروانہ کو قانون پر بالادستی حاصل ہے

لہٰذا یہ مجرم آپ سے رحم کی درخواست اور فریاد کرتا ہے۔ قضا آپ کی محکوم ہے، آپ حاکمِ قضا ہیں پس آپ اپنی رحمت سے سوءِ قضاء کو میرے حق میں حسنِ قضاء سے مبدل فرما دیجیے۔ یعنی حسنِ خاتمہ اور حفاظت و استقامت اور نجات و مغفرت کو میرے لیے مقدر فرما دیجیے۔

اے اللہ! ہماری آہ کو اور دکھ درد کو بجز آپ کے کوئی سننے والا نہیں، بندوں کی آہ کی سماعت کے لیے آپ کے علاوہ کوئی بارگاہ نہیں۔ آپ جس طرح نیکوں کے لیے پناہ گاہ ہیں اسی طرح مجرمین اور گناہ گاروں کے لیے بھی آپ ہی اور صرف آپ ہی پناہ گاہ ہیں۔

فَـاِنْ كَـانَ يَـرْجُـوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنْ ذَاالَّذِىْ يَدْعُوْ وَ يَرْجُوالْمُجْرِمُ
نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو
کہاں جائے بندہ گنہگار تیرا

اے خالقِ بہارِ کائنات! میری خزاں کو بھی اپنی نسیم کرم سے بہار عطا فرمائیے۔

نو بہارا حسن گل دہ خار را
زینتِ طاؤس دہ ایں مار را

اے پھولوں کے خالق! اس کانٹے کو پھول کا سا حسن عطا فرما اور اس سانپ کو مور جیسی خوبصورتی عطا فرما۔ اے اللہ آپ کو اس عطا کا صدقہ کہ آپ کی رحمت انبیاء علیہم السلام کو معصوم الفطرت پیدا کرتی ہے اور یہ صفتِ عصمت آپ کے شاہی خزانہ کا ایسا قفلِ محفوظ ہے جس پر کسی کی کنجی نہیں لگ سکتی پس اس عطائے عصمت کا صدقہ اور اولیاءِ کرام کو جو آپ اپنی عطاءِ شاہی سے محفوظ فرما دیتے ہیں اس امت اور تمام امم سابقہ کے اولیاء کی اس عطاءِ حفاظت کا صدقہ اس مجرم کو

بھی تمام معاصی سے محفوظ فرمادیجئے۔

اے اللہ! ماں اپنے بچے کے پاس سے سانپ کو دور کر دیتی ہے پس معاصی کہ سانپ سے زیادہ خطرناک ہیں مجھ سے اتنا دور فرمادیجئے كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ جتنا مشرق ومغرب میں آپ نے فاصلہ کردیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ وَاقِيَةً كَوَاقِيَةِ الْوَلِيْدِ مثل ماں کے میری حفاظت فرمایئے جیسے دودھ پیتے بچے کی وہ حفاظت کرتی ہے۔

اے اللہ! بحق اعلانِ رحمت بزبانِ رسالت. فی القرآن اَللهُ يَجْتَبِىْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ آپ میری جان کو بھی اپنی طرف جذب فرمالیجئے اور جس کو آپ کے دست و بازو یعنی آپ کی قدرتِ قاہرہ غالبہ کاملہ اپنی طرف کھینچے گی اس کو پھر نفس وشیطان اور تمام کائنات کی طاقت کب کھینچنے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔

غالبی بر جاذباں اے مشتری

شاید ار درماندگاں را واخری

اَللّٰهُمَّ خُذْ اِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِىْ - میری پیشانی کے بال پکڑ کر ہر خیر کی طرف مجھ کو کھینچ لے۔ اے اللہ! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو صدق ویقین اور نعمتِ تصدیق آپ نے بخشی اس کی ایک شعاع میری جان پر بھی ڈال دیجئے۔

بحق آں کہ لطفِ عام کردی

جہاں را دعوتِ اسلام کردی

اے اللہ! آپ کی اس رحمتِ عام کے صدقہ میں جس نے سارے عالم کو اسلام کی طرف بلایا۔

گدا خود را ترا سلطاں چو دیدم

بدر گاہ تو اے رحماں دویدم

خود کو فقیر اور آپ کو سلطانِ حقیقی دیکھا تو اے اللہ! میں آپ کی بارگاہ کی طرف دوڑ پڑا۔

بحق آں کہ او جان جہان است
فدائے روضہ اش ہفت آسمان ست

صدقہ میں اس ذاتِ گرامی کے جو ساری کائنات کی جان ہیں اور جن کے روضہ پر ساتوں آسمان فدا ہیں۔

بحق سرورِ عالم محمد ﷺ
بحق برترِ عالم محمد ﷺ

سرورِ عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقہ میں۔

دلم از نقشِ باطل پاک فرما
براہِ خود مرا چالاک فرما

میرے دل کو غیر اللہ سے پاک فرما دیجئے اور اپنی راہ کی سمجھ عطا فرمائیے۔

درونم را بعشق خویشتن سوز
بہ تیر دردِ خود جان و دلم دوز

میرے باطن میں اپنی محبت کی آگ لگا دیجئے اور اپنی محبت کا تیر میرے دل و جان میں پیوست کر دیجئے۔

اگر نالائقم قدرت تو داری
کہ خارِ عیب از جانم برآری

اے اللہ! اگر میں نالائق ہوں تو آپ کو تو قدرت ہے کہ گناہوں کے کانٹے میری جان سے نکال دیجئے۔

اے اللہ! حضرت فاروق کو جو صفت الفارق بین الحق والباطل کی عطاء شاہی سے دی گئی اس کی ایک شعاع میری جان پر بھی ڈال دیجئے۔ اے

اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خزانۂ شاہی سے جو صفتِ حیاء بخشی گئی اس کا ایک ذرّہ میرے دل میں بھی ڈال دیجئے۔

اے اللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو شجاعت اور اسد للّٰہیت آپ نے عطا فرمائی کہ وہ بمصداق ؎

شیر حقم نیستم شیر ہوا
فعل من بر دین من باشد گوا

تھے۔ اے اللہ! اپنے خزانۂ عطا سے ایک ذرہ اس شجاعت کا میرے اندر بھی رکھ دیجئے کہ ہر خواہشِ نفس کے مقابلہ میں ؎

ہیں تبر بردار و مردانہ بزن
چوں علی وار ایں درِ خیبر شکن

کی طرح غالب اور غازی بن جاؤں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اے اللہ! جو قرب کی مٹھاس آپ نے حضرت خواجہ حسن بصری اور جنید و رومی تبریزی و شیرازی اور حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی و غزالی و شبلی و بشر حافی، حضرت فضیل و چشتی اجمیری و بابا فرید و حضرت میاں جی نور محمد، حاجی حضرت امداد اللہ و حضرت تھانوی و حضرت شیخ پھولپوری و حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم وامثالھم کو اپنی رحمت سے بخشی ہے اس روسیاہ و نااہل پر ان بزرگوں کے نام پر کچھ بذل فرما دیجئے، کچھ بھیک دے دیجئے، ان کی نقلی محبت و نقلی غلامی کے صدقہ میں اس مجرم کو بھی محروم نہ فرمائیے۔ آپ کے پاکوں کا بھیس بنائے ہوں، اختر نے آپ کے مقبولین کے لباس اور وضع ظاہری کی نقل کی ہے، ان کی شباہت اور ان کے اس لباس کی حرمت کا صدقہ میرے باطن کو بھی انہی کی طرح بنا دیجئے، آمین۔ اے اللہ! جب بیت اللہ کو دیکھوں تو یہ شعر پڑھوں ؎

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما

اور اسی وقت میری روح کو شرفِ حاضری سے مشرف فرما دیجئے اور اپنی رحمت سے قبول فرما لیجئے۔ اے اللہ! جس قدر دعائیں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلبِ خیر اور دفعِ شر کی آپ سے مانگی ہیں بس اس روسیاہ امتی کے حق میں بھی قبول فرمائیے اور اس کے مشائخ واساتذہ اور گھر والے اور احبابِ خصوصی اور قرابتِ رحمیہ کے حق میں اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے حق میں جو آپ کے پاس جا چکے ہیں، جو موجود نہیں اور جو آئندہ آنے والے ہیں سب کے حق میں قبول فرما لیجئے۔ آمین۔ رَبِّ لَا تَجۡعَلۡنِیۡ بِدُعَائِکَ شَقِیًّا۔ اے اللہ! میری سب دعاؤں کو محض اپنی رحمتِ واسعہ کے صدقہ میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں قبول فرما لیجئے اور قبولیت کو ظہور سے اور ظہور کو ظہوریتِ عاجلہ سے مشرف فرما دیجئے۔

دونوں جہاں کا دُکھڑا مجذوب روچکا ہے
اب اس پہ فضل کرنا یا رب ہے کام تیرا

مومن کا ذکر اللہ وکالۃً تمام کائنات کا ذکر ہے

تمام کائنات کی خدمات انسان کی تربیت میں مصروف ہیں۔ پس جب مومن اللہ کہتا ہے تو تمام کائنات کی طرف سے بھی وکالۃً اللہ کہتا ہے اور جب لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو گویا تمام کائنات کی طرف سے کہتا ہے کہ کیونکہ اس کی تربیت میں زمین وآسمان چاند وسورج پانی اور ہوا سمندر اور پہاڑ غرض پوری کائنات کی خدمات شامل ہیں۔

آب و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

پانی اور ہوا خورشید وقمر زمین وآسمان سب تیری خدمت میں مصروف ہیں تا کہ روٹی کا لقمہ جب تو ہاتھ میں لے تو اسے غفلت سے نہ کھائے۔ پس جب مومن نے اللہ کہا تو ارض وفلک نے، شمس وقمر نے، برو بحر نے، شجر وحجر نے، چرند و پرند صحرا وسمندر سیارہ ونجوم سب نے اللہ کہا کیونکہ اس کی پرورش میں من حیث نوع انسانی سب شریک ہیں۔ اس سے صوفیاء کے اس مراقبہ کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ کہو تو تصور کرو کہ میرے ہر بُنِ مو سے اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ سے اللہ نکلا، انسان نے جب اللہ کہا تو تمام کائنات نے اللہ کہا کیونکہ اس کی طاقت میں تمام کائنات کی خدمات شامل ہیں۔

نیز اس حدیث شریف کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب تک روئے زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا ہوگا قیامت نہ آئے گی کیونکہ اس کی وکالت سے تمام کائنات ذاکر ہے اور جب کوئی اللہ کہنے والا نہ رہا تو اب تمام کائنات گویا غیر ذاکر ہوگئی اور مقصد کائنات باقی نہ رہا۔ جب ذکر جان حیات جان کائنات نہ رہا تو کائنات کی موت لازمی ہوگئی اس لیے سب درہم برہم اور فنا کردی جائے گی۔

قیمت کا معیار نسبت سے ہے

جو بلاک شاہی محل میں لگ جاتے ہیں وہ محل کی نسبت سے قیمتی اور باعزت ہو جاتے ہیں اور شاہی محل کا جز کہلاتے ہیں اور جو بلاک کسی بھنگی کے مکان میں لگتے ہیں وہ ظاہری قیمت اور مادّی لحاظ سے اگرچہ مساوی ہیں لیکن نسبت حاصل نہ ہونے سے ذلیل اور بے قیمت ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو خواہشات حق تعالیٰ کی رضا کے لیے قربان کردی گئیں وہ شاہی نسبت کی وجہ سے قیمتی ہوگئیں۔ اسی طرح جو جوانی عبادت میں لگ گئی وہ بھی قیمتی ہوگئی اور سایۂ عرش کی مستحق ہوگئی۔

جاہل صوفیاء کی گمراہی کا سبب

جو صوفی علماء سے متنفر، متوحش اور کنارہ کش ہوگا وہ گمراہ اور زندیق ہوجائے گا۔ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو قانون دانوں سے نہ ملے گا وہ جہل کے سبب لاقانونیت میں مبتلا ہوجائے گا۔ علماء آخرت کے قانون داں ہیں۔ ان سے دور رہنے والا صوفی بوجہ جہل قانونِ خداوندی کی خلاف ورزیوں میں مبتلا ہوجائے گا۔

ہجرت کا حاصل

ہجرت کا حاصل دین کا تحفظ اور معاصی و منکرات سے بچنا ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو صورتِ ہجرت ہے حقیقتِ ہجرت نہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے:

﴿ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَ الذُّنُوْبَ ﴾

(سنن ابن ماجة، کتابُ الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله)

مہاجر وہ ہے جو گناہوں کو ترک کردے اور دوسری حدیث میں ہے:

﴿ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ السُّوْءَ ﴾

(مسند احمد)

مہاجر وہ ہے جو برائیوں کو ترک کردے۔ پس معاصی و گناہ کا ترک کرنے والا افضل ہے اس سے جو ترکِ وطن تو کرے مگر گناہ نہ ترک کرے۔

قرآنِ پاک کے علوم کی جامعیت و بلاغت

قرآن پاک میں بعض مقام پر جہاں دو امر مذکور ہیں تو اول مامور اور مقصود ہے اور ثانی اس کا معین اور ذریعہ وصول و حصول ہے مثلاً:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾

(سورة الانفال، اية:۴۵)

میں امر ثبات علی الجہاد کا مقصود ہے اور کثرتِ ذکر اللہ یہاں اس کے لیے معین اور ذریعۂ حصول ہے یعنی آیتِ شریفہ میں جہاد میں ثابت قدم رہنے کا حکم مقصود

ہے اور اس کا ذریعۂ حصول کثرتِ ذکر ہے۔ مراد یہ ہے کہ استقامت بدونِ کثرتِ ذکرِ حق ممکن نہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾

(سورۃ التوبۃ، ایۃ: ۱۱۹)

تو یہاں بھی امرِ اوّل یعنی تقویٰ مقصود اور مامور بہ ہے اور امرِ ثانی یعنی معیتِ صالحین کاملین تقویٰ کا ذریعۂ حصول ہے۔ چنانچہ عادت اللہ یہی ہے کہ بدون شیخِ کامل کسی کو بھی تقویٰ میسر نہیں ہوتا۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی محبت ایک بے بہا شے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کی تلقین کی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ
وَحُبَّ عَمَلٍ یُّبَلِّغُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ

(سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج:۲، ص:۱۸۷)

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا طالب ہوں اور اس کی محبت کا بھی جو آپ کا محبّ ہو اور اس عمل کی محبت کا بھی جو آپ کی محبت سے قریب تر کردے۔ یہاں محبّ ربانی یعنی عاشقِ حق کی محبت کو ان اعمال پر مقدم کیا گیا جو حق تعالیٰ کی محبت سے قریب کرتے ہیں جس سے حبِ شیخ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ جس کو واصل باللہ جان کر رہنما بنایا گیا ہو اس کی محبت جتنی بھی زیادہ ہوگی اسی قدر جلد وصول الی اللہ کی ضامن ہوگی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس عاشقِ حق کی محبت کی برکت سے اعمالِ تقرب کی محبت اور توفیق ہوگی جو ذریعہ ہوگا وصول الی اللہ کا۔ پس اہل اللہ کی محبت اعمالِ تقرب کی بھی ضامن ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی بھی ضامن ہے۔

پس حُبِّ شیخ سے بڑھ کر محبتِ حق کے حصول کے لیے کوئی عمل موثر نہیں۔ یہی راز ہے جو حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے

کتبِ تصوف میں ذکر فرمایا کہ شیخ کی صحبت میں فرائض وواجبات وسنن مؤکدہ پر اکتفا کرے اور نوافل واذکار ملتوی کردے۔

قرآنِ پاک کی آیت سے دلیل اِنّی کی مثال

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾

(سورۃ اٰل عمران، اٰیۃ: ۱۹۰)

اور اہل عقل کو آگے الذین سے رفع ابہام فرما کر واضح فرمایا کہ یہاں مراد مفکرین سائنس وماہرین ارضیات وفلکیات نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو قیام وقعود وعلیٰ جنوب ہمارا نام لیتے ہیں۔ یہاں مراد کثرتِ ذکر ہے اور یہ بدون محبتِ خاص کے ممکن نہیں۔ پس عاشقینِ حق حقیقی اولو الالباب یعنی اہلِ عقل ہیں اور یہ قسم دلیل انی کہلاتی ہے کیونکہ معلول ظاہر (کثرتِ ذکر) سے علتِ مخفیہ (محبت قلبیہ) پر اِستدلال فرمایا گیا ہے۔

حدیث پاک سے دلیل لِمّی کی مثال

اسی طرح دلیلِ لمی کی مثال بھی حق تعالیٰ نے اس حدیث سے دل میں عطا فرمائی:

﴿مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ﴾

(المرقاۃ، کتابُ الادب، ج: ۹، ص: ۲۱۲، دار الکتب العلمیۃ)

یہاں علت مخفیہ سے معلول ظاہر پر استدلال فرمایا گیا ہے۔ محبت علت اور تکثیرِ ذکر معلول ہے یہ دلیلِ لمی کہلاتی ہے۔

ایک معقولی دلیل کی مثال قرآن وحدیث سے

عقل اور عشق میں نسبت تساوی ہے۔ یہ کلیان متساویان ہیں۔ معقولی

دلیل جو حق تعالیٰ نے اس فقیر کے قلب میں عطا فرمائی۔

اُولُو الْاَلْبَابِ کون ہیں؟ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ ...... الخ

اہلِ عقل کثرت ذکر اللہ والے ہیں

صغریٰ

دلیلِ صغریٰ آیت اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ

اور ہر کثرت ذکر والا اپنے مذکور کا محبّ ہوتا ہے۔

کبریٰ

دلیل کبریٰ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (الحدیث)

نتیجہ بعد حذفِ حدِّ اوسط ہر عقل والا محبّ ہے اپنے مذکور کا یعنی اللہ کا۔ پس جو عاقل ہے عاشقِ حق ہے اور جو عاشق نہیں غیر عاقل ہے۔ عاقل کا ہر فرد عاشق حق ہے اور عاشقِ حق کا ہر فرد عاقل ہے۔

مثنوی کے ایک شعر سے عام مخصوص منہ البعض کی مثال

مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں ؎

یا کریم العفو ستار العیوب

انتقام از ما مکش اندر ذنوب

کرم صفتِ عام ہے، عفو پر بھی اور اس کے غیر پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں مولانا نے عفو کو مضاف الیہ مخصص بنا کر اس کرمِ عام کو عام مخصوص منہ البعض بنا دیا کہ قرینۂ مقام صفتِ عفو کے ظہور کو مقتضی ہے۔

ذکرِ قلیل کی مثال اور اس کا نقصان

بعض لوگ تھوڑے ذکر پر قناعت کرتے ہیں لیکن یہ منافقین کی

علامت ہے، لَا یَذْکُرُوْنَ اللہَ اِلَّا قَلِیْلًا وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل ذکر میں لکھا ہے کہ زیادہ ذکر کرنے والا نفاق سے بری لکھا جاتا ہے۔

قلیل ذکر کرنے والوں کی مثال تھوڑے پانی میں رہنے والی مچھلیوں کی سی ہے جو گرمی کے زمانے میں پانی کے شدید گرم ہوجانے سے بے ہوش ہوجاتی ہیں اور شکاری ان کا شکار کرلیتے ہیں کیونکہ قلیل ذکر سے نور بھی قلیل پیدا ہوتا ہے اور قلیل نور میں رہنے والی ارواح آفاتِ خارجیہ سے متأثر ہوجاتی ہیں اور معاشرہ کے زہریلے اثرات ان کو ہلاک کردیتے ہیں اور کثیر ذکر کرنے والے یعنی دل و جان سے اللہ تعالیٰ پر فدا ہونے والوں کی مثال گہرے دریا میں رہنے والی مچھلیوں کی سی ہے کہ سورج کی شعاعوں سے سطحِ آب جب گرم ہوجاتی ہے تو وہ غوطہ لگا کر دریا کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں اور ٹھنڈے پانی میں پناہ لے لیتی ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں یعنی قلباً اور قالباً خدائے تعالیٰ پر فدا ہیں، ہمہ وقت طاعت میں غرق اور معاصی سے کنارہ کش ہیں اور خطاؤں پہ اشکبار اور نالہ زن ہیں، ان کا دریائے نور اتنا گہرا ہوتا ہے کہ معاشرہ کے زہریلے اثرات ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ کثرتِ ذکر سے مراد صرف ذکرِ لسانی نہیں ہے بلکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ قلب وقالب، اعضاء و جوارح، ظاہر و باطن سب تابع فرمانِ الٰہی ہوں۔ اسی پر اطمینانِ قلب موعود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خوب کان کھول کر سن لو کہ دلوں کا اطمینان صرف اللہ کی یاد میں ہے۔ صاحبِ تفسیرِ مظہری نے بذکر اللہ کی تفسیر فی ذکر اللہ کی ہے یعنی اتنا کثرت سے اللہ کو یاد کرے کہ ذکر کے نور میں غرق ہوجائے کَمَا تَطْمَئِنُّ السَّمَکَۃُ فِی الْمَآءِ لَا بِالْمَآءِ جیسا کہ مچھلیاں بالماء نہیں فی الماء سکون پاتی ہیں یعنی پانی کے ساتھ نہیں بلکہ پانی میں غرق ہوکر سکون پاتی ہیں مثلاً اگر کسی

مچھلی کا پورا جسم پانی میں ڈوبا ہو لیکن سر یا جسم کا کوئی تھوڑا سا حصہ پانی سے باہر ہو تو وہ بے چین ہو گی اور اس کی حیات خطرہ میں ہو گی۔ اسی طرح مومن جب سر سے پیر تک نورِ ذکر میں غرق ہوتا ہے تو اطمینانِ کامل پاتا ہے اور اگر کوئی عضو بھی ذکر سے غافل یا اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہے تو اس کا قلب بے چین اور حیاتِ ایمانی خطرہ میں ہو گی۔

پس بذکر اللہ سے مراد فی ذکر اللہ ہے جس کا حاصل غرق فی النور ہوتا ہے یعنی اللہ کو اتنا کثرت سے یاد کرے کہ ذکر میں غرق ہو جائے۔

ہم ذکر میں ڈوبے جاتے ہیں
وہ دل میں سمائے جاتے ہیں

ذکر سے غرق فی النور ہونا مطلوب ہے جس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّ فِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لَحْمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ دَمِیْ نُوْرًا وَّفِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا. (صحیح البخاری، کتاب الدعوات)

ترجمہ: اے اللہ! عطا فرما میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری شنوائی میں نور اور میری داہنی طرف نور اور میرے بائیں طرف نور اور میرے پیچھے نور اور میرے سامنے نور اور عطا فرما میرے لیے ایک خاص نور اور میرے اعصاب میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور اور میری زبان میں نور اور مجھے نورِ عظیم

عطا فرما اور مجھے سراپا نور بنادے اور کردے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور۔ یا اللہ! مجھے نور عطا فرما۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سرم بر گردنم مانندِ طوق

اللہ کا نور میرے دائیں بائیں نیچے اوپر ہے اور میرے سر اور گردن میں مانند طوق ہے۔

حدیث اِذَا رُأُوْ ذُکِرَ اللّٰہُ کی عجیب تشریح

حدیثِ پاک میں اہل اللہ کی تعریف میں آتا ہے اِذَا رُأُوْ ذُکِرَ اللّٰہُ یعنی جب ان کو دیکھا جاتا ہے تو اللہ یاد آجاتا ہے۔ اس کا کیا راز ہے؟ کیونکہ کثرتِ ذکر کی برکت سے ان کے چہرہ میں آنکھوں میں رگوں میں اور رگوں کے دوران خون میں اور ان کے بال بال میں اللہ کا نور داخل ہوجاتا ہے اور وہ اس نور کے حامل ہوتے ہیں جو اس دعا میں مذکور ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا الخ ۔ پس اللہ والوں کو دیکھنا گویا انوارِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرنا ہے تو پھر ان کو دیکھ کر کیوں اللہ نہ یاد آئے گا۔

مشائخ کو بھی اپنے نفس کی نگرانی ضروری ہے

اگر کسی شیخ سے مریدین کہیں کہ آپ کو دیکھ کر ہمیں اللہ یاد آجاتا ہے اور شیطان اس شیخ کے کان میں کہے کہ اب تو آپ کے اللہ والا ہونے کی دلیل مل گئی۔ حدیث میں ہے اِذَارُأُوْ ذُکِرَ اللّٰہُ اور آپ کو دیکھ کر لوگوں کو اللہ یاد آرہا ہے تو شیخ اس مردود شیطان کو یہ جواب دے کہ مجھے دیکھ کر لوگوں کو اللہ یاد نہیں آیا بلکہ حق تعالیٰ کے پردۂ ستاریت کی ردائے نورانی دیکھ کر لوگوں کو اللہ یاد آیا ہے۔ پردۂ ستاریت پر جو نورِ حق ہے اس سے حق یاد آگیا۔ اگر ستاریت کا یہ پردہ

حق تعالیٰ ہٹالیں تو جولوگ یہ کہہ رہے ہیں پتھر مارنا شروع کردیں یا متنفر ہوکر بھاگ کھڑے ہوں۔

رَبَّنَاظَلَمْنَا میں حضرت آدم علیہ السلام سے رَبَّنَا کہلانے کا راز

آج مظہر سلمہٗ سے ایک بات پر میں ناراض ہوا اور بہت ڈانٹا۔ پھر تنبیہ کی کہ وضو کرکے دورکعت توبہ پڑھواور خوب روکر یا رونے والوں کا منہ بنا کرائے خدا جونیم توفیق ادب بار بار پڑھو۔ پھر جب وہ آئے تو میں نے کہا کہ میرے پیر دباؤ اور کہوابا مجھ سے غلطی ہوئی معاف کردیجئے۔ انہوں نے کہا مجھ سے غلطی ہوئی معاف کردیجئے۔ میں نے کہا ایسے نہیں پہلے ابا لگاؤ۔ پھر کہا ابا مجھ سے غلطی ہوئی الخ۔ میں نے کہا کہ دونوں عنوان میں کیا فرق ہے؟ ابا کہنے سے دل پر خاص رحمت کا جوش ہوا۔ پس اس آیت کی تفسیر سمجھ لوکہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا میں حضرت آدم علیہ السلام سے ربنا کہلانے کا کیا راز ہے خالی ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کیوں نہیں کہلایا اور جس طرح میں نے تمہیں مضمونِ معافی ابا لگوا کر تلقین کیا بوجہ رحمت کے اسی طرح سمجھ لو فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ حق تعالیٰ نے بوجہ رحمت وعنایت حضرت آدم علیہ السلام کو کلماتِ معافی عطا فرمائے۔

دعا کا قبول اور ظہور

دعا کرنا ایسا ہے جیسے بجلی کا سوئچ دبایا بجلی پاور ہاؤس سے آئی اور بلب روشن ہوگیا۔ پس سرچشمۂ رحمتِ حق اس بندہ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے جو دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ دعا مانگتے وقت ایک جملہ قلب میں آیا کہ ہم مانگنے لگے کام بننے لگے۔ دعا مانگتے ہی حق تعالیٰ کی عنایت ہماری کارسازی شروع کردیتی ہے اور دعا قبول تو اسی وقت ہوجاتی ہے مگر ظہور میں حکمت کے مقتضیٰ سے کبھی تاخیر ہوجاتی ہے اور قبول ہونے کے لیے ظہور لازم نہیں جیسے حمل کہ وجود ہوگیا

مگر ظہور بعد میں ہوتا ہے۔

بدنظری میں مبتلا کرنے کے لیے شیطان کا ایک فریب

کبھی نفس کو شیطان یوں بہکاتا ہے کہ اس حسین سے نگاہ بچانے میں جو مجاہدہ کر رہے ہو کہیں یہ فضول اور بے ضرورت نہ ہو اور فی الواقع وہ اس قدر حسین نہ ہو اس لیے ایک مرتبہ خوب غور سے دیکھ کر اطمینان کرلو کہ کیا واقعی وہ اس قدر حسین ہے جس سے نظر بچائی جائے۔ اس طرح خواہ فی الواقع وہ اس قدر حسین نہ ہوتا لیکن وہ مجاہدہ سو فیصد باعثِ اجر تھا، اس سے محروم کر کے محض ظن اور وہم وگمان کا تابع کر کے بدنگاہی کے گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے اور اپنا زہر میں ڈوبا ہوا تیر مار دیتا ہے اَلنَّظَرُ سَھْمٌ مِّنْ سِھَامِ اِبْلِیْسَ مَسْمُوْمٌ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ نظر ابلیس کا زہر آلود تیر ہے اور بسا اوقات ایک ہی نظر نے دین کو برباد اور قلب کا ستیاناس کر دیا اور عمر بھر اس کے دھیان سے نجات نہ پاسکا۔ اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ.

آخرت کی کھیتی کی پیداوار

حدیث پاک میں دنیا کو آخرت کی کھیتی فرمایا گیا ہے۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ اور کسان کھیت گھر نہیں لاسکتا، صرف پیداوار لے جاسکتا ہے۔ اسی طرح دنیا سے کوئی شخص دنیا کو نہ لے جاسکے گا۔ اس آخرت کی کھیت (دنیا) سے صرف پیداوارِ عمل لے جائے گا۔ اب جیسا بوئے گا ویسا غلہ پائے گا۔

خدمت شرط اور نصرت جزاء ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ آج کل دین کی خدمت کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ شرط کا تقدم اور جزاء کا تاخر صاف بتا رہا ہے کہ پہلے دین کی خدمت میں لگ جاؤ جتنا تمہارے

بس میں ہے پھر حق تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

شیخ فضل ورحمتِ الٰہیہ کا واسطہ ہے

جب بجلی کے تاروں کی وائرنگ صحیح ہوتی ہے تو بجلی آجاتی ہے۔ تار واسطہ ہوتا ہے بجلی کا۔ اسی طرح اہل اللہ سے تعلق صحیح ہونا واسطہ بن جاتا ہے رحمت وفضل کی بجلی آنے کا۔ نظر تو فضل پر ہو مگر واسطہ کی قدر بھی ضروری ہے۔

دنیا سے دل نہ لگانے کی تلقین

جس کاغذ کو کسی کاغذ سے جدا ہونا ہو تو گوند زیادہ نہ لگائے ورنہ بوقت جدائی بہت دقت اور تکلیف ہوگی۔ اسی طرح دنیا سے جب چھوٹنا ہے تو اس سے زیادہ دل نہ لگائے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ دل لگائے، ذکر اللہ زیادہ کرے تاکہ روح پر اللہ کی محبت کا گوندا اتنا قوی ہو کہ شیطان مرتے وقت اس کو اللہ سے جدا نہ کرسکے۔

اسماءِ حسنیٰ کی برکات

بجلی کا بٹن دبانے سے بلب سے روشنی کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ پکارنے سے اس صفت کا بندہ پر ظہور ہوتا ہے۔ پس یَا حَلِیْمُ یَا کَرِیْمُ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَۃِ کا نعرہ خاص توجہ اور استحضار کے ساتھ بلند کرتے رہنے سے ان صفات کا ظہور ہوگا۔ حلیم سے حق تعالیٰ کی صفتِ حلم کا ظہور ہوگا اور انتقام نہ لیا جائے گا اور کریم کہنے سے صفتِ کرم کا ظہور ہوگا اور دیئے ہوئے انعامات نہ چھینے جائیں گے بلکہ اضافہ ہوگا اور واسع المغفرۃ سے عظیم ترین معاصی بھی عفو ہو جائیں گے۔

دین سے افسوسناک غفلت

نیک اعمال میں مختصر محنت کرتے ہیں اور دنیا کے کام میں مشقتِ کاملہ

برداشت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز میں دو چار ٹکر مار لیتا ہوں ٹوٹی پھوٹی کچھ عبادت کر لیتا ہوں۔ تو ٹکر کا جواب ٹکر ہی ملنے کا خطرہ ہے۔ ٹکر کے جواب میں شکر کی امید رکھنا کس قدر خود کو دھوکہ دینا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾

(سورة الحج، اية:۷۸)

اے ایمان والو! حق تعالیٰ کے راستے میں جہاد اور کوشش کا حق ادا کر دو۔ ادھر سے کیا مطالبہ ہے اور ہماری طرف سے کیا تغافل ہے اور ظلم یہ ہے کہ کوتاہیوں پر فخر ہے اور اس کو کمال بھی سمجھتے ہیں اور نجات کے لیے کافی بھی سمجھتے ہیں۔

موجودہ دور میں صحابہ کے اعمالِ منصوصہ کے اختیار کی صورت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ الخ﴾

(سورة ال عمران، اية:۱۹۵)

ان آیات میں حضرات صحابہ کے چند اہم اعمال کا ذکر ہے اور ان پر ان کی سیئات کو محو فرمانے اور داخلہ جنت کا تاکید کے ساتھ وعدہ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ اعمال حسب ذیل ہیں:

(۱) ہجرت جو صورةً اور حقیقةً ہر اعتبار سے کامل تھی یعنی ترکِ وطن بھی کیا اور ترکِ معاصی و خطایا بھی کیا۔ حدیثِ پاک ہے **اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْبَ۔**

(۲) **اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ** اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ یہ مجاہدہ غیر اختیاریہ ہے۔ یعنی کفار کی جانب سے اس قدر تنگ کیے گئے کہ چار و نا چار ترکِ وطن کرنا پڑا اور مجاہدہ غیر اختیاری کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے

مجاہدہ اختیاریہ سے بعض وجوہ اور بعض حالات میں افضل لکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ مجاہدہ اختیاریہ میں عجب و پندار کا خطرہ ہوتا ہے برعکس غیر اختیاریہ میں اپنی مجبوری پر نظر ہوتی ہے دوسرے یہ کہ مجاہدہ اختیاریہ میں اپنے نفس کے ارادہ و اختیار کا دخل ہوتا ہے اور غیر اختیاریہ میں خالص تکوینی اور غیبی تربیت کے اسرار شامل ہوتے ہیں۔

(۳) وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ اور میرے راستے میں اذیت دیئے گئے اس یاء نے تو تمام اذیتیں لذیذ کردیں اور اس ایذاء کا مقامِ رفعت واضح فرمادیا کہ جو ایذا کسبِ دنیا کے لیے اور اغراضِ نفسانیہ کے لیے بندہ برداشت کرتا ہے اور وہ ایذاء جو میرے لیے برداشت کرتے ہیں اس میں فرق کس قدر ہے بس میری نسبت یاء سے اس کو سمجھ سکتے ہو اور میری عظمت سے اس ایذاء کی قدر و منزلت کا اندازہ کرو ؎

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۴) وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا اور مقاتلہ کیا کفار سے اور قتل ہوئے اس کی راہ میں۔ خدا کے حکم سے کفار کی گردن مارنا اور خدا کی راہ میں شہید ہونا یہ عمل اگر صرف رضائے حق کے لیے ہو تو یہ مقاتلہ اور شہادت مقبول کہلاتی ہے ورنہ اگر نفس کے لیے ہے اور غیر حق کے لیے ہے تو عدم اخلاص کے سبب نامقبول ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ نفس سے جہاد کرنا (یعنی نیک اعمال) پر قائم رہنا اور نواہی سے (گناہوں سے) نفس کو روکنے کی کلفت کو برداشت کرنا یہ بھی شہادتِ باطنی معنوی ہے (خواہشاتِ نفسانیہ کا خون تیغِ امرِ الٰہی سے کرنے والے) یہ لوگ بھی قیامت کے دن امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ شہداء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

ترے حکم کی تیغ سے ہوں میں بسمل
شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

ان اعمال کو جو حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں آج بھی ان کے اختیار کی صورت اس طرح ہوسکتی ہے کہ (۱) اللہ کے لیے گناہوں کو ترک کردے خود ہمت نہ ہوتو اہل اللہ سے تدبیر دریافت کریں اور کسی اہل اللہ سے باضابطہ اصلاحی تعلق کے بغیر نفس کی اصلاح ناممکن ہے۔ پس ترکِ معاصی کے لیے گھر سے کسی اہل اللہ کے پاس جانا گویا کہ یہ بے گھر ہوا اللہ کے لیے اور ھِجْرَانُ عَنِ الْمَعَاصِیْ وَالْخَطَایَا سے یہ وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا کی صف میں ان شاء اللہ تعالیٰ کھڑا کیا جائے گا۔ (۲) اپنے گھروں سے نکالے گئے اگر آپ کے گردوپیش معاصی کے اڈے ہیں اور معاشرہ نہایت خراب ہے کہ آپ اور آپ کے بچے وہاں رہ کر دین پر قائم نہ رہ سکتے ہوں تو صالح ماحول اور صالح بستی یا محلّہ کی طرف ہجرت کرنا اس شرف کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ (۳) اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ آپ بھی مجاہدات اور تکالیف احکامِ الٰہیہ کے بجا لانے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کی تکالیف کو جھیلنے سے اس مقام کو حاصل کرسکتے ہیں۔ (۴) مقاتلہ اور شہادت کا یہ شرف اگر جہاد بالکفار کا موقع ہاتھ نہ آئے تو نفس سے جہاد جو جہادِ اکبر ہے کرتے رہیں اور نفس سے کشتی لڑتے رہیں۔ یہ تمام عمر کا جہاد ہے۔

کسی کے زندہ شہید ہیں ہم، نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے
ہمیں تو ہے اس سے بڑھ کے رونا کہ دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

اعمال سے مقصود رضاءِ حق ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ
وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ؀

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ○
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ
وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ○ (سورۃ الانفال، ایات: ۴-۳-۲)

ان آیات میں ایمانِ کامل کی علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ذکر اللہ سے ان کے قلوب ڈر جائیں اور کلامِ الٰہی سے ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اقامتِ نماز اور انفاقِ مال اس کی راہ میں کرتے ہیں، یہ سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی۔

جنگِ بدر میں جب مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجتہادی اختلاف ہوا کہ اس مال کا حق دار کون ہے۔ جو نوجوان آگے لڑ رہے تھے انہوں نے اپنا حق سمجھا اور جو پیچھے پرانے لوگ لڑ رہے تھے انہوں نے اپنا حق سمجھا اور جو لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مقرر تھے انہوں نے اپنا حق سمجھا۔ ان آیات میں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ فتح صرف حق تعالیٰ کی طرف سے ہے حتیٰ کہ ملائکہ کا ارسال کرنا بھی صرف بشارت اور اطمینانِ قلب کے لیے تھا:

﴿وَمَا جَعَلَہُ اللہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ
وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللہِ اِنَّ اللہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ○﴾
(سورۃ الانفال، ایۃ: ۱۰)

ترجمہ:۔ فرشتوں کو تو بشارت اور تمہارے اطمینان کے لیے بھیجا گیا اور دراصل مدد تو اللہ کی طرف سے ہے۔

پس ان آیات کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ اپنے آراء و جذبات سے قطع نظر کر کے حق تعالیٰ کے فیصلے پر مالِ غنیمت کو تقسیم کریں اور جب خدا کا نام درمیان

میں آجائے تو ہیبت وخوف سے کانپ اُٹھیں اور اُسی کے نام پر مال ودولت خرچ کریں غرض عقیدہ وخلق وعمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ (از تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی)

حقیقی زندگی اطاعتِ حق اور اطاعتِ رسول کا نام ہے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(سورۃ الانفال، ایۃ: ۲۴)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ اور رسول علیہ السلام کا حکم مانو جب وہ تمہیں زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اس کے دل کو اور اسی کے پاس تم جمع ہو گے۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ اطاعتِ حق اور اطاعتِ رسول کے بدون زندگی صورۃً زندگی ہوتی ہے، حقیقۃً زندگی، زندگی سے محروم رہتی ہے اور دوسری تعلیم یہ ہے کہ حکم ماننے میں دیر نہ کیا کرو کہ شاید تھوڑی دیر میں دل ایسا نہ رہے۔ اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے تابع ہے جدھر چاہے پھیر دے بے شک وہ کسی کے دل کو اپنی رحمت سے ابتداءً نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے ہاں جب بندہ امتثالِ احکام میں سستی اور کاہلی کرتا ہے تو اس کی جزاء میں روک دیتا ہے یا حق پرستی چھوڑ کر ضد وعناد کو شیوہ بنا لے تو مہر کر دیتا ہے کَذَا فِیْ مُوْضِحِ الْقُرْآنِ اور بعض نے یہاں قرب کے معنی لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِہٖ یعنی وہ بندہ کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ تو خدا کی حکم برداری کو سچے دل سے کرو، خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال واسرار پر مطلع ہے، خیانت اس کے آگے نہ چلے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے

اسرار کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔

قلتِ وسائل سے گھبرانا نہیں چاہیے

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾

(سورۃ الانفال، ایۃ: ۱۱)

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جس وقت کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور اتار اتم پر آسمان سے پانی تاکہ اس پانی کے ذریعہ تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾

(سورۃ الانفال، ایۃ: ۱۲)

اور یاد کرو اس وقت کو جب آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں، آپ ایمان والوں کی ہمت بڑھائیں میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔

جنگِ بدر کا معرکہ سخت معرکہ تھا۔ کفار کی تعداد تین گنا زیادہ تھی اور وہ مسلح تھے جبکہ مومنین بے سروسامان اور تعداد میں تھوڑے تھے پھر کفار نے اپنے لیے اچھی جگہ لے لی اور وہاں پانی تھا۔ یہ بے چارے نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، پانی کے بغیر غسل اور وضو کی تکلیف اور پیاس کی شدت شیطان نے وساوس ڈالے کہ تم مقبول ہوتے تو حق تعالیٰ تمہاری مدد کرتے۔ حق تعالیٰ نے اس وقت پانی برسایا جس سے کفار کیچڑ میں پھسلنے لگے اور مومنین کے لیے ریت جم گئی اور پانی جمع کر لیا اور پھر حق تعالیٰ

نے ایک اونگھ طاری فرمائی جب آنکھ کھلی تو سارا تکان اور خوف وہراس دور ہو گیا اور تازہ دم ہو گئے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ کبھی تھوڑی چیز کو بندوں کے لیے کافی فرما دیتے ہیں اس لیے کوئی نعمت زیادہ نہ ہو تو گھبرانا نہیں چاہیے۔ چھ گھنٹے کی نیند سے وہ کام نہیں ہو سکتا جو ذرا دیر کی اونگھ سے حاصل ہوا۔

اعمال کی قیمت کیفیت سے ہوتی ہے

اعمال کی ایک کیفیت ہے، ایک کمیت ہے۔ کمیت تو قیامت تک اُمت کے لیے عام ہے مگر کیفیت کا معاملہ یہ ہے کہ جس مقامِ اخلاص سے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اوّابین واشراق وحج وعمرہ وانفاقِ مال وغیرہ کیا ہے وہ قیامت تک کسی کو میسر نہیں ہو سکتی اور انہیں کیفیتِ قلبیہ کے تفاوت سے نبوت، صدیقیت وصالحیت کے افراد کے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔

عشقِ مجاز سے بچنا عشقِ حقیقی کا ذریعہ ہے

حسنِ مجاز کی طرف کشش، میلان اور محبتِ مجازی ہمارے اندر جو پیدا کی گئی ہے دراصل حق تعالیٰ نے اپنی محبت سکھانے کے لیے رکھی ہے کہ جس طرح محبوبِ مجازی پر دل وجان، آبرو ومال، اولاد سب قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہو تو یہ فانی مخلوق کا حسنِ مستعار جب اس معیار کی فدائیت وقربانی کا مستحق ہو تو پھر اس کے خالق کا کیا حق ہونا چاہیے کہ مرنے والی لاشوں کے ساتھ تو یہ جذبہ اور حی و قیوم کے ساتھ ایسے بودے اور لچر حالانکہ یہ مادّۂ محبت اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رکھا تھا کہ تمہیں مجاز کی طرف میلان ہوگا لیکن جب اس میلان پر عمل نہ کر کے غم اُٹھاؤ گے تو اللہ کو پا جاؤ گے پس مجاز سے بچنے کا غم ذریعہ ہے عشقِ حقیقی کے حصول کا کیونکہ بعض ذریعہ کو براہِ راست استعمال کرنا ممنوع ہوتا ہے بوجہ مہلک ہونے کے مثلاً سمندر ذریعہ ہے جہاز چلنے کا تو بحری جہاز

حاجی کو جدہ اُتارے گا اس لیے اس پر بیٹھنے سے آدمی امن وسلامتی سے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ جہاز کے چلنے کا ذریعہ سمندر ہے، سمندر نہ ہوتا تو جہاز نہ چلتا تو کیا سمندر میں کودنا جائز ہوگا؟ اگر ذریعہ میں گھسو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے بس حسن کے سمندر میں مت کودو، اس کو دیکھو ہی مت کیونکہ اس کو دیکھنا بھی سمندر میں کودنے کے مترادف ہے، لہٰذا حق تعالیٰ کی محبت کے جہاز پر سلامتی سے بیٹھ جاؤ، یہ اسلام ہے، پیغام سلامتی وامن ہے اور حسن مجاز کے سمندر میں مت جاؤ، اس سے احتیاط رکھو یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ نگاہوں کو اس سے بچاؤ اور جذباتِ محبت کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جملہ احکام الٰہیہ کی تعمیل میں صرف کرو۔

حدیثِ صحت کی عجیب تشریح

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کی جو دعا بارگاہِ حق میں عرض کی ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَ حُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ وَ الْعَیْشَ بَعْدَ الْمَوْتِ﴾

(شعب الایمان للبیهقی)

تو اس ترتیب میں خاص علوم ہیں۔ صحت کے بعد ہر لفظ کو صحت سے خاص تعلق ہے۔ ہر مقصد بعد صحت جو مذکور ہے صحت کا موقوف علیہ ہے چنانچہ صحت کے لیے عفت ضروری ہے، غیر عفیف اکثر بیمار ہو جاتا ہے اور عفت کے لیے امانت ضروری ہے۔ امانتِ چشم وصدر خاص طور سے اہم ہے اور امانت نام ہے مالک کے عطاء فرمودہ اعضاء کو اور ان کی قوّتوں کو مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔ پس امانت کے خلاف استعمال سے صحت کو نقصان اس وجہ سے بھی پہنچتا ہے کہ خیانت معصیت ہے اور ہر معصیت قلب کو بے سکون کرتی ہے اور بے سکونیِ قلب صحت کو خراب کرتی ہے خواہ کتنی ہی عمدہ غذا کھائے، اسی طرح

حسنِ خلق سے صحت کو نفع ہوتا ہے۔ اگر مغلوب الغضب ہو یا مغلوب الشہوت ہو یا بے صبر ہو یا حریص ہو یا قانع نہ ہو یا توکل نہ ہو تو ہر خلق کی خرابی سے تشویش پیدا ہوتی ہے۔ غضب سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اور عدم توکل و بے صبری سے ضعف ہوکر بلڈ پریشر ضرورت سے زیادہ کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رضا بالقدر پر یعنی فیصلۂ الٰہی پر راضی نہ رہنے سے دل پریشان رہتا ہے، جس سے صحت کو نقصان ہوتا ہے، کوئی غذا جسم کو نہیں لگتی، آدمی صاحبِ فراش ہو جاتا ہے اور عیش بعد الموت رضا بالقضاء کے لیے معین ہے ورنہ آدمی افلاس یا کسی تکلیف میں ہو تو مستقبل اور وطن کی راحت کی امید پر سفر کی صعوبت کا تحمل آسان ہوسکتا ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس تقریر کو بہت پسند فرمایا اور ڈاکٹروں کے اجتماع میں احقر سے خطاب کرایا تھا۔

معیتِ صالحین جنت سے افضل ہے

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ کو حق تعالیٰ نے مقدم فرمایا ہے دخول جنت کی نعمت سے پس صالحین کی معیت افضل ہے جنت سے اور وہ جنتی صالحین یہاں سے ہی جاتے ہیں پس جو ان کی صحبت پا جائے تو جنت سے افضل نعمت پا گیا اور اس کی جنت شروع ہوگئی، احقر کا شعر ملاحظہ ہو ؎

میسر چوں مرا صحبت بجانِ عاشقاں آید
ہمیں بینم کہ جنت بر زمیں از آسماں آید

ترجمہ: جب میں عشاقِ حق کی محبت پا جاتا ہوں تو لگتا ہے کہ جنت آسمان سے زمین پر آگئی۔

اور جس مکان کے مکینوں کے ساتھ رہتا ہے اُنہیں کے ساتھ جنت کے مکان میں جائے گا بشرطِ اتباع کیونکہ رفاقت بدونِ اتباع صحیح نہیں۔ صرف قربِ حسی کافی نہیں، اتباع مطلوب ہے بلکہ اتباع حاصل ہے تو دوری میں بھی

قربِ معنوی حاصل ہے۔

عظمتِ صحابہ

حضراتِ صحابہ کی عظمت پر احقر کے دو شعر ہیں۔

خدا نے خود جنہیں بخشا رضامندی کا پروانہ
انہیں پر بعض ناداں کچھ گڑھا کرتے ہیں افسانہ
خدا کی رائے سے بھی منحرف تو ہے معاذ اللہ
میں کہہ دوں کیوں نہ اے ظالم تجھے پھر حق سے بیگانہ

اور عظمتِ صحابہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا فرمان صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ ہی کافی ہے کہ تم ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔ کیا قیامت تک کسی غیر صحابی کو یہ نعمت مل سکتی ہے کہ اس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہو، پوری کائنات میں یہ شرف صرف صحابہ کو حاصل ہے۔

خدائی پنشن

اہل اللہ جوانی کے مجاہدات اور صحت کی ریاضات کے بعد ضعف اور پیری میں بدون مجاہدات و ریاضات قربِ خاص محسوس کرتے ہیں اور یہ نعمت ان کو بطور پنشن عطا ہوتی ہے۔ دنیا کی سرکار تو آدھی پنشن دیتی ہے لیکن اس عالی سرکار سے پوری پنشن عطا ہوتی ہے۔ جب بخاری شریف کی روایت میں اِذَا مَرِضَ اَوْ سَافَرَ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ یعنی مسافر اور مریض کو برابر کا ثواب ملتا ہے بدون وِرد اور وظائف کے جو وہ صحت اور وطن میں کرتا تھا۔

چند اشعار

ایک دوست کو حیدر آباد دکن خط لکھا کہ وہ میرے مضامین جو روزنامہ دکن میں طبع ہوتے تھے بھیج دیں۔ اس سلسلہ میں احقر نے تین شعر ان کو لکھے:

اشعار بنام محمد رضوان القاسمی فاضل دیوبند

آپ کی جب یاد آتی ہے مجھے
خون کے آنسو رُلاتی ہے مجھے
دفع کرنا مضطرب کا اضطراب
سوچ لیں کہ کس قدر ہوگا ثواب
یاد آتے ہیں مجھے یارانِ ہند
گرچہ بیٹھا ہوں میں با یارانِ سندھ

بدنگاہی سے احتراز کے ثمرات

نگہ جس نے نامحرموں سے بچالی
حلاوت بھی ایمان کی اس نے پالی
ہوئی تیغِ حق سے شہادت کسی کی
نہیں جس پہ لیکن شہادت کسی کی
مگر دل کے اندر لہو آرزو کا
خدا نے تو دیکھا یہ منظر لہو کا
قیامت کے دن باطنی یہ شہادت
کرے گی شہیدوں کی صف میں اقامت
دیا ملک و اقبال جاہ بلخ کا
ہے شہرہ زبانوں پہ شاہِ بلخ کا
مگر پی گیا جو لہو آرزو کا
نہ دیکھا کبھی منہ کسی خوبرو کا
اگر شاہِ ادھم سے برتر نہیں ہے
تو رتبہ میں وہ ان سے کمتر نہیں ہے

ترے حکم کی تیغ سے میں ہوں بسمل
شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

مہہ و شمس سے دست بردار ہو کر
میں پہنچا خدا تک سرِ دار ہو کر

جو دل روکش غیر حق ہو رہا ہے
فقیری میں شاہِ بلخ ہو رہا ہے

جس عاشق کا سر ہو تری تیغ سے خم
عجب کیا کہ ہو رشکِ سلطانِ ادھم

انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی خواہشات جوان ہوتی ہیں اس پر احقر کا شعر ہے۔

مت دیکھنا سفیدیٔ ریشِ دراز کو
ہے نفس نہاں ریشِ مُسَوَّد لیے ہوئے

سورۂ حجرات میں ادب کا مقام

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجہ عظمت و ادب آواز پست کر کے بات کرتے ہیں میں نے ان کے قلوب کو تقویٰ کے لیے منتخب کر لیا۔

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک گئی نظرِ انتخاب کی

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ عمل صرف ادب کا ہے تہجد و تلاوت، نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ اور جہاد کا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ادب کا مقام کیا ہے کہ اللہ کی دوستی کے لیے قلوب ادب کی برکت سے منتخب ہوتے ہیں۔

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

صبر پر مہتدون کی بشارتِ عظمیٰ

صبر پر انعام معیت مع الحق بھی ہے اور مُھۡتَدُوۡنَ کی بشارت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ہونا ایک انعام ہے اور اس سے بڑھ کر عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ ہونا ہے جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہدایت کی راہ پر ہونے کا انعام اس لیے اہم ہے کہ مثلاً جب آدمی کو لاہور جانا ہو اور وہ کراچی والی ریل پر بیٹھ جائے اور اس کو معلوم ہو جائے کہ یہ ریل ہم کو لاہور نہ لے جائے گی، ہم غلط بیٹھ گئے تو ہر لمحہ اس کا کس قدر پُر الم اور بے کیف ہوگا۔ پس حق تعالیٰ کی طرف جانے والے راستہ پر ہونا ہی سکون اور اطمینانِ قلب کا سبب ہوتا ہے۔ پھر مُھۡتَدُوۡنَ فرمانا اس سے بڑا انعام ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں، صحیح راہ پر ہیں اور اراءۃ الطریق سے آگے ایصال الی المطلوب پر بھی فائز ہیں یعنی آخذین لذّتِ وصالِ حق ہیں اِھۡتِدَاء کا وزن اِفۡتِعَال کا ہے جو طلبِ ماخذ کی خاصیت رکھتا ہے اور ہدایت کے دو جزء ہیں اراءۃ الطریق اور ایصال الی المطلوب اور فردِ کامل وصولِ منزل ہی ہے اور مطلق جب بولا جائے گا تو فردِ کامل ہی مراد ہوگا۔ پھر عطا جو کریم کی جانب سے ہو کیسے ناقص ہوگی۔ پس صبرِ کامل کا بڑا انعام وہ قربِ خاص ہے جو اخذِ لذّتِ وصال باللہ کے مترادف ہے۔

امت کے بڑے لوگ کون ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَشۡرَافُ اُمَّتِیۡ حَمَلَةُ الۡقُرۡاٰنِ وَاَصۡحَابُ اللَّيۡلِ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الصلوٰۃ، بابُ التحریض علی قیام اللیل، ص: ۱۱۰)

میری امت کے بڑے لوگ حافظِ قرآن اور تہجد گذار ہیں، حملۃ القرآن کے بعد اصحاب اللیل فرما کر یہ بتادیا کہ یہ شرافت مکمل جب ہوگی جب مقرب بالکلام، مقرب بصاحب الکلام یعنی مقرب بامتکلم بھی ہو۔ مراد یہ ہے کہ حافظِ قرآن

اللہ تعالیٰ کا مقرب بھی ہو مگر اس قربِ خاص کے حصول کا ذریعہ تہجد کی نماز ہے۔ چنانچہ تہجد کے فضائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار باتیں بیان فرمائی ہیں۔ عَلَیْکُمْ بِصِیَامِ اللَّیْلِ یہ علیٰ وجوب کے لیے نہیں ترغیب کے لیے ہے اور وجوب بھی اگر مانا جائے تو وجوبِ رابطہ کہا جا سکتا ہے شرعی اور ضابطہ کا وجوب مراد نہیں چنانچہ مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ یہ نماز سنت مؤکدہ بھی نہیں نفل ہے جو موجبِ قرب ہے اور اس نماز کو اگر آخر شب میں نہ پڑھ سکے تو وتر سے قبل دو رکعت ہی پڑھ لے بہ نیت صلوٰۃ اللیل اور دوسری صورت یہ ہے کہ اشراق کے وقت قضا کر لے۔

وہ چار باتیں نافع نمازِ تہجد کی یہ ہیں: (۱) فَاِنَّهٗ دَابُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ جملہ صلحائے امت کا معمول ہے اور مشابہت بالمحبوبین والمقبولین سببِ محبوبیت ومقبولیت ہے۔ (۲) وَقُرْبَۃٌ لَّکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ یہ نماز مقربِ بارگاہِ حق بناتی ہے الیٰ استعمال میں کبھی غایہ مغیا میں داخل ہوتی ہے جیسے ذَھَبْتُ اِلَی الْمَسْجِدِ تو مراد یہ نہیں ہوتی کہ صرف مسجد کے دروازے سے واپس آ گئے بلکہ اندر داخلہ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح اِلٰی رَبِّکُمْ سے مراد دربارِ خاص میں داخلہ ہے۔ (۳) وَمُکَفِّرَۃٌ لِّلسَّیِّئَاتِ اور گناہ مٹا دینے کا ذریعہ ہے۔ (۴) وَمَنْھَاۃٌ عَنِ الْاِثْمِ اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ ہے یعنی سیئاتِ ماضی کو فنا کر دے گی اور مستقبل کے سیئات سے تحفظ کا ذریعہ بنے گی۔

احقر نے یہ تقریر ہردوئی اشرف المدارس کے طلباء کرام کے اجتماع میں کی تھی۔ حضرت مرشدنا ہردوئی بھی تشریف رکھتے تھے۔ کچھ طلباء کرام کا حفظ مکمل ہوا تھا اس کا جلسہ تھا۔ اسی سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ آپ حضرات حاملینِ قرآن تو ہو گئے لیکن اشرافِ امت ہونے کے لیے حملۃ القرآن کے بعد فوراً واصحاب الیل فرمایا۔ اس ترتیب اور تقدم وتاخر میں یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ محض حفظ کر کے اعمال اور اصلاحِ اخلاق اور حضوری مع الحق کی دولت

سے غافل رہیں گے تو خلق بھی ان کو اشرافِ امت نہ سمجھے گی۔ چنانچہ آج لوگوں کی نظر میں اہلِ علم کی جو بے قدری ہے اس کا سبب حق تعالیٰ سے رابطہ کی کمزوری ہے اور اس کے نتیجہ میں اعمال واخلاق کی خرابی دیکھ کر عوام متوحش ہوتے ہیں اور بجائے عزت کے ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے رس گلہ جس میں رس نہ ہو اس کو جو کھائے گا تھوتھو کرے گا۔ رس گلہ اضافت مقلوبی ہے دراصل گولۂ رس تھا، پھر رس گولہ ہوا اور بگڑتے بگڑتے رس گلہ ہوگیا۔ پہلے گولہ بنایا جاتا ہے پھر اس کو شکر کے قوام میں ڈالا جاتا ہے جس کے بعد وہ رس گلہ ہوجاتا ہے۔ اگر اس کو شکر کے قوام میں نہ ڈالا جائے تو خالی گولہ رہے گا اس میں رس نہ ہوگا، جو کھائے گا وہ ناقدری کرے گا کیونکہ گولہ محض ہے رس غائب ہے۔ یہی حال ہم لوگوں کا ہے کہ ہم کو مخلوق اللہ کے دردِ محبت کا حامل سمجھتی ہے لیکن جب قریب سے سابقہ پڑتا ہے تو ہم کو خالی اور صفر پاتی ہے، ہمارے علم وعمل میں فاصلہ دیکھ کر حقیر سمجھتی ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ہم ظاہری تعلیم تو حاصل کرلیتے ہیں مگر اہل اللہ کی صحبت سے حق تعالیٰ کی محبت کا رس نہیں حاصل کرتے ورنہ اگر ہمارا دل حاملِ دردِ محبت بھی ہوجائے تو جدھر سے ہم نکلیں گے اس کی خوشبو لوگوں کو مست کردے گی، ہماری آنکھوں سے حق تعالیٰ کا تعلق جھلکے گا، اللہ تعالیٰ کی محبت چھلکے گی۔

تابِ نظر نہیں تھی کسی شیخ و شاب میں
ان کی جھلک بھی تھی مری چشمِ پُر آب میں

علامہ سید سلیمان ندوی نے خوب فرمایا۔

ترے عشق کے غم کی دولت ملے
تو سارے غموں سے فراغت ملے
یہی زندگی جاودانی بنے
جو آبِ حیاتِ محبت ملے

محبت تو اے دل بڑی بات ہے
یہ کیا کم ہے جو اس کی حسرت ملے

ایک شعر احقر کا اپنا یاد آیا ؂

ہائے جس دل نے پیا خونِ تمنا برسوں
اس کی خوشبو سے یہ کافر بھی مسلماں ہوں گے

احادیث میں مذکور دو عظیم الشان خیر

مندرجہ ذیل تقریر احقر نے بمبئی میں دعوۃ الحق کے ایک جدید مدرسہ تعلیم القرآن کے افتتاح پر بحکم حضرت مرشدنا ہردوئی دامت برکاتہم کی تھی۔

احقر نے عرض کیا تھا کہ حدیث پاک میں وارد ہے:

﴿خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ﴾
(صحیحُ البخاری، فضائلُ القراٰن)

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن پاک سیکھیں اور سکھائیں۔ حاصل یہ کہ قرآن سیکھنے سے خیر نہ ہوگے جب تک سکھاؤ گے بھی نہیں لیکن قرآن کی تعلیم دینے کے لیے ہر شخص کو موقع کہاں نہ ہر شخص کے پاس اتنا وقت ہے، نہ تمام خلق اس میں لگ سکتی ہے۔ پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو تعلیمِ قرآن دینے والے ہیں ان کے ساتھ تعاون کرنے والا بن جائے، خادمِ معلمینِ قرآن بن جائے اس طرح سے کہ ان کی تنخواہوں کی فکر رکھے، ان کی راحت وفراغت کا خیال رکھے اور تعلیم کے لیے بچوں کو اور ان کے وارثین کو ترغیب دے، قرآن پاک کے مکاتب کی تعمیر میں حصہ لے تو ان شاء اللہ یہ بھی عَلَّمَهٗ میں داخل ہو جائے گا۔

ترمذی شریف کی روایت ہے:

﴿خَیْرُکُمْ مَنْ ذَکَّرَکُمْ بِاللّٰهِ رُؤْیَتُهٗ وَزَادَ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُهٗ وَرَغَّبَکُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَمَلُهٗ﴾
(کنزُ العمال)

پہلی حدیث میں تعلیم وتعلمِ قرآن کی جو خیر مذکور ہے اس کے ساتھ طلباء کرام اور اساتذہ کرام دوسری خیر بھی حاصل کریں کہ ان کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے، ان کی وضع قطع سے یہ معلوم ہو کہ یہ اللہ والے لوگ ہیں، ان کی باتوں سے علم میں اضافہ ہو اور ان کے عمل سے آخرت کی رغبت پیدا ہو۔ چنانچہ ہردوئی کے طلباء کرام کی وضع قطع ایسی ہے کہ دور ہی سے اللہ والے معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ مدارس کے طلباء کو ادعیہ مسنونہ کے بعد دوسری ضروری تعلیمات بھی زبانی یاد کرادیں مثلاً کھانے پینے کی سنتیں اور وضو کی سنتیں وغیرہ اور منورات ومظلمات یعنی اخلاق حسنہ واخلاق رذیلہ وغیرہ اور جلسوں میں جماعتِ مسلمین کے سامنے ان سے زبانی کہلایا جائے تا کہ ان کے کلام سے اُمت کے علم میں اضافہ ہو چنانچہ ہردوئی کے طلبائے کرام میں اس کا ماشاء اللہ بہت خوب اہتمام ہے۔

اسی طرح تعدیلِ ارکان سے نماز کی مشق کرائی جائے تا کہ ان کے عمل سے آخرت کی رغبت پیدا ہو چنانچہ ایک اہلِ ثروت نے ہردوئی کے ایک طالبِ علم کو دیکھ کر جس نے ظہر کی چار سنتیں سات منٹ میں ادا کیں بمبئی سے ہردوئی بذریعہ تار اپنے بچوں کے داخلہ کی درخواست کی کیونکہ وقت کم رہ گیا تھا اور مُدّتِ داخلہ اختتام پر تھی۔ انہوں نے کہا کہ جہاں کے بچے ایسی عمدہ نماز پڑھتے ہیں وہاں تربیت دینے والے بڑوں کا کیا مقام ہوگا۔

بدنظری کے علاج کا ایک خاص عنوان

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب حق تعالیٰ کے امر سے اپنے بیٹے کو ذبح کرنا ہوا تو بیٹے سے فرمایا کہ منہ زمین کی طرف کرلو یعنی اس کروٹ پر لٹایا کہ منہ زمین کی طرف رہے تا کہ چہرہ اور آنکھوں سے آنکھیں مل کر کہیں محبت وشفقت کا غلبہ مانعِ تعمیلِ امرِ الٰہی نہ ہو۔ اسی طرح اس زمانہ میں نفس کی خواہش کو امرِ الٰہی کی تلوار سے جب ذبح کرنا ہو یعنی بدنظری کے موقع پر

نظر کو بچانا ہو تو نگاہوں کی سختی سے حفاظت کرے کہ آنکھوں سے آنکھیں نہ ملنے پائیں ورنہ محبت پیدا ہو جائے گی اور نفس سے مغلوب ہونے لگے گا۔ اس لیے جب کوئی حسین سامنے آئے تو پہلا کام یہ کرے کہ اس سے نظر کو بچالے پھر قلب کے رُخ کو بھی ادھر سے تبدیل کرنا آسان ہوگا۔ جب اولوالعزم پیغمبر خلیل اللہ علیہ السلام نے طبعی امور میں احتیاط فرمائی تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔ حق تعالیٰ نے ہماری اس طبعی اور بشری کمزوری اور مغلوبیت کی رعایت سے غضِ بصر کا حکم نازل فرمایا۔

ذرا دیکھو! توفیضِ خانقاہی

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے تصوف کے قائل نہ تھے بلکہ مذاق اُڑاتے تھے۔ جب تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت والا تھانوی کے فیضِ صحبت سے متاثر ہوئے اور تصوف سے جو نفور تھا وہ باعثِ سرور ہوا اور توحش اُنس سے تبدیل ہوا اور پھر بالکل ہی گرویدہ ہوگئے۔ اس کیفیت کو یوں فرمایا۔

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبہٗ باطل ہوا

آج ہی پایا مزہ ایمان کا
جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

قیل و قال و مدرسہ کو چھوڑ کر
شیخ بھی رندوں میں اب شامل ہوا

سازگار اب گردشِ ایام ہے
دور میں ہشتاد سالہ جام ہے

اس کی دُزدیدہ نگاہی کے نثار
آج ہی آغاز کا انجام ہے

اب درِ پیرِ مغاں چھوٹے نہیں
اس کی مٹی میں بھی کیفِ جام ہے

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

وعدہ آنے کا شبِ آخر میں ہے
صبح سے ہی انتظارِ شام ہے

اے خوشا جذبِ محبت اے خوشا تاثیرِ عشق
گاہے گاہے ان کو میری یاد اب آنے لگی

عاشقوں کی تبلیغی محنت وخدمت میں کیف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے ذکر وفکر میں بھی جو لذت ہوتی ہے وہ سید سلیمان ندوی کے اس شعر سے سمجھ لیجئے۔

ہر ضربِ تیشہ ساغرِ کیفِ وصالِ دوست
فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

مجی ومحبوبی سیدی وسندی ومرشدی عارف باللہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ محمد اختر صاحب مدظلہم العالی کے ملفوظات جن کو احقر نے منظوم کردیا جس کو حضرت والا نے بہت پسند فرمایا۔

جس جہاں سے ہمیشہ کو جانا
اور کبھی لوٹ کر پھر نہ آنا

یہ ہے ارشادِ قُطبِ زمانہ
ایسی دنیا سے کیا دل لگانا

پاس جن کے ہمیشہ کو جانا
بس اُنہی سے ہے دل کو لگانا

چھوڑ کر جن کو ہے یاں سے جانا
اپنے دل کو ہے ان سے بچانا

گر زیادہ کمایا تو میری
بزم سے جلدی جانے لگو گے

جب زیادہ کمانے لگو گے
تو یہاں پھر کم آنے لگو گے

دوستو! یہ چراغ دنیا کے
تیل سے بُوٹیوں کے جلتے ہیں

دل میں لیکن چراغِ عشقِ خدا
آرزو کے لہو سے جلتے ہیں

زندگی کا عجیب ہے ویزا
کب بلالے خدا نہیں معلوم

اس میں توسیع بھی ہے ناممکن
اور ہے میعاد کیا نہیں معلوم

جتنی تمہاری قربانی
اتنی خدا کی مہربانی

پھر تو ہے لذّت روحانی
قرب کا شربت لاثانی

ارض و سما کیسے ہیں معلّق
کوئی ستوں ہے اور نہ کوئی تھم

سارا عالم ہے بے کالم
واہ رے میرے ربُّ العالم

اور سب غیر ہیں سوا تیرے
حیف ہے اس پہ جو ترا نہ ہوا

کیا کہوں بے کسی میں اس دل کی
ہائے تو جس کا آسرا نہ ہوا

خالقِ کائنات سے جس کے
دل کو وابستگی نہیں ہوتی

مقصدِ کائنات سے اس کو
عمر بھر آگہی نہیں ہوتی

ہر کرب اور پریشانی کا علاج

﴿یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّهٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ﴾

(السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلة، باب ما یقول اذا امسیٰ، ج:۶، ص:۱۴۷)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں کہ اے زندہ حقیقی، اے سنبھالنے والے تمام جہانوں کے! آپ کی بارگاہِ رحمت میں فریاد پیش کرتا ہوں کہ اپنی رحمت سے میری ہر حالت کی اصلاح فرما دیجئے اور ایک لحہ کو بھی آپ مجھ کو میرے نفس دشمن کے سپرد نہ کیجئے۔

اس دعا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی جامع دعا تعلیم فرمائی ہے جس میں ہر کرب و پریشانی کا علاج، دونوں جہان کی کامیابی اور اصلاحِ نفس کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت اس دعا کو کثرت سے پڑھا کرتے تھے اور لفظ ''اَسْتَغِیْثُ'' کو اس طرح دل سے ادا کرتے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔

حی کے معنی

اَیْ اَزَلاً اَبَدًا وَحَیَاۃُ کُلِّ شَیْءٍ بِہٖ مُؤَبَّدًا (المرقاۃ) حی وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور ہر شے کی حیات اسی سے قائم ہے۔

قیوم کے معنی

اَیْ قَائِمٌ بِذَاتِہٖ وَ یُقَوِّمُ غَیْرَہٗ بِقُدْرَتِہِ الْقَاھِرَۃِ (مرقاۃ) جو اپنی ذات سے قائم ہے اور دوسروں کو اپنی قدرتِ قاہرہ سے سنبھالے ہوئے ہے۔

جب دشمن ستاتا ہے تو مظلوم شخص سرکارِ عالیہ کی عدالت میں استغاثہ دائر کرتا ہے اور وہ مدعی کہلاتا ہے اور جس کے خلاف استغاثہ ہوتا ہے، وہ مدعا علیہ کہلاتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استغاثہ فرمارہے ہیں اور ہمیں سکھا رہے ہیں کہ اے میری امت کے لوگو! جب تمہیں کوئی پریشانی آئے تو تم بھی اپنی فریاد داخل کردو۔

سرکار کون ہے؟

حی و قیوم کی بارگاہ ہے جو زندہ حقیقی ہے اور تمام جہانوں کا سنبھالنے والا ہے۔

عدالت کا نام کیا ہے؟

جس میں یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے فرماتے ہیں بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اے اللہ آپ کی رحمت کی عدالت میں اپنی فریاد داخل کرتا ہوں۔

مضمونِ استغاثہ کیا ہے؟

ہر حالت کی اصلاح اور حفاظتِ نفس ہے اور اس فریاد کا مضمون

ایک مثبت ہے اور ایک منفی ۔مثبت فریاد یہ ہے اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ میری ہر حالت کی اصلاح فرما دیجئے ۔کوئی مظلوم جب حاکم سے فریاد کرتا ہے تو مضمونِ استغاثہ طویل ہوجاتا ہے اور صفحات کے صفحات بھر جاتے ہیں کہ فلاں دشمن ستا رہا ہے، فلاں غم ہے، فلاں حاجت ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ چند لفظوں کے دو مختصر جملوں میں دونوں جہان کی حاجتیں پیش فرمادیں۔فرماتے ہیں اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ میری ہر حالت کو درست کر دیجئے خواہ دنیا کی حالت ہو یا آخرت کی حالت، سب کی اصلاح کر دیجئے ۔اگر کوئی دشمن ستا رہا ہے تو اس سے نجات دے دیجئے ۔بلڈ کینسر ہو رہا ہے، گردہ میں پتھری پڑ رہی ہے یا کوئی اور خطرناک بیماری پیدا ہو رہی ہے اس کو شفا دے دیجئے ، نماز، روزہ میں سستی ہو رہی ہو تو اس کو دور کر دیجئے ، کسی نافرمانی و معصیت کی عادت ہے تو اس کو تقویٰ سے تبدیل فرما دیجئے ۔ ''کُلَّہٗ'' تاکید ہے یعنی کوئی حالت اصلاح سے اے اللہ بچنے نہ پائے ،کوئی ایسی حالت نہ ہو جس کو آپ نظر انداز فرمادیں، جسمانی صحت، روحانی صحت اور اپنے قرب کی نعمتیں، لذتِ مناجات، عبادت کی مٹھاس جو آپ اپنے دوستوں کو دیتے ہیں سب عطا فرما دیجئے ۔غرض میری ہر بگڑی کو بنا دیجئے ۔ ہر بری حالت کو اچھی کر دیجئے اور اچھی حالت کو اور اچھی کر دیجئے ۔ دنیا کی ہر حالت کو بھی درست فرما دیجئے اور آخرت کی ہر حالت کو بھی درست فرما دیجئے ۔ یہ کلام نبوت کا اعجاز ہے کہ ایک مختصر جملہ میں دونوں جہان کی خیر مانگ لی۔

دونوں جہاں کا دُکھڑا مجذوبؔ رو چکا ہے
اب اس پہ فضل کرنا یا رب ہے کام تیرا

یہ اعجازِ کلامِ نبوت ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اُوْتِیْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ میں کلماتِ جامعہ سے نوازا گیا ہوں جس کی

شان یہ ہے کہ اَلْفَاظُہٗ قَلِیْلَۃٌ وَ مَعَانِیْہٗ کَثِیْرَۃٌ الفاظ قلیل میں معانی کثیر پنہاں ہوتے ہیں۔

مدعا علیہ کون ہے؟

اور جو فریاد بارگاہِ رحمت کی عدالت میں پیش کی جارہی ہے کس دشمن کے خلاف ہے؟ مدعا علیہ کون ہے؟ وہ کون دشمن ہے جو تجھے ستا رہا ہے؟ وہ نفس ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں فریاد کا منفی مضمون بھی سکھا رہے ہیں کہ یوں کہو وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ اے اللہ سب سے بڑا دشمن میرا نفس ہے۔ پلک جھپکانے بھر کو بھی مجھے میرے نفس دشمن کے حوالہ نہ کیجئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس انتہائی خطرناک دشمن ہے جو پلک جھپکنے میں انسان کو تباہ کر سکتا ہے۔ دیکھئے آدمی اپنے دشمن سے ہر وقت تو مصیبت میں نہیں رہتا۔ مہینہ میں ایک دفعہ ستا دے گا، ہفتہ میں ایک دفعہ ستا دے گا، دن میں ایک دفعہ ستا دے گا یا چلو صبح شام ستا دے گا مگر ایسا دشمن آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ پلک جھپکی اور کام کر گیا۔ دنیا میں صرف نفس ہی ایسا دشمن ہے جو پلک جھپکنے میں انسان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ پلک جھپکی اور قصداً کفر کا عقیدہ دل میں لایا اور اسی وقت کافر ہوگیا۔ پلک جھپکنے بھر میں انسان کافر ہوسکتا ہے، ایمان ضائع ہوسکتا ہے، العیاذ باللہ! اور پلک جھپکنے بھر میں کسی خبیث فعل کا ارادہ پیدا ہوسکتا ہے کہ آج ہر صورت سے یہ کرنا ہی ہے چاہے کچھ ہی ہو۔ قلب میں ایسے ارادے ڈال دیتا ہے نفس۔ پہلے تو یہ دل ہی کو برباد کرتا ہے، ہمیشہ پہلے قلب برباد ہوتا ہے پھر قالب برباد ہوتا ہے۔ جسم سے گناہ نہیں ہوسکتا جب تک دل خراب نہ ہو۔ پہلے دل خدا کے نور سے خالی ہوتا ہے اور وہاں ظلمت اور اندھیرے آجاتے ہیں، اس وقت آدمی کو کچھ احساس نہیں رہتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اپنی شرافت، تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزتیں سب برباد ہوجاتی ہیں۔

اور امراض کا اچھا ہونا اتنا مشکل نہیں جیسے کبر ہے، حسد ہے، غصہ ہے، جھوٹ ہے، غیبت ہے، چوری ہے، جتنے گناہ ہیں ان کا چھوڑنا اتنا مشکل نہیں، آدمی کچھ دن مجاہدہ کر کے ان سے نجات پا جاتا ہے اور یہ امکان بھی کم ہوتا ہے کہ یہ دوبارہ عود کر آئیں لیکن بدنگاہی اور عشقِ مجازی کا خطرہ آخر دم تک رہتا ہے۔ اس لیے بزرگوں نے نصیحت کی ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرو۔ ایک بڈھا آدمی چاہے کچھ نہ کر سکے کسی حسین شکل پر عاشق ہوسکتا ہے۔ چاہے گناہ نہ کر سکے، طاقت بھی نہ ہو، لیکن آنکھ سے دیکھ کر اس کے دل میں ہر وقت اس حسین کا خیال جم سکتا ہے، لاکھ بھگاتا ہے کہ یہ خیال چلا جائے لیکن نہیں جاتا۔ اللہ پناہ میں رکھے بعض وقت اس طرح شکل دل میں گھس جاتی ہے کہ موت تک اس سے نجات نہیں ملتی۔ اس لیے نظر کی حفاظت ضروری ہے، بدنظری کا گناہ دل کو غائب کر دیتا ہے اور دل اللہ کا گھر ہے، دار الخلافہ ہے۔ بدنظری سے دل کا زاویہ قائمہ اللہ تعالیٰ سے پورا کا پورا پھر جاتا ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دھیان کے بجائے وہ شکل دل میں گھسی رہتی ہے اس لیے بدنگاہی و عشقِ مجازی سے قلب میں بہت شدید ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ نظر کی حفاظت پر حلاوتِ ایمانی کا وعدہ ہے پھر بدنگاہی سے حلاوتِ ایمانی کیوں سلب نہ ہوگی۔ جو شخص عورتوں اور اَمرَدوں کو دیکھتا ہے اس سے عبادت کی مٹھاس چھین لی جاتی ہے۔

اس دعا کا معمول بنالیا جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ نفس دشمن سے حفاظت رہے گی۔ اس کی کیا دلیل ہے کہ نفس سب سے بڑا دشمن ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ فِیْ جَنْبَیْکَ﴾

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے یعنی نفس اور یہ امر مسلّم ہے کہ باہر

کے دشمن سے زیادہ گھر کا دشمن خطرناک ہوتا ہے۔ شیطان تو باہر کا دشمن ہے وہ تو صرف گناہ کا وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے کہ فلاں عورت یا امرد کو دیکھ لو، فلاں سنیما دیکھ لو، فلاں کی جیب کاٹ لو، اس کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ آپ ہی کے پاس بیٹھا رہے۔ وہ آپ کو بہکا کر دوسرے کے پاس پہنچتا ہے لیکن بار بار جو گناہ کا تقاضہ کرتا ہے وہ نفس ہے جو ہمارے پہلو میں چھپا بیٹھا ہے۔

شیطانی وسوسہ اور نفسانی تقاضہ کا فرق

نفس کے تقاضہ اور شیطانی وسوسہ میں کیا فرق ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک بار گناہ کا تقاضہ پیدا ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ لیکن جب بار بار تقاضہ ہونے لگے تو سمجھ لو کہ یہ نفس کی طرف سے ہے کیونکہ باہر کا دشمن تو ایک بار گناہ کا وسوسہ ڈال کر چلا گیا، یہ گھر کا دشمن ہے جو بار بار کہہ رہا ہے کہ یہ گناہ کر لو یہ گناہ کر لو۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ﴾

(سورۃ یوسف، آیۃ: ۵۳)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَیْ اِنَّ النَّفْسَ کَثِیْرَۃُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ یعنی نفس بہت زیادہ برائی کا حکم کرنے والا ہے اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ میں ما ظرفیہ زمانیہ مصدریہ ہے اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَۃِ رَبِّیْ وَعِصْمَتِہٖ لیکن جس وقت میرے رب کی رحمت کا سایہ ہو تب نفس کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا اسی آیت سے مقتبس معلوم ہوتی ہے۔

توبہ اور اس کے فوائد

اگر کبھی احیاناً نفس و شیطان سے مغلوب ہو جائے تو گناہ میں پڑا نہ رہے فوراً توبہ واستغفار و گریہ وزاری سے تلافی کرے۔ کراچی کے پورے سمندر سے بھی اگر نہالے تو گناہ نہیں دُھلتے لیکن ندامت کا ایک آنسو گناہوں کو دھو دیتا

ہے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک یہ اشکِ ندامت بہت محبوب ہے۔ حدیثِ مبارک میں ہے:

﴿اَلتَّوْبَۃُ ھِیَ النَّدَامَۃُ﴾

(مرقاۃ المفاتیح، کتابُ العتق، باب فی النذور)

یعنی توبہ ندامت کا نام ہے۔ گناہ کے بعد صرف زبان ہی سے استغفار نہ کرے بلکہ دو رکعت نفل توبہ کے پڑھ کر خوب معافی مانگے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب گریہ وزاری کرے اور یہ عزم کرے کہ آئندہ یہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنالے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا یعنی اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے والوں کی شکل بنالو، تمہارا شمار بھی رونے والوں میں ہوجائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ شکل بنانے سے کیا ہوتا ہے۔ دیکھو شکل بنانے سے یہ ہوتا ہے کہ رونے والوں کی شکل بنانے سے رونے والوں میں شمار ہوگیا۔ اسی طرح جو شخص اللہ والوں کی صورت بنائے گا اس کا شمار بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اہل اللہ میں ہوجائے گا اور ان کے اخلاق و اعمال کی بھی توفیق ہونے لگے گی۔ اس حدیث سے یہ استدلال حق تعالیٰ نے احقر کے دل میں عطا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو جادوگر آئے تھے انہوں نے اپنی شکل حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی بنالی تھی تاکہ اگر شکست ہو اور بھاگنا پڑے تو یہ نہ معلوم ہو کہ کون بھاگ رہا ہے۔ ان کو ایمان عطا ہوگیا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! فرعون کو تو ایمان نصیب نہ ہوا جس پر دو دو پیغمبروں نے محنت کی اور یہ جادوگر جو میرے مقابلہ کے لیے آئے تھے ان کو ایمان عطا ہوگیا، اس میں کیا راز ہے؟ فرمایا اے موسیٰ! یہ تیرے جیسی شکل بنا کر آئے تھے۔ میری رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میرے محبوب کی شکل بنانے والوں

کو میں جہنم میں ڈالوں۔

غرض گناہ کے بعد دو نفل پڑھ کر خوب الحاح کے ساتھ توبہ کرے اور دو نفل حاجت کے پڑھ کر اپنی اصلاح کی دعا کرے اور حسبِ استطاعت صدقہ کرے خواہ وہ دو روپے سے دس روپے تک ہی ہو۔ شیطان دیکھے گا کہ میں نے تو گناہ اس لیے کرایا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائے لیکن گناہ تو اس نے توبہ سے معاف کرالیا اور توبہ کی برکت سے یہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی ہو گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ﴾

(سورۃ البقرۃ، اٰیۃ: ۲۲۲)

(اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں) اور نفلوں کا ثواب مزید اپنے اعمال نامہ میں لکھوالیا اور صدقہ کا ثواب الگ لکھا گیا تو شیطان کو اپنی تجارت فیل نظر آئے گی اور پھر تمہارے پاس نہیں آئے گا۔

ہر کرب اور پریشانی میں اس دعا کا معمول بنالو کہ سنت کی سنت ادا ہو اور آپ کی پریشانی بھی رفع ہو۔ سنت کے ادا ہونے کے کا اجر الگ اور محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کی اتباع سے اس کا پڑھنے والا بھی محبوب ہو جائے گا کیونکہ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ پریشانی میں **یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ الخ** کا وِردِ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا لہٰذا اس کے پڑھنے سے نبی کی سنت بھی ادا ہوگی اور محبوبیت بھی عطا ہوگی اور پریشانی رفع ہوگی۔ **یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ** اسمِ اعظم ہے (مرقاۃ) جس سے دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

نوٹ: جس کو دل کی گھبراہٹ کا مرض ہو وہ بھی یہ دعا پڑھے اس استحضار کے ساتھ کہ اے اللہ اتنے بڑے زمین و آسمان، سورج و چاند اور کروڑوں سیاروں کو آپ خلاء میں بغیر کسی سہارے کے سنبھالے ہوئے ہیں۔ میرا دل تو ایک چھٹا نک

کا ہے، اس پر بھی اپنی شانِ قیومیت کا کچھ عکس ڈال دیجئے اور اس کو بھی سنبھال لیجئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ دل کی گھبراہٹ جاتی رہے گی۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کم از کم ۷ بار پڑھ کر دل پر بھی دم کرلے۔

متفرق قدیم ملفوظات

تقویٰ پر فجور کے تقدم کا سبب

ارشاد فرمایا کہ ایک عالم نے سوال کیا کہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا میں فجور کو تقویٰ پر کیوں مقدم کیا گیا جبکہ فجور شر ہے تقویٰ خیر ہے تو عقلاً تقویٰ کا تقدم ضروری تھا۔ حق تعالیٰ نے دل میں یہ جواب عطا فرمایا کہ تقویٰ کا حاصل کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْهَوٰی ہے جس کی دلیل وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ہے اور ہر نہی اپنے منہی عنہ کے ثبوت کو چاہتا ہے جیسے میں کہوں کہ اس عینک کو مت دیکھو تو عینک کا وجود ضروری ہے ورنہ نہ دیکھنے کا حکم لغو ہوگا کیونکہ جب عینک ہے ہی نہیں تو کس چیز کو نہ دیکھنے کو کہا جارہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی﴾

(سورة النازعات، آية: ۴۰)

دنیا میں جو اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو حرام خواہش سے روکا۔ اس آیت سے خوف کا معیار اور خوفِ مطلوب کی تشریح بھی ہوگئی کہ بس صرف اتنا خوف مطلوب ہے جو ھَوٰی یعنی گناہ سے بچالے اور اسی کا خوف معتبر ہے جو اپنے نفس کو گناہ سے روک لے اور نفس کو گناہ سے روکنے کا نام ہی تقویٰ ہے پس آیت فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا میں فجور کو تقویٰ پر اسی لیے مقدم کیا کہ مادۂ فجور ہی تقویٰ کا موقوف علیہ ہے کہ مادۂ فجور کو دبانے سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ پس جب فجور اور ھَوٰی کا وجود نہ ہوگا تو نفس کو کس چیز سے روکا جائے گا اور پھر تقویٰ کا ثبوت کیسے ہوگا۔

پس تقویٰ تقاضائے معصیت کے مقابلہ میں دفاعی طاقت کا نام ہے اور جب تقاضائے معصیت یعنی مادۂ فجور نہ ہوگا تو مقابلہ کس چیز کا کیا جائے گا؟ پس واضح ہوا کہ فجور کے مادہ کا تقدم ضروری تھا تاکہ اس کے روکنے پر تقویٰ کا تحقق ہوسکے۔ یہ نقلی دلیل ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب فجور کی قدرت دی گئی تو اس کے ساتھ تقویٰ کی قدرت بھی لازم ہے کہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے۔

مقامِ فنا اور مقامِ بقا کیا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ مقام فنا و بقا کیا ہے اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ کسے کہتے ہیں؟ حق تعالیٰ نے یہ مضمون عطا فرمایا کہ نافرمانی کے تقاضوں کے وقت مثل مردہ بن جانا کہ مردہ گناہ نہیں کرسکتا مقامِ فنا ہے اور فرمانبرداری کے وقت سرگرم عمل ہونا یہ مقام بقا ہے کہ عمل زندہ ہی کرسکتا ہے۔ پس جو گناہوں سے بچے وہ فانی فی اللہ ہے اور جو ہر حکم کو بجالائے وہ باقی باللہ بھی ہے یعنی اعمالِ منفیہ غیر مرضیہ سے بچنا مقامِ فنا ہے اور اعمالِ مثبتہ مرضیہ اختیار کرنا مقامِ بقا ہے۔

انسان کو غیر منصرف بنانے والے دو اسباب

ارشاد فرمایا کہ الفاظ دو اسبابِ منع صرف سے غیر منصرف ہوجاتے ہیں اور کوئی عامل ان کو زیر نہیں کرسکتا۔ اس کا رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس جب الفاظ غیر منصرف ہوجاتے ہیں تو الفاظ کا بولنے والا بھی دو اسباب سے غیر منصرف ہوجاتا ہے اور وہ دو اسباب ایمان اور تقویٰ ہیں۔ جس کو یہ دو اسباب حاصل ہوگئے معاشرہ کا کوئی عامل اس کو زیر نہیں کرسکتا نہ باہ کا عامل نہ جاہ کا عامل یعنی نہ دنیا کے حسینوں کا حسن و جمال نہ جاہ و

دولت و مال اس کو زیر کر سکتا ہے اور اس کی استقامت مستقل و مبنی ہوتی ہے اور اسبابِ منع صرف تو مخلوق کے بنائے ہوئے ہیں اور اسبابِ ایمان و تقویٰ حق تعالیٰ نے استقامت کے لیے عطا فرمائے ہیں پس جب مخلوق اسباب میں الفاظ کو غیر منصرف کرنے کی شان ہے تو حق تعالیٰ کے عطا فرمودہ اسباب میں الفاظ بولنے والے کو غیر منصرف کرنے کی شان کیوں نہ ہوگی۔

استدراج کا خوف استدراج نہیں

ارشاد فرمایا کہ جن کو استدراج ہوتا ہے ان کو استدراج کا خوف نہیں ہوتا جیسا کہ بعض اہل اللہ کو خوفِ استدراج ہوا درآنحالیکہ وہ مستدرجین میں سے نہ تھے اور یہ خوف ہونا استدراج نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی ہم ان کو بتدریج (جہنم کی طرف) لیے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں ہے۔ پس خوف نہ ہونا بے خبر ہونے کی دلیل ہے اور بے خبر ہونا استدراج کی دلیل ہے۔ اس کے برعکس خوف ہونا دلیل ہے خبر ہونے کی جو دلیل ہے عدم استدراج کی۔

اہلِ حق کے ذمہ حق کو پیش کرنا ہے

ارشاد فرمایا کہ کسی کو متاثر کرنا اور حق منوانا نهی عن المنکر کے مقاصد میں سے نہیں۔ اہلِ حق کے ذمہ صرف اتنا ہے کہ حق کو پیش کر دیں، منوانا شرعی مقاصد میں سے نہیں ہے۔ ابوجہل نے نہیں مانا لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قَدْ بَلَغْتُ میں نے پہنچا دیا۔

حق تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں

ارشاد فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں قبلِ

اسلام جب ارادہ قتل سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیدا ہوا اور جتنی دیر تک یہ ارادہ تھا یہ دل حق تعالیٰ سے کس قدر دور تھا مگر حق تعالیٰ کی ایک نگاہِ کرم نے کیا سے کیا کر دیا، اسلام عطا فرمایا اور کیا مقام عطا فرمایا کہ اِنْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَکَانَ عُمَرَ ۔ اسی طرح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل کو اسلام کی دولت عطا ہو رہی ہے۔ حق تعالیٰ کے کرم کا کیا ٹھکانہ ہے کہ عازمِ قتلِ نبی کو ہدایت ہو رہی ہے اور قاتلِ عمِ نبی کو آغوشِ رحمت میں لیا جا رہا ہے۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبر صد سالہ ہو فخر اولیاء

اور مولانا رومی فرماتے ہیں۔

آفتابت بر حدثہا می زند
لطفِ عامِ تو نمی جوید سند

اے اللہ! آپ کا یہ دنیاوی آفتاب نجاستِ ظاہری یعنی گائے بیل کے گوبر پر اپنی شعاعیں ڈالتا ہے اور اپنے فیضان کے لیے کوئی قابلیت تلاش نہیں کرتا اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ نجاست کے رقیق اور سیال مادہ کو زمین میں جذب کر دیتا ہے اور دوسرے حصہ یعنی فضلہ کو سکھا کر اُپلہ بنا دیتا ہے جو تنور میں روشن ہو جاتا ہے۔ خود بھی روشن ہوتا ہے دوسروں کو بھی روشن کرتا ہے اور لوگوں کو روٹی فراہم کرتا ہے اور جو حصہ زمین میں جذب ہو کر کھاد بن گیا، اس سے خوشبو دار پھول گلاب و ریحان و سوسن پیدا ہوتے ہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہی
من چہ گویم طیبیں را چہ دہی

اے اللہ! جب آپ خبیث اور گندی چیزوں کو ایسی حسین خلعت عطا فرماتے ہیں

تو میں نہیں کہہ سکتا کہ طیبین کو کیا کچھ نہ دیتے ہوں گے۔

خلافت کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ خلافت جنت کی ضمانت نہیں بزرگوں کا حسنِ ظن اور اعتماد نامہ ہے۔ چنانچہ اگر کسی کے حالات خدانخواستہ بگڑ جائیں تو بزرگوں کا اجماع ہے کہ ایسے شخص کی خلافت عملاً سلب ہوجاتی ہے اور برکت ختم ہوجاتی ہے اور اس سے دین کا کام نہیں لیا جاتا۔ اس لیے خلفاء کو چاہیے کہ اپنے حالات کا جائزہ لیتے رہیں اور سنت و شریعت پر گامزن رہیں اور اپنے حالات کو اہل اللہ سے ملاتے رہیں کہ کہیں ہم شاہراہِ اولیاء سے تو نہیں ہٹ رہے ہیں۔ اس لیے خلافت کو نعمت تو سمجھیں کہ اہل اللہ کا حسنِ ظن ہے اور بزرگوں کے حسنِ ظن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نااہل کو بھی اہل بنادیتے ہیں لیکن اس کو جنت کا ٹھیکہ نہ سمجھیں۔ خوف کا مقام ہے۔ بہت سے غیر خلفاء اپنے تقویٰ وخشیت کی برکت سے نور کے منبروں پر ہوں گے اور بہت سے خلفاء کی بوجہ بدعملی مشکیں کسی ہوئی ہوں گی۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ نجات کا مدار اعمال پر ہوگا۔

ادب کی عظیم الشان تعلیم

ارشاد فرمایا کہ سوءادبی کی ظلمت کبائر (کبیرہ گناہوں) کی ظلمت سے زیادہ سنگین اور اشد ہوتی ہے اور اپنے ماں باپ، اکابر اور استاد و شیخ کا بے ادب ہمیشہ پریشانیوں کی وادیوں میں مبتلا رہتا ہے لہٰذا اپنے بڑوں کے ساتھ ہمیشہ باادب رہے اور حق تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتا رہے۔ اپنے بڑوں سے اگر کوئی تکلیف بھی پہنچے تو اس کو اپنی سمجھ کا قصور سمجھے اور یہ سمجھے کہ ہم سے ان کے حقوق ادا نہ ہوسکے، ہمارے اندر انہوں نے کوئی کمی محسوس کی، ہماری وفاداری ان کے نزدیک غیر معتبر ہوئی، مستقبل کے لیے وہ ہم کو اپنے لیے مفید

نہیں سمجھتے اس لیے ہم کو خدمت یا ملازمت وغیرہ سے الگ کررہے ہیں۔ غرض اپنی فہم کا قصور سمجھے اگرچہ ان کی بشری کمزوری ہو مگر طالب یہی حسنِ ظن کرے کہ میرے فہم کی کمزوری ہے، ان کی عقل جس بلند مقام سے یہ معاملہ کررہی ہے ہم وہاں تک پہنچ نہیں سکتے کیونکہ بلند مقام والا جو کچھ دیکھتا ہے نیچے مقام والے کو وہ نظر نہیں آسکتا۔ ان کی طرف سے اذیت کو اپنی ناسمجھی سمجھ کر ان کے سابقہ علمی، دینی یا دنیوی احسانات کے پیش نظر حسنِ اسلوب سے الگ ہوجائے تاکہ دوبارہ اذیت نہ پہنچے اور خدانخواستہ غیبت کا دروازہ کھلے یا معافی مانگ کر ان کے حکم سے ان کی خدمت میں رہے، کسی دیندار فہم والے سے مشورہ کرلے۔ مشائخ کی اولاد کے ساتھ بھی یہی معاملہ رکھے کہ اگر ان کو اذیت دی تو سخت باطنی ضرر ہوگا۔ ایک بزرگ کی اولاد کو ان کے خلیفہ سے اذیت پہنچ گئی تو ان بزرگ نے فرمایا اَوْلَادُنَا اَکْبَادُنَا ہماری اولاد ہمارے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ اگر عمل کم ہو اور ادب زیادہ ہو تو یہ کامیاب ہوجائے گا اور عمل زیادہ ہو اور ادب کم ہو تو یہ خطرہ میں رہے گا۔

بعض کو خلافت نہ دینا شیخ کا کمالِ اخلاص ہے

ارشاد فرمایا کہ کوئی طالب شیخ کے ساتھ ایک طویل عمر رہے اور شیخ خلافت نہ دے یہاں تک کہ شیخ کا انتقال ہوجائے پھر دوسرا شیخ دو ایک سال ہی میں خلافت عطا کردے تو شیخِ اوّل کی ناشکری نہ کرے۔ اس کی عجیب مثال دل میں آئی کہ ایک خانساماں نہایت اعلیٰ درجہ کی بریانی پکا رہا تھا، یہاں تک کہ بریانی کو دَم کے قریب کردیا مگر ابھی دَم پر نہ آئی تھی کہ اس خانساماں کا انتقال ہوگیا۔ پھر دوسرے خانساماں نے اس کو دَم دے دیا اور خوشبو پھوٹ نکلی اب گویا اس بریانی کو خلافت دے دی کہ اپنا فیض عام کرے اور لوگ کھانے سے فیض یاب ہوں۔ بتائیے کہ اس صورت میں خانساماں اوّل کی ناشکری جائز

ہوگی کہ اس نے خلافت نہیں دی اور بریانی کو افادہ کے لیے تقسیم نہیں کیا؟ بلکہ اس کے شکر گذار اور اس کے اخلاص کے قائل ہوں گے کہ وقت سے پہلے اگر بریانی تقسیم کر دیتا تو لوگ تھوتھو کرتے اور بریانی سے صحیح استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح شیخِ اوّل نے خلافت نہ دے کر للّٰہیت کا ثبوت دیا اور امانتِ خلافت کا حق ادا کر دیا۔ اس کے اخلاص پر تو فدا ہو جانا چاہیے۔

ادب اور شرافتِ طبع لازم وملزوم ہے

ارشاد فرمایا کہ علمی محسن اور مستفاد منہ اور اکابر کے ساتھ بے ادبی شرافتِ طبع کے بھی خلاف ہے یعنی جن کا کوئی علمی احسان ہو اور ان سے علمی و عملی دینی یا دنیوی استفادہ کیا ہو یا جو اپنے بڑے ہیں ان سے بے ادبی کرنا طبعی شرافت کے بھی خلاف ہے۔ کوئی شریف الطبع بے ادب نہیں ہو سکتا۔

دَاعِیُ اِلَی اللّٰہِ کی محبوبیت کا سبب

ارشاد فرمایا کہ کسی کے گم شدہ بچہ کو جو ڈھونڈ کر لاتا ہے باپ بچہ سے پہلے اس کو پیار کرتا ہے، سینہ سے لگاتا ہے، انعامات سے نوازتا ہے، اسی طرح جو بندے حق تعالیٰ سے دور ہیں ان کو دعوت الی اللہ دینے والا اللہ کا پیارا ہو جاتا ہے۔

شہوت کی آگ سے نجات کا انعام

ارشاد فرمایا کہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں وارد ہے اور آخری عشرہ ہی میں شہوت کی آگ سے بھی نجات ملتی ہے ورنہ شروع رمضان میں قویٰ میں ضعف و اضمحلال کے بجائے اور قوت محسوس ہوتی ہے اور وسطِ رمضان میں بھی قوت کا اثر باقی رہتا ہے مگر آخری عشرہ میں قوتِ شہوانیہ میں کمزوری محسوس ہونے لگتی ہے گویا

شہوت کی آگ بجھنے پر جہنم سے آزادی کا مژدہ سنایا گیا۔ اسی طرح غیر شادی شدہ جوانوں کو روزہ کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد کثرتِ صوم ہے کیونکہ علٰی لزوم کے لیے آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ روزہ کی کثرت شہوت کو توڑنے والی ہے۔

حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی ایک دلیل

ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اپنے بندوں کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اجازتِ ذکر دی ہے بلکہ اپنے عشاق کی یہ شان موقعِ تعریف میں فرمائی:

﴿اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ﴾

(سورۃ اٰل عمران، اٰیۃ: ۱۹۱)

ہمارے خاص بندے کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے ہمیں یاد کرتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ ایسی اجازت کہاں دے سکتے ہیں چونکہ جانتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ہم ایسے محبوب نہیں کہ وہ ہمیں ہر وقت یاد رکھیں اور ہمارے ذکر کے بغیر انہیں چین نہ آئے اور یہ آیت حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی دلیل ہے کہ ہمارے عاشقوں کو بغیر ہمارے ذکر کے چین ہی نہیں آتا۔

زندگانی کا ہر اِک لمحہ گذارا ہم نے
آپ کے نام کی لذت کا سہارا لے کر
ہر تلخیِ حیات و غمِ روزگار کو
تیری مٹھاسِ ذکر نے شیریں بنا دیا

حکمِ استغفار کے عاشقانہ اسرار

ارشاد فرمایا کہ اِسۡتَغۡفِرُوۡا اور تُوۡبُوۡا کا حکم یہ بتاتا ہے کہ ہم سے خطائیں ہوں گی یعنی علمِ الٰہی میں یہ بات تھی کہ ہم خطا کریں گے جب ہی تو معافی مانگنے کا حکم دے رہے ہیں کہ گذشتہ خطاؤں سے بھی معافی مانگو اور آئندہ

کے لیے بھی عہد کرو کہ ہم دوبارہ یہ غلطی نہیں کریں گے جس طرح باپ چھوٹے بچے سے کہتا ہے کہ بیٹا کہو کہ مجھ سے جو غلطی ہوئی معاف کر دیجئے اور آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ استغفار کے معنیٰ ہیں ماضی کے گناہوں سے معافی مانگنا اور توبہ کے معنیٰ ہیں آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔ اور جب باپ بچہ سے معافی منگوائے تو اس کا معاف کرنے کا ارادہ ہوتا ہے اِسْتَغْفِرُوْا کا حکم بتاتا ہے کہ وہ ہمیں معاف کرنا چاہتے ہیں۔ اگر معاف کرنا نہ ہوتا تو معافی کا حکم نہ دیتے، اگر باپ نہا دھو کر صاف کپڑے پہننے کا حکم دے تو یہ دلیل ہے گندگی لگنے کے امکان کی۔ اِسْتَغْفِرُوْا کا حکم دلیل ہے کہ بندوں سے خطائیں ہوں گی اور اِسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ نہیں فرمایا رَبَّکُمْ فرمایا کہ میں تمہارا پالنے والا ہوں اور پالنے کی محبت ہوتی ہے اس لیے پالنے والا جلد معاف کر دیتا ہے جس طرح ماں باپ پالنے کی وجہ سے جلد معاف کر دیتے ہیں۔ میں تو تمہارا حقیقی پالنے والا ہوں، میں تمہیں بھلا معاف نہیں کروں گا؟ اسی لیے مبالغہ کا صیغہ غَفَّار نازل فرمایا اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا کہ میں غافر نہیں ہوں غفار ہوں، بہت زیادہ معاف کرنے والا ہوں، میری مغفرت بے پایاں ہے۔ تم کتنے بھی گناہ کرلو تمہارے گناہ میری مغفرت سے بڑھ نہیں سکتے کیونکہ تمہارے گناہ محدود ہیں میری مغفرت غیر محدود ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ انبیاء علیہم السلام کیوں استغفار کرتے ہیں جب کہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور گناہوں کا صدور ان پر محال ہے تو جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا استغفار معاصی سے نہیں ہوتا بلکہ اولیٰ کے بجائے غیر اولیٰ اور افضل کے بجائے غیر افضل کو اختیار کرنے سے ہوتا ہے یعنی اپنے اجتہاد سے غیر اولیٰ کو اختیار کرنے کو اپنی کوتاہی پر محمول کر کے اس سے استغفار کرتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مقاماتِ قرب میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ پس مستقبل کی ترقی قرب کا مشاہدہ کر کے وہ ماضی کے مقاماتِ قرب کے

بارے میں استغفار کرتے ہیں کہ اب تک یہ مقام کیوں حاصل نہ ہوا تھا یعنی جدید مقامِ قرب کے حصول میں دیر کیوں ہوئی اس پر وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں۔

آیت فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ کا ایک عاشقانہ نکتہ

ارشاد فرمایا کہ ماں بچہ سے کہتی ہے کہ بیٹا بھاگ کر میرے پاس میری گود میں آجا تو یہ عنوان ماں کی مامتا و محبت پر استدلال ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کا ارشاد فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ کہ اللہ کی طرف بھاگ کر آجاؤ بندوں سے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک بار میں اپنے چھوٹے پوتے کو بلا رہا تھا کہ بیٹا جلدی سے بھاگ کر میرے پاس آجا اور وہ آنے میں دیر کر رہا تھا اور غلبۂ محبت سے میں چاہتا تھا کہ وہ جلدی سے آجائے اس وقت دل میں یہ آیت آئی کہ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ میں بندوں سے حق تعالیٰ کی بے پایاں محبت پوشیدہ ہے۔

آیت اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ کا ایک لطیفۂ قرآنی

حضرت حبیب نجار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فرمانا کہ میں ایمان لایا تمہارے رب پر یہ عنوان مخاطبین کی دلجوئی کے لیے تھا جو وعظ و نصیحت کی حکمت کا مقتضاء ہے کہ جس پر میں ایمان لایا ہوں وہ کوئی اجنبی اور غیر نہیں تمہارا بھی پروردگار ہے اس لیے اٰمَنْتُ بِرَبِّیْ نہیں کہا تا کہ ان کی قوم کی دلجوئی ہو مگر کفار نے حضرت حبیب نجار کو شہید کر دیا اور دلجوئی قلوبِ اشقیاء پر اپنا اثر نہ دکھا سکی اور فَاسْمَعُوْنِ کے معنیٰ ہیں کہ سن لو میری بات یعنی کان کھول کر سن لو کہ میں ایمان لا چکا اس میں عاشقانہ جراءت ہے کہ عاشقِ صادق ساری دنیا کی ملامت سے بے خوف ہو کر اظہارِ عشق کرتا ہے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

عشقِ معشوقاں نہاں است و ستیر
عشقِ عاشق با دو صد طبل و نفیر

ترجمہ: معشوقوں کا عشق پوشیدہ ہوتا ہے اور عاشق ڈنکے کی چوٹ پر اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے۔

اِکرام علماء کا سبب

ارشاد فرمایا کہ ظرف کی قیمت مظروف سے ہوتی ہے، مظروف جس قدر قیمتی ہوتا ہے اسی قدر ظرف قیمتی ہوجاتا ہے۔ پس اکرام مظروف کے سبب اکرامِ ظرف لازمی ہے جیسے کہ جس شیشی میں عطر ہو اس کو اکرام و احتیاط سے رکھتے ہیں اور جس شیشی میں کوئی خراب چیز ہو یا خالی ہو اس کی کوئی قدر نہیں کرتے۔ اس لیے علماء کا اکرام ان کے حاملِ علمِ وحی ہونے کے سبب ہے۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَنْ لَّمْ یُبَجِّلْ عَالِمِیْنَا فَلَیْسَ مِنَّا جس نے ہمارے علماء کا اکرام نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

خاصانِ خدا پر تکوینی افضالِ الٰہیہ

ارشاد فرمایا کہ خلق میں مقبولیت وتعریف کے اقوال و تحریرات سے نفس کچھ نہ کچھ ضرور متأثر ہوتا ہے۔ صاحبِ نسبت تو یہ بھی اپنے علوم و معارف اور تقاریرِ فنائیت و عبدیت کے باوجود غیر ارادی و غیر اختیاری و غیر شعوری طور پر متأثر ہوتا ہے اگرچہ یہ تأثر خفیف ہوتا ہے اور بوجہ نورِ تقویٰ اور صحبتِ شیخ کے صدقہ میں عقلاً وہ اس حالت کو سمجھ جاتا ہے اور استغفار کرتا ہے لیکن غیر اختیاری طور پر کچھ اثرات نفس کے اندر ضرور پیدا ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا اپنے مقبول بندوں کو ان اثرات سے پاک کرنے کے لیے تکویناً غیب سے اسبابِ غیر اختیاریہ پیدا کیے جاتے ہیں چنانچہ کسی معاند کا کوئی موذی قول بالمشافہ یا بالواسطہ پہنچ جاتا ہے یا کوئی معاند تحریراً کوئی موذی خط بھیج دیتا ہے جس سے توازن صحیح ہوجاتا ہے یعنی القاب حضرت وقبلہ سنتے سنتے جو نفس کچھ متأثر ہوا

تھا، اس کی سطحِ عبدیت کچھ غیر متوازن ہوئی تھی وہ مکار، چار سو بیس، حرام خور، نااہل یا بدخلق وغیرہ کے القاب جب معاندین سے سنتا ہے تو مخلوق کے یہ دشنام اس کی تعریف اور مدح سرائیوں کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں۔ یہ تکوینی افضالِ الٰہیہ ہیں جو ربوبیتِ اجسام وارواح سے متعلق ہیں۔

رضاءِ الٰہی کے حصول کا بہترین طریقہ

ارشاد فرمایا کہ ایک ہے رضاءِ محبوب اور ایک ہے ادائیگی حقِ محبوب۔ مقصود رضاءِ محبوب ہے نہ کہ ادائیگی حقِ محبوب کیونکہ محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہ کی ذات غیر محدود ہے پس غیر محدود ذات کا حقِ محبت ادا ہونا بندۂ محدود وحقیر وناچیز سے ناممکن ہے۔ پس خطاؤں اور کوتاہیوں پر ندامت سے معافی مانگ کر محبوب کی رضا حاصل کرنا ہی مقصودِ طریق ہے یعنی اللہ کے راستہ کا مقصود ہے اور یہ فکر کہ اگر مجھ سے غلطی نہ ہوئی ہوتی تو میں بہت مقرب و معزز ہوتا یہ حجابِ طریق ہے۔ عزت عین ذلتِ عبودیت میں مضمر ہے۔ حضورِ حق میں ندامت وشکستگی وعاجزی ہی پسندیدہ ہے کیونکہ کوتاہیوں سے جب عاشق اپنی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے تو محبوب کی نگاہوں میں اس وقت معزز ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنے زعم میں بے خطا ہیں وہ اپنی نظر میں معزز اور محبوب کی نظر میں ذلیل ہوتے ہیں اور بہ سبب عجب وخود پسندی قربِ محبوب سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کا قول حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ بندہ جب اپنی نگاہ میں ذلیل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں معزز ہوتا ہے اور جب اپنی نظر میں معزز ہوتا ہے تو اللہ کی نظر میں ذلیل ہوتا ہے۔

تیری ہزار رفعتیں تیری ہزار برتری
میری ہر اک شکست میں میرے ہر اک قصور میں

پس خطائیں اور کوتاہیاں بھی توفیقِ ندامت سے حق تعالیٰ کی رحمت کے صدقے میں ہمارے لیے تکویناً مفید ہوجاتی ہیں۔ توبہ وندامت کی برکت سے حق تعالیٰ شر کو خیر بنادیتے ہیں اور توبہ کرنے والا خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ یعنی بہترین خطا کار ہوجاتا ہے۔ پس ندامت کے ساتھ توبہ کرنے والا پھر اس ادھیڑ بن میں نہ لگا رہے کہ ہائے یہ خطا مجھ سے کیوں سرزد ہوئی کہ خطا پر ندامت سے ذلتِ نفس حاصل ہوئی اور اس سے عبدیت اور اعترافِ عجز پیدا ہوا۔ پس وہ پاک دامنی جو عجب اور خود پسندی میں مبتلا کردے اُس سے یہ داغ دامنی افضل ہے جو عجب و پندار کے بت کدہ کو ڈھادے اور حق تعالیٰ سے قریب کردے۔

نازِ تقویٰ سے تو اچھا ہے نیازِ رندی
جاہِ زاہد سے تو اچھی مری رسوائی ہے

شیخ کے دو حق

ارشاد فرمایا کہ شیخ کے دو حق ہیں، ایک محبت اور دوسرا عظمت۔ حقِ محبت کام آتا ہے جب مربی اور طالب کی رائے میں توافق ہوتا ہے۔ بوجہ محبت کے عمل آسان اور لذیذ ہوجاتا ہے اور حقِ عظمت کا مراقبہ کام آتا ہے جب مربی اور مرید کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس وقت بوجہ شیخ کی عظمت و اکرام کے اپنی رائے کو فنا کرتا ہے اور مربی کی رائے پر عمل کرتا ہے۔

شر کو خیر بنانے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ منشائے محمود سے جو اعمالِ مذمومہ ہوتے ہیں وہ بظاہر مذمومہ ہوتے ہیں مگر وہ محمود قرار دیئے جاتے ہیں یعنی اچھے مقصد کے لیے اگر ایسے اعمال کیے جائیں جو بظاہر تو برے معلوم ہوں لیکن حقیقت میں وہ برے نہیں ہوتے جیسے مسلمانوں میں آپس میں مصالحت کرانے کے لیے جھوٹ بول دینا مثلاً دو مسلمانوں میں اختلاف ہوگیا اور آپس میں ملنا جلنا ختم کردیا تو ایک

دوسرے سے جھوٹ بول دینا کہ وہ تو آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے، یہاں منشاء محمود ہونے کے سبب کذب (جھوٹ) جیسا مذموم عمل باعثِ زجر تو کیا باعثِ اجر ہو رہا ہے۔

عبادت کی کمیت اور کیفیت کا فرق

ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کے مراتب و درجاتِ قُرب میں تفاوت عبادت کی کمیت سے نہیں بلکہ کیفیت سے ہوتا ہے۔ جس کو جس درجہ کا مقامِ معرفت وقرب حاصل ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے اعمال کی قیمت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک مجلس میں تمام انبیاء علیہم السلام موجود ہیں اور اسی مجلس میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہیں اور تمام انبیاء نے ایک بار اللہ کہا اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ کہا تو تمام انبیاء علیہم السلام کا اللہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کہنے کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقامِ قرب ومعرفت حاصل ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ اسی طرح ایک مجلس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور اسی مجلس میں اس امت کے اور امم سابقہ کے اکابر اولیاء صدیقین موجود ہیں اور ان سب نے اللہ کہا اور اسی مجلس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اللہ کہا تو حضرت صدیق اکبر کے اللہ کو کسی امتی کا اللہ نہیں پاسکتا کیونکہ حضرت صدیق نے جس مقامِ صدیقیت سے اللہ کہا ہے وہ کسی اور امتی کو حاصل نہیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء کے مراتب ودرجات جو متفاوت ہیں وہ کمیتِ عبادت سے نہیں بلکہ کیفیتِ عبادت سے ہیں۔

استغفار میں واسطۂ ربوبیت کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں معافی مانگنے کا حکم دیا ہے تو

اکثر اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ فرمایا ہے کہ اپنے پالنے والے سے معافی مانگو۔ باپ جب معاف کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ اپنے ابا سے معافی مانگو۔ پس ربوبیت کے واسطہ سے اُمید بڑھادی کہ بندہ ماں باپ کی رحمت کا مشاہدہ کرچکا ہے کہ پالنے کی وجہ سے وہ کتنی جلدی معاف کردیتے ہیں اور ماں باپ کی ربوبیت تو علی سبیل تولیت ہے، اصل مربی اور پالنے والا تو میں ہوں، پھر میری رحمت کا تم کیا اندازہ کرسکتے ہو۔ پس مجھ سے معافی مانگو اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا یہاں مبالغہ کا صیغہ نازل کرکے امید اور بڑھادی کہ میں غافِر نہیں غَفَّار ہوں، بہت زیادہ معاف کرنے والا ہوں، تم نے کتنے ہی زیادہ اور بڑے گناہ کرلیے ہوں میری مغفرت سے زیادہ نہیں ہوسکتے لہٰذا بے دھڑک مجھ سے مغفرت مانگو۔

پھر اگر دنیا کا کوئی کریم کہے کہ مثلاً مجھ سے قلم مانگو اور جب کوئی مانگے تو کہے کہ نہیں دوں گا تو وہ کریم نہیں ہوگا بلکہ غیر شریف بھی سمجھا جائے گا۔ پس جب دنیا کے کریموں کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا تو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ گمان کیسے روا ہوگا کہ کوئی ان سے مغفرت مانگے اور وہ نہ دیں جبکہ خود مانگنے کا حکم دیا ہے اور دنیا کا کوئی کریم اگر اعلان کرے کہ مثلاً سو قلم مفت عطا کروں گا تو ایک سو ایک کے انکار پر وہ معذور ہوگا لیکن حق تعالیٰ کے کرم کی مقدار اور تعداد متعین نہیں ان کی ذات غیر محدود ہے تو ان کا کرم بھی غیر محدود ہے پس اِسْتَغْفِرُوْا میں مغفرت کی تعداد متعین نہیں، اس میں کفر و شرک، کبائر و صغائر سب آگئے کہ جو بندہ مجھ سے معافی مانگے گا میں اس کا ہر نوع کا جرم معاف کردوں گا۔

قلب میں نور آنے کی علامت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگ نماز، روزہ، تہجد و شراق کے پابند ہیں لیکن ڈاڑھی منڈاتے ہیں اور خلافِ شرع کاموں میں مبتلا ہیں۔

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ان کے اعمالِ ظاہرہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گھر میں بجلی کی وائرنگ مکمل ہو لیکن پاور ہاؤس سے تعلق نہ ہو تو کرنٹ نہیں آئے گا اور اندھیرا رہے گا اجالا نہ ہوگا۔ اسی طرح اعمالِ ظاہرہ کے ساتھ منکرات میں مبتلا ہونا دلیل ہے کہ ابھی حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق پیدا نہیں ہوا اور نہ قلب میں نور آ جاتا اور قلب میں نور آنے کی علامت یہ ہے کہ ایسا شخص اعمالِ ظلمت میں مبتلا نہیں رہ سکتا۔ لیکن نیک اعمال کی جو توفیق میسر ہے یہ بھی غنیمت ہے کہ وائرنگ مکمل ہو رہی ہے جس میں تھوڑی سی محنت سے نور بھی آ جائے گا۔

پردہ کا فائدہ اور بے پردگی کا نقصان

ارشاد فرمایا کہ ایک یونیورسٹی کے پروفیسر جو بڑے متبع سنت اللہ والے تھے چند طلباء کے ساتھ ٹرین میں کہیں جا رہے تھے۔ طلباء نے پردہ کے متعلق کہا کہ پردہ ایک غیر ضروری چیز ہے، اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ بغیر پردہ کے بھی مرد اور عورت پاکیزہ رہ سکتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اپنے تھیلے میں سے ایک لیموں نکال کر طلباء کو دکھایا کہ اس کو دیکھ رہے ہو یہ کیا ہے؟ طلباء نے کہا کہ جی ہاں یہ لیموں ہے۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب نے چاقو نکال کر اس کے دو ٹکڑے کر کے دِکھایا کہ اب دیکھ رہے ہو یہ کیا چیز ہے؟ طلباء نے کہا کہ جی ہاں لیموں ہے بس فرق اتنا ہو گیا کہ اب اس کو دیکھ کر ہمارے منہ میں پانی آ گیا ہے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ پہلے لیموں پردہ میں تھا اور اب بے پردہ ہے۔ بے پردگی سے یہ فرق پڑ گیا۔ عورت جب بے پردہ ہوتی ہے تو فتنہ شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ نوبت زِنا تک پہنچتی ہے۔ زِنا کا سبب بے پردگی ہے۔ اگر شریعت کے مطابق پردہ ہو تو زِنا ہو ہی نہیں سکتا۔

انوارِ الوہیت، انوارِ نبوت، انوارِ ولایت

ارشاد فرمایا کہ کلامِ ولی میں نورِ ولایت اور کلامِ نبی میں

نورِ نبوت اور کلامِ حق میں نورِ الوہیت ہوتا ہے۔ پس ہر کلام میں وہ انوارِ پنہاں اپنی تاثیر دِکھاتے ہیں لہٰذا جب اللہ والوں کی باتیں سنے تو نیت کرے کہ مجھے نورِ ولایت مل رہا ہے اور احادیثِ پاک سنے تو انوارِ نبوت کا فیضان محسوس کرے اور تلاوت کے وقت انوارِ الوہیت سے مستفید ہو۔

غیر اللہ سے نجات کا مدار تعلق مع اللہ پر ہے

ارشاد فرمایا کہ اگر ستاروں کے تعلق سے نجات چاہتے ہو تو آفتاب کے طلوع کا انتظار کرو ورنہ رات کی تاریکی میں لاکھ کتابیں ستاروں سے دل نہ لگانے اور ان سے ترکِ تعلق پر پڑھو گے مگر دل ان کے تعلق سے خلاصی نہ پاسکے گا اور آفتاب کے نکلتے ہی ستاروں کو ڈھونڈو گے بھی تو نظر نہ آئیں گے۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

غیر اللہ سے نجات کے لیے اللہ سے تعلق ضروری ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ سے تعلق نہیں ہے تب تک ان حسینوں کا حسن فانی عظیم الشان نظر آتا ہے لیکن جس دن آسمانِ دل پر حق تعالیٰ کے حسنِ غیر فانی کا آفتاب طلوع ہو گا تو حسنِ فانی کے ستارے نظر بھی نہ آئیں گے بلکہ دل میں ان کی حقارت آجائے گی۔ اس پر میرا شعر ہے۔

سورج کی روشنی کی یہی بس دلیل ہے
جب آسماں پہ نجم و مہہ و اختراں نہیں

جب آسمانِ دنیا پر چاند ستارے نظر نہ آئیں تو یہ دلیل ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے۔ اسی طرح جس کا آسمانِ دل حسینوں کے چاند ستاروں سے خالی ہو یعنی جس کا دل حسینوں سے مستغنی ہو، اغیار سے خالی ہو یہ دلیل ہے کہ نسبت مع اللہ کا

آفتاب اس دل میں طلوع ہو چکا ہے۔

اسی لیے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً ﴾

(سورۃ المزمل، اٰیۃ:۸)

اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو۔ معلوم ہوا کہ تبتل یعنی سب سے منقطع ہو کر متوجہ الی اللہ ہونے کا ذریعہ ذکر اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی وہ تعلق مع اللہ حاصل ہوگا جو دل کو غیر اللہ سے مستغنی کر دے گا۔

یہاں ذکرِ اسمِ رب کو مقدم فرما کر بتا دیا گیا کہ بدون ذکرِ حق وحُبِّ حق علائق غیرِ حق سے انقطاعِ قلبی نصیب نہ ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کے بغیر غیر اللہ سے نجات نصیب نہ ہوگی اور انقطاع سے مراد انخلاء ہے اور انخلاء سے مراد ہے کہ حُبِّ غیرِ حق پر حُبِّ حق کا غلبہ ہو جائے۔ پس انقطاع سے مراد رہبانیت نہیں ہے کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں نکل جاؤ، رہبانیت تو اسلام میں حرام ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے سب کے حقوق ادا کرو لیکن اللہ تعالیٰ کا حق سب پر غالب رہے، کسی کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب نہ آنے پائے پس یہی غیر اللہ سے قلب کا انقطاع ہے اسی کو تبتُّل کہتے ہیں۔

دنیا میں جنت کا مزہ دلوانے والے تین اعمال

ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگے وہ تین اعمال کرے:

(۱) اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے۔ اللہ والوں کے لیے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ معلوم ہوا کہ یہ خاص بندے ہیں جن کو یاءِ نسبتی سے اپنا

فرمارہے ہیں کہ یہ میرے ہیں اور دخولِ جنت کی نعمت سے مقدم فرمارہے ہیں۔ معلوم ہوا اہل اللہ یعنی صالحین کی معیت جنت سے افضل ہے کیونکہ ان کے دل میں اللہ ہے جو خالقِ جنت اور خالق نعماءِ جنت ہے اور جنتی یعنی صالحین بندے دنیا ہی سے تو جنت میں جاتے ہیں اس لیے جو ان کی صحبت پا گیا وہ گویا جنت میں داخل ہوگیا بلکہ جنت سے افضل نعمت پا گیا اور اس کی جنت شروع ہوگئی اس لیے دنیا میں جس کو اللہ والے مل جائیں اس کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے کیونکہ جنت مکان ہے اور اہل اللہ اس کے مکین ہیں اور مکین افضل ہوتا ہے مکان سے اور مکان کتنا بھی اچھا ہو مکین سے اچھا نہیں ہوسکتا اچھے مکین کی صحبت تو اچھے مکان سے بھی افضل ہے بلکہ مکان میں حسن تو حسنِ مکین ہی سے آتا ہے۔ میرا فارسی شعر ہے؂

مُیَسَّر چوں مرا صحبت بجانِ عاشقاں آید
ہمیں بینم کہ جنت بر زمیں از آسماں آید

ترجمہ: جب مجھے اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی صحبت نصیب ہوجاتی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ جنت آسمان سے زمین پر آگئی ہے۔

اور جو لوگ جنت میں جانے والے ہیں یہاں ان کے ساتھ رہنے والا بھی جنت میں جائے گا۔ وہاں کا ثمرہ فَادْخُلِیْ دراصل یہاں کے فَادْخُلِیْ کا ثمرہ ہوگا یعنی جو یہاں اہل اللہ کے ساتھ رہتا ہے تو یہ رفاقت فی الدنیا رفاقت فی الجنۃ کا ذریعہ ہوگی لیکن صرف ساتھ رہنا کافی نہیں بلکہ ساتھ رہنے کی شرط اتباع ہے کیونکہ رفاقت بدونِ اتباع صحیح نہیں۔ قربِ حسی مقصود نہیں، اتباع حاصل ہے تو دوری میں بھی قربِ معنوی حاصل ہے۔ جو متبع نہیں وہ قریب رہ کر بھی رفیق نہیں اور جسے اتباع حاصل ہے وہ دور ہو کر بھی قریب ہے پس جو صحیح معنوں میں ان کا رفیق ہوگا دنیا ہی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگے گا کیونکہ یہ

اللہ کے خاص بندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یاءِ نسبتی سے ان کو اپنا فرمایا ہے کہ یہ میرے ہیں، جنت میں بھی میرے ہیں اور دنیا میں بھی میرے ہو کے رہے، نہ نفس کے ہوئے، نہ شیطان کے ہوئے، نہ معاشرہ کے ہوئے، ساری زندگی میرے ہو کے رہے، ساری زندگی میری مانی، نہ نفس کی مانی، نہ شیطان کی مانی، جسم و جان سے مجھ پر قربان رہے، گناہوں کے تقاضوں پر صبر کیا، اگر کبھی غلطی ہوگئی تو خون کے آنسو بہائے، میرے حضور میں کلیجہ رکھ دیا تو پھر ان کے لیے میں یائے تخصیص کیوں نہ لگاؤں اور ان کو کیوں نہ کہوں کہ یہ میرے ہیں۔

(۲) اور دوسرا عمل یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو جو متبع سنت و شریعت ہو اور بزرگانِ دین کا صحبت یافتہ و اجازت یافتہ ہو اپنا مربی اور دینی مشیر بنالیں اور اس کے مشورہ سے خلوت میں کچھ ذکر کرلیا کریں تو ذکر سے جو نور پیدا ہوگا خواہ قلیل وضعیف ہو بوجہ ہم جنسیت کے شیخ کے نورِ قوی و کثیر کا جاذب و جالب ہوگا کیونکہ بقاعدہ اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ نور نور کو جذب کرتا ہے اور نار نار کو جذب کرتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نوریاں مر نوریاں را جاذب اند

ناریاں مر ناریاں را طالب اند

ترجمہ:۔ نوری لوگ نوریوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ناری ناریوں کے طالب ہوتے ہیں۔ پس سالک جب ذکر کرتا ہے تو یہ نورِ ذکر شیخ کے باطنی فیضان کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پس جو ذکر کا التزام نہیں کرے گا اس کو شیخ سے نفع کامل نہ ہوگا جس طرح قطب نما کی سوئی پر مقناطیس کی ہلکی سی پالش ہوتی ہے جس کی وجہ سے قطب شمالی کا خزانۂ مقناطیس اس سوئی کو اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے، اگر سوئی پر مقناطیس کی تھوڑی سی پالش نہ ہو تو قطب شمالی اس سوئی کو شمال کی طرف جذب نہیں کرے گا۔ اسی طرح التزامِ ذکر کو استقامت میں بہت خاص دخل ہے۔

قلب کی سوئی پر ذکر کے نور کی پالش کی برکت سے حق تعالیٰ کا نور ذاکرین کے قلوب کو اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے۔ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ قطب شمالی کی طرف مستقیم رہتی ہے اگر قطب شمالی سے ذرہ برابر اس کا رُخ پھیرنا چاہو تو تڑپ جاتی ہے اور جب تک اپنا رُخ قطب شمالی کی طرف درست نہیں کر لیتی بے چین رہتی ہے۔ اسی طرح جس قلب پر نور کی پالش ہوتی ہے تو ذرا بھی میلان الی المعیصت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُخ پھرنے لگے تو ایسا دل تڑپ جائے گا۔

(۳) اور تیسرا عمل یہ ہے کہ خلوت وجلوت میں حقوق العباد کا خاص خیال رکھیں کیونکہ حقوق العباد صاحبِ حق کی معافی کے بغیر معاف نہیں ہوتے اور ہر کام کو شریعت کے مطابق کریں۔

ایک مسنون دعا کی تشریح مع تمثیل

ارشاد فرمایا کہ اصلاحِ نفس کے لیے حدیثِ پاک کی یہ دعا عجیب التاثیر ہے۔ جو شخص اس کو پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجائے گا اور گناہوں سے محفوظ کر دیا جائے گا۔ حدیثِ پاک کی دعا ہے اَللّٰهُمَّ وَاقِيَةً كَوَاقِيَةِ الْوَلِيْدِ اے خدا! میری اس طرح حفاظت فرما جس طرح ماں چھوٹے بچے کی کرتی ہے۔ مثلاً بچہ اگر مٹی کھانے کا عادی ہے تو ماں اس کی حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل کام کرتی ہے:

(۱) اگر اس نے مٹی منہ میں رکھ لی تو اس کے حلق میں انگلی ڈال کر نکال لیتی ہے۔

(۲) اگر مٹی کھالے تو اس کو قے کراتی ہے یا جلاب دلواتی ہے۔

(۳) اگر مٹی کی طرف جانے لگے تو اس کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس کے گرد وپیش سے مٹی کو ہٹا دیتی ہے اور نگرانی رکھتی ہے کہ کوئی دوسرا بچہ اس کو مٹی لاکر نہ کھلا دے۔

اسی طرح جس بندہ کے لیے یہ دعا قبول ہو جائے گی تو اگر وہ گناہ کرنا بھی چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کرنے نہ دیں گے اور اگر کبھی گناہ کر بیٹھے گا تو جس طرح ماں بچہ کو قے کراتی ہے تو تھوڑے مصائب سے کفارۂ سیئات فرمادیں گے اور توبہ کی توفیق بخشیں گے اور معاصی کی طرف جانا بھی چاہے گا تو اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے، اسبابِ گناہ کو اس سے دور بھگادیں گے۔

اہل اللہ کو حزن وغم مفید ہونے کا راز

ارشاد فرمایا کہ غیر اختیاری حزن سے سلوک جس قدر جلد اور تیز طے ہوتا ہے، اعمالِ اختیاریہ سے اتنا نفع نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں تو اصلِ احزان سے معراجِ نبوت کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اولیاء کرام میں معراجِ ولایت کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور کفار وفساق کو حزن اورغم سے مطلق نفع نہیں ہوتا کیونکہ اسٹیم اس انجن کو مفید ہے جو صحیح پٹری اور صحیح لائن پر ہو، جو غلط لائن پر ہوگا اس کو اسٹیم منزل سے اور زیادہ دور کردے گی اس لیے کفار وفساق کو حزن وغم بوجہ بے صبری وناشکری اور کفر وسرکشی کے اللہ تعالیٰ سے اور دور کردیتا ہے۔ پس جو صراطِ مستقیم پر ہوتا ہے اسی کو حزن غیر اختیاری سے نفع ہوتا ہے لیکن حزن وغم مانگنا نہیں چاہیے۔ مانگنا عافیت ہی چاہیے اور دوامِ عافیت ہی مطلوب ہے اور شکر علی العافیۃ بھی مانگنا چاہیے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَ دَوَامَ الْعَافِیَۃِ وَ الشُّکْرَ عَلَی الْعَافِیَۃِ اے اللہ! میں آپ سے عفو اور عافیت اور دوامِ عافیت اور شکر علی العافیت کا سوال کرتا ہوں۔

حق تعالیٰ کی رحمت سے معراجِ ولایت کا لفظ آج خاص طور سے قلب کو عطا فرمایا گیا جس کا عجیب سرور محسوس ہورہا ہے۔

بندوں کی تحقیر کی حرمت کا راز

ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا فضل اسی حقیر اور رسوائے عالم عبد کو ایسی عزت دینے پر قادر ہے کہ بڑے بڑے معزز اور پارسا لوگ اس کی عزت کے سامنے ہیچ اور ماند پڑ جاتے ہیں اور راہِ سلوک میں پیچھے رہ جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ آگ کو پانی اور پانی کو آگ کر سکتے ہیں اور ذلت و رسوائی کے اندھیروں سے عزت کا آفتاب بلند کر سکتے ہیں۔

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند
وخرے لنگ گہہ بہ منزل رفت

بہت سے تیز رفتار گھوڑے پیچھے رہ گئے اور لنگڑا گدھا منزل پر پہنچ گیا،

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

ناامید نہ ہو کہ بہت سے غافل اور گنہگاروں نے ندامت سے ایسی آہ کی ہے کہ ایک آہ میں منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ اس مضمون پر احقر کا ایک قطعہ ہے۔

مری رسوائیوں پر آسماں رویا، زمیں روئی
مری ذلت کا لیکن آپ نے نقشہ بدل ڈالا
بہت مشکل تھا میرے نفسِ امارہ کا جیت ہونا
مرے مولیٰ نے لیکن دم میں اس کا سر کچل ڈالا

اہل اللہ کی تلاش اور قدر کس کو ہوتی ہے؟

ارشاد فرمایا کہ پیر کی قدر بقدرِ طلبِ حق ہوتی ہے۔ جس کے دل میں جس قدر اللہ کی طلب اور پیاس ہوتی ہے اسی قدر اس کو سچے پیر کی تلاش

اور اس کی قدر ہوتی ہے۔ کسی گاؤں والے سے پوچھا گیا کہ ہلدی کیا بھاؤ ہے؟ اس نے کہا کہ جتنا چوٹ پرائے یعنی جس قدر چوٹ میں درد ہوتا ہے اسی قدر ہلدی کی قیمت زیادہ ہوجاتی ہے۔ یہی حال دردِ محبتِ حق کا ہے۔ جس کے دل میں یہ چوٹ زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ اس کو سچے پیر کی تلاش میں محنت اور اس کی قدر کی توفیق ہوتی ہے۔

توبہ کرنے والوں کی محبوبیت کی تمثیل

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تَائِب عَنِ الذَّنْب اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوجاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کا بیٹا خطا کے بعد نادم ہوکر ماں باپ کے سامنے سچی توبہ کرلے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لے، اور زار زار رونے لگے تو غلبۂ رحمت وشفقت سے ماں باپ بھی اس کو سینہ سے لگا کر رونے لگیں گے۔ اس تلافی سے وہ بیٹا اور محبوب ہوجاتا ہے۔ ماں باپ بھی اپنے احباب سے اپنے بیٹے کی تعریف کرتے ہیں کہ ہمارا بیٹا بڑا لائق ہے، اگر کبھی اس سے غلطی ہوجاتی ہے تو ہم سے معافی مانگ لیتا ہے پس حق تعالیٰ کی رحمت تو ماں باپ کی رحمت سے کہیں زیادہ ہے۔ اسی پر قیاس کرلیجیے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والے پر حق تعالیٰ کو کتنا پیار آتا ہوگا۔

اتباع کے لیے وھم مھتدون کا عجیب نکتہ

ارشاد فرمایا کہ گم شدہ بچہ کو جو لاکر باپ سے ملادے وہ باپ سے انعام لیتا ہے، بچہ سے نہیں مانگتا۔ اسی طرح دعوت الی اللہ کا صحیح مقام یہی ہے کہ ربا سے ملانے کی اُجرت بندوں سے نہ لے، بندوں کے ربا سے لے، جس طرح گم شدہ بچہ لانے والا ابا سے اُجرت لیتا ہے۔ وہ ابا سے لیتا ہے، یہ ربا

سے لے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ اعلان فرمایا لَآ اَسْـئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا دین کی اس دعوت کا ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتے اِنْ اَجْـرِیَ اِلَّا عَـلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہمارا اجر تو ہمارے رب کے پاس ہے۔

اس کے برعکس اہلِ باطل اپنی دعوت پر جو بظاہر مفت دودھ کے ڈبے اور کپڑے وغیرہ تقسیم کرتے ہیں یہ بلا اُجرت نہیں بلکہ اس میں ان کی اغراضِ فاسدہ مثلاً اپنا غلبہ ومقبولیت، باطل کی حمایت، اپنے ملک وقوم وتجارت کی منفعت وغیرہ پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان کی دعوت دعوۃ الی اللہ نہیں دعوۃ الیٰ غیر اللہ ہے، صرف مفت چیزیں تقسیم کرنا حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ اگر قرآن پاک میں صرف یہ نازل ہوتا کہ اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا ان کی اتباع کرو جو تم سے بدلہ نہیں مانگتے تو یہود و نصاریٰ دعویٰ کرسکتے تھے کہ ہم بھی اُجرت نہیں مانگتے، ہماری مشنریاں اناج، دودھ کے ڈبے اور دوائیاں مفت تقسیم کرتی ہیں، ہم مفت میں انسانوں کی خدمت کر رہے ہیں اور اس کا ہم کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتے لہٰذا ہماری دعوت بھی حق ہے اور ہم بھی اس آیت کے مصداق ہیں لیکن سبحان اللہ! قرآن پاک کے علوم جامع اور مانع ہوتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے آگے فوراً قید لگادی وَهُـمْ مُّهْتَدُوْنَ کہ اجرت نہ مانگنے والوں کا ہدایت یافتہ ہونا ضروری ہے۔ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ حال ہے اور حال ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے۔ پس جو لوگ اپنی خدمات کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے ان کی اتباع مقید ہے اس حال کے ساتھ کہ وہ ہدایت یافتہ بھی ہوں۔ پس جو لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہیں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْنَ ہیں، وہ لاکھ خدمت کریں اور معاوضہ طلب نہ کریں ان کی اتباع جائز نہیں۔ وَهُـمْ مُّهْتَدُوْنَ نے ان کو متبوع ہونے سے خارج کردیا۔ معلوم ہوا کہ مفت دینی خدمات سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے بلکہ خدّامِ دین کا وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ سے ہونا یعنی ہدایت یافتہ ہونا ضروری ہے۔

آیت فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا حضور ﷺ کی بے مثل شانِ محبوبیت کی غماز ہے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر شانِ محبوبیت اور اللہ تعالیٰ کا کس قدر پیار ہے۔ یہ جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت اور دوام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس نگاہِ عنایت کا وعدہ دوام و استقلال کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل شانِ محبوبیت کو ظاہر کرتا ہے۔ جملہ فعلیہ سے بیان نہیں فرمایا کیونکہ اس میں حدوث و انقطاع ہوتا ہے فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا کے عنوان میں عظیم الشان پیار ہے کہ اے نبی! آپ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے ہیں، آپ ہر وقت میری نظروں میں ہیں، جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ گھبرانا مت تم میری حفاظت میں ہو، میری آنکھوں کے سامنے ہو، میں ہر وقت تمہاری خبر رکھتا ہوں، کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ میں تم سے غافل ہوں۔ پس اے نبی! میری توجہ آپ کو علیٰ سبیل دوام حاصل ہے، کوئی لمحہ کوئی لحظہ ایسا نہیں جو یہ نعمت آپ سے منقطع ہو جائے، میری عنایت آپ پر ہر وقت ہے، اس لیے جملہ اسمیہ سے بیان کر رہا ہوں اور اَعْیُن جمع کا صیغہ فرمایا، یعنی بے شمار آنکھوں سے ہم ہر وقت آپ کو دیکھ رہے ہیں آپ ہماری غیر محدود عنایت، غیر محدود حفاظت میں ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی کا ایک غیر مطبوعہ ملفوظ

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید جناب عبد الوحید خان صاحب (مرحوم) نے بیان کیا کہ وہ حضرت حکیم الامت کی مجلس میں حاضر تھے تب انہوں نے حکیم الامت سے براہ راست یہ ملفوظ سنا۔ حضرت حکیم الامت

نے ارشاد فرمایا کہ اسی (۸۰) برس کے تصوف کا نچوڑ بیان کرتا ہوں کہ جب کوئی ضرورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیا کرے، اس سے اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق، اعتماد اور بھروسہ پیدا ہوگا اور قلب کو اطمینان ہوگا اور جب کام ہوجائے گا تو اعتماد میں اضافہ ہوگا اور زندگی بھر کے لیے اطمینان ہوجائے گا کہ جب کوئی بات پیش آئے گی اللہ تعالیٰ سے عرض کردوں گا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں گے کہ یہ ہمارا ہے کہ بے چارہ کو جب بھی کوئی بات پیش آتی ہے مجھے ہی یاد کرتا ہے، مجھ کو ہی حاجت روا اور فریاد رس سمجھتا ہے۔

پھر فرمایا کہ بعض لوگوں کو گنہگار ہونے کی وجہ سے شیطان بہکاتا ہے اور دعا سے روکتا ہے کہ تم تو اتنے گنہگار ہو، تمہاری دعا کیا قبول ہوگی تو شیطان نے تو اللہ تعالیٰ کے عین غضب اور عتاب کے وقت دعا کی تھی، اس کی دعا کیوں قبول ہوئی؟ جب اس کی غضب اور مردودیت کے وقت قبول ہوگئی تو کیا ہم شیطان سے گئے گذرے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہم مومن ہیں ہماری کیوں قبول نہ ہوگی۔ وعدہ ہے کہ مومن کی دعا رد نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا کہ ایک مثال سے گناہ کی حقیقت سمجھ لیں تو شیطان کے مایوس کرنے سے کبھی رحمتِ حق سے مایوس نہ ہوں گے۔ ایک مچھر ایک بیل کے سینگ پر بیٹھ گیا جب اڑنے لگا تو معافی کی درخواست کی کہ بیل رے بیل میں نے آپ کو بڑی تکلیف دی مجھے معاف کردیجیے۔ بیل نے کہا کہ اب کیسی تکلیف؟ مجھے نہ تیرے آنے کی خبر، نہ جانے کی خبر۔ مچھر کو جو نسبت بیل سے ہے ہمارے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اتنی نسبت بھی نہیں۔

علم کی مثال اجزائے بریانی سے

ارشاد فرمایا کہ بریانی پکانے میں فن جاننا ضروری ہے۔ اجزاء بریانی کے جاننے سے فن نہیں آتا، لہٰذا کوئی شخص محض اجزاء کے جاننے سے

بریانی نہیں پکا سکتا۔ پکانے کا فن جاننے والا باورچی انہی اجزاء سے بریانی پکا دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کن اجزاء کو کس وقت دیگ میں ڈالنا ہے اور کتنی آنچ دینا ہے حتٰی کہ ایک منٹ قبل تک دیگ میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی، پھر باورچی آنچ کھینچ کر دم دیتا ہے اور سارا محلّہ خوشبو سے مہک جاتا ہے۔ اسی طرح علماء کا علم مثل اجزائے بریانی کے ہے، اس میں خوشبو نہیں آسکتی، یعنی ان کا علم مقرون بالعمل نہیں ہوسکتا جب تک کسی اللہ والے شیخ کامل کی تربیت میں نہ ہو۔ اس کے بغیر علم پر عمل کی توفیق عادۃً محال ہے، کیونکہ محض کتابی علم جس پر عمل نہ ہو علم کہلانے کا مستحق نہیں، مثلاً کتاب پڑھ کر یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کا حکم معلوم ہوا تو یہ محض نقوشِ علم ہیں لیکن جب اس معلوم کو آنکھوں پر نافذ کیا اور نامحرم سے نگاہ بچائی تو اب یہ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کا عالم ہوا، یعنی معلوم جب معمول بنتا ہے تب وہ علم کہلانے کا مستحق ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ كُلُّ مَنْ عَصَى اللهَ فَهُوَ جَاهِلٌ یعنی اللہ کی نافرمانی کرنے والا جاہل ہے۔ اور عمل کی توفیق بدون شیخِ کامل کی تربیت اور مشوروں یعنی اطلاعِ حالات اور اتباعِ تجویزات کے عادۃً ممکن نہیں۔ علم کی بریانی کو شیخ دم دیتا ہے تب اس کی خوشبو ایک عالم کو معطر کرتی ہے۔ اس کی دلیل كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ہے۔ ایک محدث نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر ملی نہ غلامی کسی خدا کے ولی کی
تو علمِ درسِ نظامی کو علم ہی نہیں کہتے

صحبت یافتہ لوگوں کے حسن خاتمہ کی دلیل شرعی

ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہنے والا اور اللہ کا نام لینے والا گمراہی کی ہر منزل سے قابلِ واپسی ہوتا ہے، یعنی اگر اس سے گناہِ کبیرہ بھی کبھی سرزد ہوجائے تو اس پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ندامت اور احساسِ ظلمت کے

سبب اس کو توفیقِ توبہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دوری کا احساس اس کو واپسی پر مجبور کرتا ہے اور بدون رجوع الی اللہ، بدون استغفار و توبہ کے اس کو چین نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کا خاتمہ حسن ہی ہوتا ہے اگرچہ حال کتنا ہی خراب و خستہ ہو۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کے صحبت یافتہ کا خاتمہ خراب نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے گناہ بھی سرزد ہوجائے، لیکن نوبت مردودیت تک نہیں پہنچتی، اہل اللہ کی برکت سے ندامت وتوبہ کی توفیق اس کو عطا ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے دائرۂ محبوبیت سے نہیں نکلتا اور خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی دلیلِ شرعی اللہ تعالیٰ نے احقر کو عطا فرمائی۔ بخاری شریف کی حدیث ہے ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ بِھِنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ یعنی تین خصلتیں جس میں ہوں گی اس کو حلاوتِ ایمانی عطا ہوگی۔ ان میں ایک ہے مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے۔ اور اہل اللہ سے محبت صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے اور دوسری حدیث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں نقل کی ہے کہ وَقَدْ وَرَدَ اَنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَا تَخْرُجُ مِنْہُ اَبَدًا حلاوتِ ایمانی جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی نہیں نکلتی۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں فِیْہِ اِشَارَۃٌ اِلٰی بِشَارَۃِ حُسْنِ الْخَاتِمَۃِ اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے، کیونکہ ایمان جب دل سے نکلے گا ہی نہیں تو خاتمہ ایمان پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے احقر کے دل میں بھی حلاوتِ ایمانی داخل فرمادیں اور خاتمہ ایمان پر مقدر فرمادیں اور جملہ مؤمنین کو یہ نعمت عطا فرمائیں، آمین۔

تعلق مع اللہ کی پہچان کا معیار

ارشاد فرمایا کہ ذکر وفکر کے التزام، اعمال صالحہ کے اہتمام،

گناہوں سے اجتناب اور صحبتِ اہل اللہ کی برکت سے روح میں تعلق مع اللہ عَلٰی سَطْحِ الْوِلَایَۃِ عطا ہوتا ہے اور روح حق تعالیٰ کے ساتھ چپکتی چلی جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی نافرمانی ہو جائے تو روح کو بے حد تکلیف ہوتی ہے، جیسے گہرے گوند سے چپکے ہوئے کاغذ کو اگر جدا کرو تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتا ہے۔ جتنا گہرا گوند ہوگا اتنا ہی مشکل اس کاغذ کو جدا کرنا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ روح میں جس قدر حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اسی کے بقدر گناہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تعلق اشد ہے تو تکلیف بھی اشد ہوگی، اگر تعلق کم ہے تو تکلیف بھی کم ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کو سب سے زیادہ خوف اسی کا رہتا ہے کہ کہیں ان سے کوئی گناہ نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو اور فساق بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ اللہ تعالیٰ ایسی حالت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ایک غلط فہمی کی اصلاح

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کو اپنی معلومات اور مطالعہ کے متعلق یہ غلط فہمی ہے کہ ان کی تربیت کے لیے یہ کافی ہے اس لیے اپنے مربی کی باتیں غور سے نہیں سنتے اور مجلس میں اپنی معلومات پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ یہ سخت بے ادبی اور خدا کی راہ کا سب سے بڑا رہزن ہے، یہاں اپنی معلومات اور قابلیت سے کام نہیں چلتا بلکہ معلومات سے مخلی ہو کر مربی سے استفادہ کرنے سے کام بنتا ہے، مثلاً کسی مریض کو دنیا بھر کی دواؤں کی معلومات ہو کہ فلاں دوا فلاں مرض میں مفید ہے، فلاں دوا فلاں مرض کے لیے ہے اور اگر یہ خود دوائیں کھانا شروع کر دے تو ہلاک ہو جائے گا۔ اگر شفا چاہتا ہے تو اپنی معلومات کو بالائے طاق رکھ کر ڈاکٹر کی رائے پر انحصار کرنا پڑے گا یا بالفرض کوئی بچہ دودھ کے متعلق تمام دنیا کی معلومات رکھتا ہو کہ آسٹریلیا کی بھینس اتنا دودھ دیتی ہے

اور امریکہ کی گائے اتنا دودھ دیتی ہے اور انڈونیشیا کے جانوروں کے دودھ میں اتنے فیصد وٹامن اور مقوی اجزاء ہیں تو کیا یہ معلومات اس کو قوت بخش سکتی ہیں؟ مگر ماں کی چھاتی سے جو دودھ اس کے بدن میں جائے گا وہی اس کی پرورش کرے گا۔ بس خوب سمجھ لیجیے کہ شیخ کی باتیں مثلِ شیرِ مادر (ماں کے دودھ کی طرح) ہیں۔ جو بات اس کی تجویز اور ارشاد کی ہوگی وہی طالب کے روحانی امراض کو نافع اور صحتِ روحانی کا ذریعہ ہوگی۔

تربیت کے غیر محدود طریقے

ارشاد فرمایا کہ چونکہ حق تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے پس وصول الی اللہ کا راستہ بھی غیر محدود ہے، لہٰذا کسی خاص مربی یا شیخِ وقت کے ارشاد فرمودہ طریقوں میں تربیت کے طریقوں کو محدود نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ جتنے انفاسِ خلائق ہیں اتنے ہی تربیت کے طریقے ہیں۔ غیر محدود ذات تک پہنچنے کے راستے بھی غیر محدود ہیں۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ میں جس کو خلافت دیتا ہوں اس کو فن کا امام بناتا ہوں یعنی شیخِ کامل تربیت کے کسی خاص طریقوں میں محدود نہیں ہوتا بلکہ حسبِ موقع طریق میں اپنے اجتہاد سے اپنے احباب کے امراض کا علاج کرسکتا ہے۔ البتہ شیخ کو شیخ النور ہونا چاہیے شیخ النار نہ ہو، یعنی سچا اللہ والا شیخ ہو، جعلی پیر نہ ہو۔

نفس کے مجاہدات کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ نفس کی حرام خواہشات اور عشق کے تقاضوں کو دبانے اور حسن کی کشش سے خود کو بچانے میں کیا کیا مجاہدات انسان پر آتے ہیں کہ حسن کش کرتا ہے اور خدا کی محبت یا خوف مکش کرتا ہے، یعنی ایک طرف حسن ہے اور دوسری طرف اللہ، حسن اپنی طرف کھینچتا ہے، اللہ کی محبت حسنِ فانی

پرلعنت بھیج کر اللہ کی طرف بلاتی ہے، یہ کشمکش، بارِ عظیم اور گھٹن جو بالخصوص عاشق مزاج لوگوں کو پیش آتی ہے تو سوال یہ ہے کہ مثلاً آپ کے دو دوست ہیں، ایک دوست کا کوئی خریدار نہیں اس کو کوئی نہیں پوچھتا، وہ اگر کہے کہ میں صرف آپ کا ہوں تو آپ کہیں گے کہ تم اگر ہمارے ہو تو کیا کمال ہے، کیونکہ تمہارا تو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں اور آپ کا جو دوسرا دوست ہے، اگر اس کے بہت خریدار ہیں، ہر شخص اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے وہ اگر کسی کے ہاتھ نہ بکے اور آپ کا رہے تو یہ کمال ہے۔ پس انسان کے نفس میں بہت سی خواہشات رکھ دی گئیں ہیں اور زمین پر حسن کے چاند تاروں کو بکھیر دیا تا کہ ان کی طرف کشش ہو اور اس کا امتحان ہو اور یہ لا الٰہ سے سب کی نفی کرتا ہوا، صرف حق تعالیٰ کا رہے تا کہ باوفا بندوں میں اس کا شمار ہو سکے۔

توڑ ڈالے مہہ و خورشید ہزاروں ہم نے
تب کہیں جا کے دِکھایا رُخِ زیبا تو نے

تجلیاتِ جذب کے زمان ومکان

فرمایا کہ جامع صغیر کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَہٗ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ نَفْحَۃٌ مِّنْھَا فَلاَ تَشْقَوْنَ بَعْدَھَا اَبَدًا﴾

(جامع صغیر، ج: ۱، ص: ۹۵)

اے میری اُمت کے لوگو! تمہارے زمانے کے انہی ایام میں تمہارے رب کی طرف سے نسیمِ کرم کے جھونکے آتے رہتے ہیں یعنی تجلیاتِ جذب نازل ہوتی رہتی ہیں پس تم ان کی تلاش میں رہو اگر کوئی تجلی تم کو مل گئی تو تم کبھی بد بخت نہیں ہو سکتے، ولایتِ خاصہ سے مشرف ہو جاؤ گے۔ نفحات کا ترجمہ بعض علماء نے نسیمِ

کرم سے کیا ہے اور بعض نے مثلاً ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نفحات کا ترجمہ جذبات کیا ہے یعنی اللہ کی طرف کھینچنے والی تجلیات لیکن حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التشرف فی احادیث التصوف میں جو ترجمہ کیا ہے وہ قابلِ وجد ہے حضرت نے نفحات کا ترجمہ کیا اَلتَّجلِّیَاتُ الْمُقَرِّبَاتُ یعنی وہ تجلیات جو بندہ کو اللہ کا پیارا اور مقرب بناتی ہیں۔

اس حدیث میں ان تجلیات کا زمانہ بتایا گیا کہ تمہارے اسی زمانے کے شب و روز میں وہ تجلیات جن سے اللہ اپنے بندوں کو جذب کرتا ہے نازل ہوتی ہیں لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ تجلیات کہاں نازل ہوتی ہیں، ان کی جائے نزول کیا ہے، ان کا مکان کہاں ہے؟ اس حدیث سے قیامت تک کوئی شخص ان تجلیات کا مکان تلاش نہیں کرسکتا تھا لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان جائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت پر احسان فرمایا اور دوسری حدیث میں ان تجلیات کا مکان بھی بتادیا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

﴿هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ﴾

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ تعالیٰ،)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ایسے جلیس وہم نشین ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا شقی یعنی بدبخت نہیں رہ سکتا، ان کی صحبت کی برکت سے اس کی شقاوت سعادت سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ جامع صغیر کی حدیث میں تجلیاتِ جذب کا زمانہ بتایا گیا ہے کہ اس دنیا کے شب و روز میں نازل ہوتی ہیں ان کو تلاش کرتے رہو اگر کوئی تجلی تمہیں مل گئی فَلَا تَشْقَوْنَ بَعْدَ هَا اَبَدًا تو تم بدنصیب و بدبخت نہیں رہ سکتے۔ اور بخاری شریف کی حدیث لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ سے ان تجلیات کا مکان بتایا گیا کہ اہل اللہ کی مجالس وہ مکان ہیں جہاں یہ تجلیات نازل ہوتی ہیں۔

یہ علمِ عظیم اللہ تعالیٰ نے احقر کو اپنے فضل سے عطا فرمایا۔ جب جامع

صغیر کی حدیث اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ پڑھی تو دل میں خیال آیا کہ اس حدیث پاک میں تو ان تجلیات کا زمانہ بتایا گیا ہے لیکن یہ کہاں ملتی ہیں اس کا مکان کیسے معلوم ہو تو اللہ تعالیٰ نے دل میں بخاری شریف کی حدیث لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ ڈالی تو مجھے وجد آ گیا کہ شقاوت سے بچانے والی ان تجلیات کا مکانِ نزول اہل اللہ کی صحبتیں ان کی مجالس ہیں۔ دو احادیث کے ملانے سے یہ علمِ عظیم عطا ہوا لیکن دونوں حدیثوں سے اس مفہوم کی طرف دل کا متوجہ ہو جانا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ۔

تعلیمِ کتاب اور تزکیہ کا ربط

فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں نازل فرمائی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے کی درخواست ہے اور اس میں بعثتِ نبوی کے مقاصد کا بھی بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا مانگ رہے ہیں رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ اے ہمارے رب! تو ان میں سے یعنی ہماری اولاد اور خون کے رشتوں میں ایک پیغمبر پیدا فرما یعنی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن کی بعثت کا مقصد ہو کہ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وہ آپ کی آیات پڑھ کو لوگوں کو سنائیں وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ اور آپ کی کتاب کی تعلیم دیں جس کی تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی نے یہ کی ہے اَیْ یُفَھِّمُھُمْ اَلْفَاظَہٗ وَ یُبَیِّنُ لَھُمْ کَیْفِیَّۃَ اَدَاءِہٖ یعنی وہ قرآنِ پاک کے الفاظ کو سمجھائیں اور ان کی کیفیتِ ادا کو بھی سکھائیں کہ کون سا لفظ کس طرح ادا کیا جائے گا یعنی قراءت و تجوید کی تعلیم دیں۔ اس آیت میں مکاتبِ قرآن کے قیام کا ثبوت ہے جہاں تجوید و قراءت سکھائی جاتی ہے اور اسی آیت میں مدارسِ علمیہ کے قیام کا بھی ثبوت ہے

جہاں قرآنِ پاک کی تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مکاتبِ قرآن اور مدارسِ علمیہ کا قیام بعثتِ نبوی کے مقاصد میں سے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کی حفاظت اور ان کو جاری رکھنا اُمت پر فرض ہے۔

اس کے بعد جو آیت ہے اس میں بعثتِ نبوی کے ایک اور اہم مقصد کا بیان ہے اور وہ ہے تزکیہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا مانگ رہے ہیں وَیُزَکِّیْھِمْ اے رب! وہ نبی ایسا ہو جو قلوب کا تزکیہ کرے یعنی دلوں کو پاک کردے۔ دلوں کی پاکی بہت ضروری ہے کیونکہ اے ہمارے رب! کعبہ تو ہم نے بنا دیا لیکن کعبہ کی قدر اسی کو ہوگی جس کا دل پاک ہوگا، جس کے دل میں خدائے تعالیٰ کی محبت ہوگی لہٰذا دونوں پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تعمیرِ کعبہ کے بعد تعمیرِ قلوب کے لیے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے رب! کعبہ کی تعمیر تو ہم نے کردی اب آپ ایک نبی مبعوث فرمایئے جو دلوں کا قبلہ درست کردے، دلوں سے غیر اللہ کے بت نکال دے کیونکہ مسلمان کا دل اللہ کا گھر ہے اسی لیے کلمہ میں پہلے لَاۤ اِلٰـہَ ہے کہ پہلے دل کو غیر اللہ سے خالی کرو پھر اِلَّا اللہ کا نور ملے گا۔ اس لیے تعمیرِ کعبہ کے بعد دونوں جلیل القدر نبی یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ جب تک دل سے غیر اللہ کے بت نہیں نکلیں گے تب تک کعبہ کی عظمتوں کا اور اس کے انوار وتجلیات کا اِدراک نہیں ہوسکتا۔

یُزَکِّیْھِمْ سے ثابت ہوا کہ تزکیہ واصلاح بھی بعثتِ نبوی کے مقاصد میں سے ہے اور نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوچکی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا لہٰذا یہ کارِ نبوت قیامت تک جاری رہے گا اور آپ کے سچے نائبین و وارثین اس کو انجام دیتے رہیں گے۔ اس آیت سے خانقاہوں کے قیام کا ثبوت ہے جہاں دلوں کو غیر اللہ کی نجاستوں

سے پاک کیا جاتا ہے اور اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اخلاص کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اخلاص بغیر اہل اللہ کی جوتیاں اُٹھائے مل ہی نہیں سکتا۔ اس لیے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی دوروں سے واپسی پر خانقاہوں میں اہل اللہ کی خدمت میں جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ مخلوق سے خلط ملط سے دل پر غبار سا آجاتا ہے جس کی صفائی خانقاہوں میں جاکر کراتا ہوں۔ اسی طرح ریا، تکبر، کینہ، عُجب اور حسد وغیرہ تمام باطنی رذائل کا علاج خانقاہوں میں کیا جاتا ہے اسی کا نام تزکیہ ہے۔

لاہور کے جامعہ اشرفیہ میں جب میں نے یہ بیان کیا کہ مکاتب قرآن و مدارسِ علمیہ اور خانقاہوں کا ثبوت قرآنِ پاک کی اس آیت سے ملتا ہے تو وہاں ایک ایسی جماعت کا پروفیسر موجود تھا جو تصوف کی منکر ہے۔ یہ تقریر سن کر اس نے کہا کہ اس مولانا نے تو مجھے تصوف کا قائل کردیا۔

قرآنِ پاک میں جہاں تعلیمِ کتاب کی آیت ہے وہیں تزکیہ کا ذکر بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ تعلیم اور تزکیہ کا خاص ربط ہے۔ پہلے پارہ میں تزکیہ مؤخر ہے تعلیمِ کتاب مقدم ہے اور پارہ ۴ اور پارہ ۲۸ میں تزکیہ مقدم ہے تعلیمِ کتاب مؤخر ہے۔ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جہاں تعلیمِ کتاب مقدم ہے وہاں علومِ دینیہ کی عظمت وشرافت کا اظہار ہے تاکہ صوفیاء علمِ دین سے مستغنی نہ ہوں اور خود کو علماء کا محتاج سمجھیں اور شریعت وطریقت کو مغایر سمجھنے کی گمراہی میں مبتلا نہ ہوں اور جہاں تزکیہ مقدم ہے وہاں تزکیہ کی اہمیت کا اظہار ہے تاکہ علماء تزکیہ سے غافل نہ ہوں اور اس کو معمولی چیز نہ سمجھیں حضرت والا نے سمجھانے کے لیے اس کی ایک تمثیل بیان فرمائی کہ جیسے عطر کی شیشی صاف کرنے سے مقصود عطر ہوتا ہے جو اس میں ڈالا

جائے گا اسی طرح جہاں تعلیمِ کتاب مقدم ہے وہاں تحلیہ یعنی علمِ دین کی عظمت و شرافت مقصود ہے کہ علمِ دین اللہ کا نور ہے جو ناپاک دل میں نہیں آتا اور جہاں تزکیہ مقدم ہے وہاں تخلیہ یعنی دل کو غیر اللہ سے پاک کرنے کی اہمیت مقصود ہے کیونکہ گندی شیشی میں عطر کی خوشبو ظاہر نہیں ہوتی۔

اس مثال میں علماء اور صوفیاء دونوں کے لیے ہدایت ہے کہ صوفیاء کرام زندگی بھر قلب کی شیشی نہ دھوتے رہیں علوم کی بھی فکر کریں تاکہ علم کا نور گمراہی سے بچائے اور علمائے کرام صرف پڑھنے پڑھانے میں نہ لگے رہیں قلب کی شیشی کی تطہیر اور پاکی کی بھی فکر کریں تاکہ ان کا علم مفید اور کارآمد ہوسکے۔

ایک لطیف نکتہ

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلرَّحۡمٰنُ فَاسۡئَلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا﴾

(سورۃ الفرقان، اٰیۃ: ۵۹)

یہ جملہ اسمیہ ہے ورنہ فَاسۡئَلۡ بِالرَّحۡمٰنِ خَبِيۡرًا بھی ہوسکتا تھا۔ جملہ اسمیہ دوامِ ثبوت اور استقلال کی شان رکھتا ہے تاکہ امت باخبر عارفین سے کبھی غافل نہ ہو اور ان سے استغنا نہ کرے ورنہ اعمال میں زوال آجائے گا، معرفت کی ترقی رُک جائے گی۔

اللہ والوں کے پاس کیا ملتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ اللہ والوں کے پاس کیا ملتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک ظاہرِ نبوت ہے اور ایک باطنِ نبوت ہے۔ ظاہرِ نبوت یعنی اعمالِ ظاہرہ تو کتب سے مل جاتے ہیں کہ مغرب کی اتنی رکعات فرض ہیں، عشاء کی اتنی ہیں، اوّابین اور اشراق وغیرہ کی اتنی رکعات ہیں لیکن باطنِ نبوت کتابوں سے نہیں ملتا مثلاً صبر، شکر، تسلیم و رضا،

تواضع، فنائیت، اخلاص، احسان، غضب میں اعتدال، شہوت کا ضبط، ورع و تقویٰ وخشیتِ قلب وغیرہ یہ سب باطنِ نبوت ہے، کتابوں کے اوراق اس کے حامل نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ یہ باطنِ نبوت بہ فیضانِ ولایت عطا ہوتا ہے یعنی اہل اللہ کے سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتا ہے، اہل اللہ کے پاس کوئی رہتا ہے یا چلہ لگا کر گھر واپس جاتا ہے تو لوگ دریافت کریں گے کہ کیا ملا تو ممکن ہے بے چارہ صوفی گھبرا جائے اور نہ بتا سکے لیکن جو ملا ہے وہ جب وقت آئے گا تو ظاہر ہوجائے گا مثلاً جب مصائب آئیں گے تو صبر و رضا میں خانقاہ کی برکات معلوم ہوں گی، فیضانِ مشائخ کا اثر غصہ اور شہوت کے ضبط میں معلوم ہوگا، اپنے کو حقیر سمجھنا، مخلوقِ خدا کے ساتھ حسنِ ظن، مخلوق کی خیر خواہی، ایثارِ نفس، اکرامِ مومن وغیرہ میں معلوم ہوتا ہے۔

فقہ کے حکم تغلیبی سے غلبۂ محبتِ الٰہیہ پر استدلال

ارشاد فرمایا کہ حکم تغلیبی کو فقہاء نے تسلیم کیا ہے جیسے اگر کسی دھات پر سونا غالب ہو تو اس کو سونا قرار دیا ہے اور اس پر زکوٰۃ قرار دی گئی ہے اور اگر دوسری دھات کا غلبہ ہے تو اس کو سونا قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر کسی انسان پر جن غالب ہوجائے تو اس وقت اس کی گفتگو جن کی سمجھی جائے گی حالانکہ وہ انسان ہے مگر غلبۂ جن کے سبب اس کو معذور سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی پر حق تعالیٰ کی محبت غالب ہو اور دنیا و مافیہا کی مغلوب ہو تو اس پر حق تعالیٰ کی محبت ہی غالب سمجھی جائے گی مثلاً بیوی بچوں اور مال وغیرہ کی محبت شدید ہے اور حق تعالیٰ کی اشد ہے مثلاً مال و اہل وعیال کی محبت اٹھانوے ڈگری اور حق تعالیٰ کی ننانوے ڈگری ہو تو حکم غلبہ کا ہوگا اور اس کی روحانیت اس کے عناصر کے احکام پر غالب رہے گی یعنی اللہ تعالیٰ کے فیضان سے اس کو سکون اور اطمینان ہوگا اور اگر دنیا کی محبت غالب ہوگی تو اس کی روحانیت

مغلوب اور عناصر غالب ہوں گے جس کا نتیجہ بے سکونی اور بے چینی ہوگا۔ اس لیے غلبۂ محبتِ الٰہیہ کی طلب کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی گئی:

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَ اَھْلِیْ وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ﴾

(سنن ترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج: ۲، ص: ۱۸۷)

اے اللہ! اپنی محبت مجھ کو میری جان سے زیادہ، اہل وعیال سے زیادہ اور شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ عطا فرما دیجیے۔

تلخ زندگی

ارشاد فرمایا کہ گناہ سے پہلے اور گناہ کے بعد دونوں زمانے نہایت پریشانی خوف بے چینی اور ندامت کے ہوتے ہیں۔ گناہ سے پہلے گناہ کی اسکیم ہی سے پریشانی شروع ہو جاتی ہے کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے کہیں رسوائی نہ ہو جائے اور گناہ کے بعد انتقام کا خوف کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے اور جس کے ساتھ گناہ کیا وہ یا اس کے وارثین انتقام نہ لیں وغیرہ راتوں کی نیند حرام کر دیتے ہیں پس گناہ کے ماضی اور مستقبل کے مصائب کے درمیان زمانۂ حال کی تھوڑی سی لذت اُٹھانا کس درجہ حماقت ہے کہ ذرا سی دیر کی لذت کے لیے زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔

گناہوں کا تریاق

ارشاد فرمایا کہ اگر گناہ کسی کی عادتِ ثانیہ بن چکے ہوں تو توبہ کو بھی عادتِ ثانیہ بنالو کیونکہ کثرتِ زہر مقتضی ہے کثرتِ تریاق کو یعنی اگر کسی کو کثرت سے زہر کھانے کی عادت ہے تو اسی کثرت سے اس کا تریاق کھائے تاکہ زہر کا اثر زائل ہو جائے ورنہ زہر ہلاک کر دے گا اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا:

﴿کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الدعوات، بابُ التوبۃ والاستغفار، ص: ۲۰۴)

بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں جس کا حاصل یہی ہے کہ اگر تم کثیر الخطاء ہو تو کثیر التوبہ ہو جاؤ۔

آیت تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ الخ کے متعلق ایک علمِ عظیم

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾

(سورۃ البقرۃ، ایۃ:۱۸۷)

یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو ان کے نزدیک نہ جاؤ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾

(سورۃ البقرۃ، ایۃ:۲۲۹)

یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان کے آگے مت بڑھو۔ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ علم حاصل ہوا کہ جس کا فَلَا تَقْرَبُوْهَا مضبوط ہوگا اس کا فَلَا تَعْتَدُوْهَا بھی مضبوط ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری طبیعت کی کمزوریوں سے واقف ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر یہ ان حدوں کے قریب جائے گا تو ان پر قائم نہ رہ سکے گا اور ہلاکت میں پڑ جائے گا اور جو قریب ہی نہ جائے گا تو تجاوز کیسے کرے گا۔ پس لَا تَعْتَدُوْا سے محفوظ رہنے کے لیے لَا تَقْرَبُوْا رہنا ضروری ہے۔

حدیث اَللّٰھُمَّ وَاقِیَةً کَوَاقِیَةِ الْوَلِیْدِ کی تشریح

ارشاد فرمایا کہ حدیثِ پاک کی دعا ہے اَللّٰھُمَّ وَاقِیَةً کَوَاقِیَةِ الْوَلِیْدِ یعنی اے اللہ میری ایسی حفاظت فرما جیسے ماں چھوٹے بچے کی کرتی ہے اور ماں اپنے بچہ کی تین طرح حفاظت کرتی ہے۔ (۱) مٹی کو اس سے دور رکھتی ہے، گھر کو مٹی سے صاف رکھتی ہے تاکہ بچہ مٹی نہ کھا سکے اور اگر کوئی دوسرا بچہ اس کو مٹی لا کر دے تو اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیتی ہے اور نگرانی

رکھتی ہے کہ ایسے بچے اس کے پاس نہ آنے پائیں۔(۲) اگر کہیں سے وہ مٹی پا جائے تو اس کے ہاتھ سے چھین لیتی ہے۔(۳) کھائی ہوئی مٹی منہ میں انگلی ڈال کر نکال دیتی ہے۔ مذکورہ دعا میں حفاظت کے تینوں طریقے موجود ہیں۔ (۱) جس بندہ کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں تو اسبابِ معصیت کو اس سے دور کر دیتے ہیں۔(۲) معصیت سے بچنے کی توفیق دیتے ہیں۔ (۳) جو گناہ سرزد ہوگئے ان کی تلافی کے لیے توفیقِ توبہ بخشتے ہیں۔

مرید کے معنیٰ

ارشاد فرمایاکہ مرید بابِ افعال سے ہے جس کی دو خاصیت ہیں یعنی سلبِ ماخذ اور عطائے ماخذ۔ پس مرید کے دو مفہوم ہوئے۔ نمبر ایک مسلوب الارادہ یعنی لَا یُرِیْدُ غَیْرَ اللّٰہِ پس مرید وہ ہے جو غیر اللہ کا ارادہ نہیں کرتا، مرضیاتِ الٰہیہ کے خلاف تمام ارادوں کو خاک میں ملا دیتا ہے اور دوسرا مفہوم ہے یُرِیْدُ اللّٰہَ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرتا ہے اللہ ہی اس کا مقصود اور مطلوب ہے پس یہ لفظ نفی و اثبات دونوں کا جامع ہے اس میں لَآ اِلٰہَ بھی ہے اور اِلَّا اللّٰہُ بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ اصلی مرید وہ ہے جو کلمہ کے دونوں جز کا حامل ہو کہ اس کا دل غیر اللہ سے نفور اور اِلَّا اللّٰہُ سے معمور ہو۔

علاج بدگمانی

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کا کوئی عیب ظاہر ہو جائے اور شیطان اس کے متعلق دل میں بدگمانی ڈالے تو یہ سوچ لے کہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی عمل ایسا ہو جو اللہ کے یہاں مقبول ہو چکا ہو جس پر میدانِ محشر میں اس پر فضل ہو جائے اور وہ جنت میں چلا جائے اور بدگمانی کرنے پر میری پکڑ ہو جائے کہ وہ بندہ تو میرا مقبول تھا تم نے بدگمانی کیوں کی؟

رمضان المبارک اور صحبت صالحین

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان شریف کے روزوں کی حکمت قرآنِ پاک میں لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ فرمائی ہے جس کی تفسیر روح المعانی میں یہ ہے اَیْ لِکَیْ تَصِلُوْا بِذَالِکَ اِلٰی مَرْتَبَۃِ التَّقْوٰی تا کہ ان کے ذریعہ تم مرتبۂ تقویٰ تک پہنچ جاؤ۔ اور دوسری آیت کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں صادقین کی صحبت کو بھی تقویٰ کا ذریعہ بتایا گیا۔ معلوم ہوا کہ رمضان المبارک تقویٰ کا سببِ زمانی اور صحبتِ صادقین سببِ مکانی ہے۔ پس رمضان میں کاملین کی صحبت سے تقویٰ پیدا کرنے کے دونوں اسباب زمان ومکان کے جمع ہو جاتے ہیں جس سے تقویٰ کا راستہ جلد طے ہوتا ہے۔ مشائخ کے یہاں رمضان میں سالکین کے جمع ہونے کی اصل یہ معلوم ہوتی ہے۔

مثنوی کے ایک شعر کی شرح

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی ارشاد فرماتے ہیں۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یعنی جو حق تعالیٰ کی عنایات اور حق تعالیٰ کے خاص بندوں کی عنایات سے محروم ہے اگر فرشتہ بھی معلوم ہوتا ہے تو اس کا نصیبہ سیاہ ہے۔ بعض اہلِ ظاہر نادانی سے اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا نے خاصانِ خدا کو خدا کے برابر کر دیا یہ تو شرک ہے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ عنایتِ حق عالمِ غیب کی چیز ہے اور مخفی ہے اس لیے اس نظریہ کو بدیہی بنانے کے لیے خاصانِ حق کا اضافہ کیا گیا۔ ورنہ عنایتِ حق کا پتہ لگانا محال تھا۔ بوجہ تعلقِ خاص خاصانِ حق کی عنایات حق تعالیٰ کی عنایات کا مظہر ہیں اور ان کی ناراضگی حق تعالیٰ کی ناراضگی کا مظہر ہے۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ جس پر

اللہ والوں کی عنایت نہ ہوتو سمجھو کہ وہ عنایتِ حق سے محروم ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ والوں کی عنایت اللہ تعالیٰ کی عنایت کی علامت ہے تو یہ شرک کیسے ہوگیا۔

اہلِ دنیا اور اہلِ دین کے بڑھاپے کا فرق

ارشاد فرمایا کہ بڈھے جانور کا گوشت پسند نہیں کیا جاتا۔ جو انسان جانوروں کی طرح زندگی گذار کر بوڑھا ہوجاتا ہے وہ بے قدر و بے قیمت ہوجاتا ہے چنانچہ لندن میں بوڑھے ماں باپ کو انگریز مرغی فارم کی طرح اولڈ ہاؤس میں ڈال آتے ہیں جہاں وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتے ہیں اور بزرگانِ دین بوڑھے ہوکر اور زیادہ معزز اور قیمتی ہوجاتے ہیں۔ بڑے بڑے اہلِ دنیا اور اکابر علماء ان کی خدمت کو اور ان کی جوتیاں اُٹھانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ کہیں لے جانے کے لیے ایک بار حضرت شیخ الہند اور دوسرے بڑے علماء نے اپنے کندھوں پر اٹھایا تو حضرت گنگوہی نے غایت تواضع سے یہ شعر پڑھا۔

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا
تماشے کو بھی تو میرے نہ آیا

اور اِس زمانے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو آخر میں پاؤں سے معذور ہوگئے تھے اکابر علماء بڑے بڑے جلسوں میں اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے۔

علماءِ خشک کی ناقدری کا سبب

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی خیمہ پر لکھا ہو خیمۂ لیلیٰ لیکن اس میں جھانک کر دیکھا تو اندر کتا بندھا ہوا ہے تو اس خیمہ کی قدر نہ ہوگی بلکہ لوگ مذاق

اُڑائیں گے۔

اسی طرح مولوی وہ ہے جو مولیٰ والا ہو اس کے خیمۂ مخمل سے خوشبوئے مولیٰ ملنی چاہیے یعنی اس کی صحبت میں اللہ کی محبت کی خوشبو آنی چاہیے، اس کی صحبت سے اللہ کی محبت پیدا ہو اور دنیا کی محبت دل سے نکلے چنانچہ جو اللہ والے مولوی ہیں ان کی خوشبو سے ایک عالم مست ہوتا ہے ایسے ہی اللہ والے علماء سے دین پھیلا ہے اور ہمارے تمام اکابر اس کی مثال ہیں لیکن جو مولوی اللہ والوں سے مستغنی رہتے ہیں اور اپنے نفس کو نہیں مٹاتے اور عوام ان کو مولیٰ والا سمجھ کر ان کے پاس آتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ ان کے خیمہ میں تو حُبِّ دنیا اور حُبِّ جاہ کا کتا بندھا ہوا ہے اور مولیٰ ندارد، تو بہت مایوس ہوتے ہیں، آج کل عام اہلِ علم کی بے قدری اسی سبب سے ہے ورنہ جو علماء اہل اللہ کے صحبت یافتہ ہیں مخلوق آج بھی ان پر فدا ہے۔

حدیثِ دعائے صحت کی الہامی تشریح

فرمایا کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے لیے یوں دعا فرمائی ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَ حُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ وَ الْعَیْشَ بَعْدَ الْمَوْتِ﴾

(شعبُ الایمان للبیھقی)

یہ بلاغتِ کلامِ نبوت ہے کہ الفاظ کی اس ترتیب میں خاص علوم ہیں، صحت کے بعد ہر لفظ کو صحت سے خاص تعلق ہے یعنی ہر مقصد بعد صحت جو مذکور ہے صحت کا موقوف علیہ ہے چنانچہ صحت کے لیے عفت (پاکدامنی) ضروری ہے، غیر عفیف اکثر بیمار ہو جاتا ہے اور عفت کے لیے امانت ضروری ہے اور امانت نام ہے مالک کے عطا فرمودہ اعضاء اور ان کی قوتوں کو مالک کی مرضی

کے مطابق استعمال کرنا اور سب سے اہم امانت دو ہیں۔ (۱) امانت چشم، (۲) امانت صدر جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَاتُخْفِی الصُّدُوْرُ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دل کی خیانت سے باخبر ہیں۔ امانت کے خلاف استعمال کو خیانت کہتے ہیں۔ پس جو شخص امین العین اور امین الصدر ہوگا وہ اعضاء کی جملہ قوتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال کرے گا اور امانت کے خلاف استعمال سے صحت کو اس وجہ سے بھی نقصان پہنچتا ہے کہ خیانت معصیت ہے اور ہر معصیت قلب کو بے سکون کرتی ہے اور قلب کی بے سکونی صحت کو خراب کرتی ہے خواہ کتنی ہی عمدہ غذا کھائے اور امانت کے لیے حسنِ خُلق ضروری ہے مثلاً جس میں صبر ہوگا وہ شہوات خلاف شریعت کو ترک کرے گا اور قلب ونظر کو خیانت سے بچائے گا۔ پس حسن خلق سے بھی صحت کو نفع ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر مغلوب الغضب ہو یا مغلوب الشہوت ہو یا بے صبر ہو یا حریص ہو قانع نہ ہو یا توکل وغیرہ نہ ہو تو ہر خلق کی خرابی سے تشویش پیدا ہوتی ہے جو مضر صحت ہے مثلاً بے جا غضب سے ہائی بلڈ پریشر ہو کر فالج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عدم توکل اور بے صبری سے ضعف اور دورۂ قلب ہو سکتا ہے اور حسن خلق موقوف ہے رضا بالقدر پر کیونکہ جو تقدیر پر راضی ہوگا وہ مخالف حالات میں بھی راضی برضا رہے گا اور اطمینان قلب صحت کے لیے ضروری ہے اور فیصلۂ الٰہی پر راضی نہ ہونے سے دل پریشان رہتا ہے جس سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے اور کوئی غذا جسم کو نہیں لگتی یہاں تک کہ آدمی صاحب فراش ہو جاتا ہے اور اس کے بعد **العیش بعد الموت** جو فرمایا یہ رضا بالقضا کے لیے معین ہے کیونکہ جس طرح مستقبل میں وطن کی راحت کی امید پر سفر کی صعوبتوں کا تحمل آسان ہو جاتا ہے اسی طرح وطنِ اصلی کی راحت کی امید پر دنیا کی تکالیف کا تحمل آسان ہو جاتا ہے۔

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے اس تقریر کو بہت پسند فرمایا تھا اور بمبئی میں ڈاکٹروں کے اجتماع میں خطاب کرایا تھا۔

اہل اللہ جنت سے افضل ہیں

فرمایا کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ کو وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ پر مقدم فرمایا یعنی اپنے خاص بندوں کی ملاقات کو دخول جنت کی نعمت پر مقدم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ صالحین کی معیت افضل ہے جنت سے۔ پس جو اُن کی صحبت پا جائے وہ جنت سے افضل نعمت پا گیا اور اس کی جنت یہیں سے شروع ہوگئی کیونکہ جنتی (صالحین) یہاں سے ہی جاتے ہیں۔ پس جس مکان کے مکینوں کے ساتھ یہاں رہتا ہے انہی کے ساتھ جنت کے مکان میں جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ میرا شعر ہے ؎

میسر چوں مرا صحبت بجان عاشقاں آید
ہمیں بینم کہ جنت برزمین از آسمان آید

ترجمہ: جب مجھے اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی صحبت میسر آجاتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جنت آسمان سے زمین پر آگئی۔

دنیا میں لطف جنت حاصل کرنے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا ہی میں جنت کا مزہ لینا چاہے وہ مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرے:

۱۔ اہل اللہ کی صحبت

اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ کو یاء نسبتی سے اپنا فرمایا ہے فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ یہ میرے خاص بندے ہیں جو دنیا میں کسی کے نہ ہوئے نہ نفس کے نہ شیطان کے نہ معاشرے اور سوسائٹی کے بلکہ یہ صرف میرے ہو کے رہے اس

لیے ان کو یاء نسبتی سے کہہ رہا ہوں کہ یہ میرے ہیں۔ یہ بندے دنیا ہی سے تو جنت میں درآمد ہوتے ہیں اس لیے جو ان جنتی بندوں کے پاس بیٹھے گا گویا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ اچھے مکین کی صحبت اچھے مکان سے بھی افضل ہے بلکہ مکان کا لطف اچھے مکینوں سے ہے۔ اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ جنت میں دوستوں سے ملاقات ہوگی مجھے جنت کا شوق بڑھ گیا۔ حقیقت یہی ہے کہ وہاں کا ثمرۂ فادخلی دراصل یہاں کے فادخلی کا ثمرہ ہوگا یعنی جو یہاں اہل اللہ کے ساتھ رہتا ہے انہیں کے ساتھ جنت میں جائے گا، یہاں کی رفاقت وہاں کی رفاقت کا ذریعہ ہوجائے گی لیکن رفاقت کے لیے اتباع شرط ہے کہ جن کے ساتھ رہتا ہے ان کے طریقہ پر چلے جس طرح وہ گناہوں سے بچتے ہیں یہ بھی بچے، جس طرح وہ اللہ کو راضی رکھتے ہیں یہ بھی راضی رکھے، رفیق وہی ہے جو اتباع کرتا ہے، رفاقت بدون اتباع صحیح نہیں۔ صرف قرب حسی کافی نہیں۔

۲۔ التزام ذکر

دوسری بات یہ ہے کہ کسی اللہ والے کو اپنا دینی مشیر بنالیں اور ان کے مشورہ سے خلوت میں کچھ اللہ کا ذکر کرلیا کریں۔ ذکر سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے گویا دل پرنور کی پالش لگ جاتی ہے جس کے سبب حق تعالیٰ کا مرکز نور اس قلب کو اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے جس طرح قطب نما کی سوئی پر مقناطیس کی ہلکی سی پالش ہوتی ہے جس کی وجہ سے قطب شمالی کا خزانۂ مقناطیس اس کی سوئی کو اپنی طرف کھینچے رہتا ہے۔ پس التزام ذکر کو استقامت میں خاص دخل ہے حق تعالیٰ کا نور ذاکرین کے قلوب کو بوجہ نور ذکر اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے، کہ اگر ذرا بھی معصیت کی طرف میلان ہو تو دل تڑپ جائے گا جب تک توبہ کرکے حق تعالیٰ کی طرف رخ صحیح نہیں کرے گا بے چین رہے گا جیسے قطب نما کی سوئی کو اگر

شمال کی جانب سے ہٹایا جائے تو تڑپنے لگتی ہے۔

۳۔ حقوق العباد کی ادائیگی

جلوت میں حقوق العباد کا خیال رکھنا۔ کیونکہ حقوق العباد بغیر بندوں کے معاف کیے معاف نہیں ہوتے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں کہ ان سے کسی کا حق ضائع نہ ہو جس کی وجہ سے ان کے قلب میں کیف وسرور رہتا ہے۔

۴۔ اتباع شریعت

اور چوتھی بات یہ ہے کہ ہر بات کو شریعت کے مطابق کرنا، کوئی کام خلاف شریعت نہ کرنا۔

استغفار کے دو فائدے

ارشاد فرمایا کہ کلمۂ استغفار سے دو فائدے ہوتے ہیں ایک یہ کہ گناہ مٹا دیے جاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ساتھ ہی معافی مانگنے کی نیکی لکھی جاتی ہے۔

اشکِ ندامت کی کرامت

ارشاد فرمایا کہ جب آسمان پر ابر چھا جاتا ہے اور پانی سے بھاری ہو کر ابر برس جاتا ہے تو ہوائیں بادلوں کو اڑا لے جاتی ہیں اور آسمان صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں سے قلب کے آسمان پر ابرِ معصیت چھا جاتا ہے لیکن جب آنکھیں ندامت کے آنسو برساتی ہیں تو رحمت کی ہوائیں ان بادلوں کو اڑا کر دل کے آسمان کو بے غبار کر دیتی ہیں اور نورِ نسبت کا آفتاب قلب میں روشن ہو جاتا ہے جو ابرِ معصیت سے چھپ گیا تھا۔

عُجب وکبر کا علاج

ارشاد فرمایا کہ عجب وکبر کا علاج اپنے گناہوں اور عیوب کا استحضار ہے۔ جب اپنے گناہوں کا دھیان ہوگا تو اپنے کمالات پر تکبر نہ ہوگا کہ تیرے اندر تو اتنے عیوب ہیں تو اپنے کو کیا اچھا سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا تجھے کیا حق ہے، اپنے عیوب کے استحضار سے سب اس کو اپنے سے بہتر نظر آئیں گے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب سے اے دل اپنے عیبوں پر نظر پڑنے لگی
اپنے دعوائے ہنر سے شرم سی آنے لگی

تسلیم ورضا اور تسلی قلب کا عجیب مضمون

ایک صاحب جو دنیاوی تعلیم کے لیے بیرون ملک گئے تھے امتحان میں رہ جانے سے مغموم تھے۔ ان کے خط کے جواب میں حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ وظیفہ اور دعا سے مقصود حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار عرض ہے، اپنی حاجت کو پیش کرنا ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ کی مرضی پر سر تسلیم خم رکھنا اور راضی رہنا بندوں کے لیے آدابِ بندگی ہے۔ کسی ناکامی سے ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہیے، خیر اور بھلائی اور عزتوں کے عطا کرنے کے اللہ تعالیٰ کے پاس بے شمار راستے ہیں، ایک ہی راستہ پر نظر اور اصرار خلاف بندگی ہے۔

دنداں شکن جواب

ایک صاحب نے کہا کہ علماء نے امت کو فروعی مسائل میں الجھا دیا ہے انہی میں ایک فروعی مسئلہ ڈاڑھی کا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کے آپ کے کہنے کے مطابق اگر ڈاڑھی کو فروعی مسئلہ مان لیا جائے تو کیا فرع غیر ضروری ہے؟ کہنے لگے کہ جی ہاں۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے مقابلہ میں

ناک فرع ہے تو ناک کٹا لیجیے۔

معاشرہ پر غالب رہنے کی ترکیب

ارشاد فرمایا کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے تسبیح اور ندامت سے حق تعالیٰ کی رحمت حاصل کرلی اور مچھلی کو اگلنا پڑا اسی طرح معاشرہ ایسے لوگوں کو ہضم نہیں کرسکتا جو تسبیح اور ندامت کی راہ پر قائم ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کے راستہ پر ہیں اور اگر خطا معاف ہو جائے تو ندامت اور گریہ وزاری سے پھر دائرۂ رحمت میں آجاتے ہیں۔

لیکن گناہوں کا مراقبہ اور مطالعہ ضرورت اور علاج کے لیے ہے یعنی جب دل میں تکبر یا عجب پیدا ہونے لگے تو اپنے گناہوں کا ذرا سا خیال کرلیا لیکن تفصیلی مطالعہ نہ کرے کہ سابقہ گناہوں کے واقعات کو دماغ میں دہرانے لگے ورنہ یہ دوسری بیماری پیدا کردے گا اور وہ اِلْتِذَاذُ مِنَ الْمَعْصِيَةِ السَّابِقَةِ ہے یعنی نفس پچھلے گناہوں کو یاد کر کے لذت اڑانے لگے گا۔ لہٰذا ندامت کے ساتھ استغفار کر کے پھر ہر وقت گناہوں کو یاد نہ کرو۔ ہر وقت اپنے گناہوں کو سوچنا دراصل اپنا مطالعہ ہے اور ہم مطالعۂ دوست یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے پیدا ہوئے ہیں اپنے مطالعہ کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔

بندوں پر صفاتِ الٰہیہ کا ظہور

ارشاد فرمایا کہ بجلی کا بٹن دبانے سے بلب سے روشنی کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے جس اسم حسنیٰ کو پکارا جاتا ہے اس صفت کا بندہ پر ظہور ہوتا ہے۔ پس احقر عرض کرتا ہے کہ یَا حَلِيْمُ یَا کَرِيْمُ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ کا نعرہ وقتاً فوقتاً خاص توجہ واستحضار سے بلند کرتے رہیں۔ یَا حَلِيْمُ سے حق تعالیٰ کی صفت حلم کا ظہور ہوگا اور انتقام نہ لیا جائے گا، یَا کَرِيْمُ سے

صفتِ کرم کا ظہور ہوگا اور بدون استحقاق انعامات ملیں گے اور دیئے ہوئے انعام نہ چھینے جائیں گے بلکہ اضافہ ہوگا اور یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ سے مغفرت واسعہ کا ظہور ہوگا اور عظیم ترین معاصی عفو ہو جائیں گے۔

توبہ کا ایک طریقۂ دعا

ارشاد فرمایا کہ اگر گناہ ہو جائے تو ندامت کے ساتھ یوں دعا کرے:

(۱) اے مالک مجھے معاف فرما دیجیے اور مجھ پر عذاب نازل نہ فرمائیے۔

(۲) اے مالک اپنی دی ہوئی نعمتوں کو بہ سبب میری شامت اعمال مجھ سے نہ چھینئے۔

(۳) اے مالک اپنی آئندہ کی عطاؤں کو بہ سبب میری شامت اعمال نہ روکیے۔

حج وعمرہ کے متعلق خاص ہدایات

اہم نوٹ: حج وعمرہ کے احرام کی نیت کرنے کے بعد خوشبو کا استعمال ممنوع ہے۔ اس لیے ہوائی جہاز میں جو خوشبودار ٹشو پیپر دیا جاتا ہے اس کو استعمال نہ کریں۔

(۱) نظر کی خاص حفاظت کریں یعنی نامحرم عورت یا لڑکی یا لڑکے کو نہ دیکھیں۔ حرمین شریفین میں ساری دنیا کے لوگ آتے ہیں اس لیے ہر وقت اس کا خیال رکھیں کہ گوشۂ چشم سے بھی نفس بدنظری نہ کرنے پائے۔ گھر سے نکلتے وقت یہ ارادہ کر کے نکلیں کہ یہاں کسی کو نہیں دیکھنا ہے۔ دل میں بار بار اس ارادہ کی تجدید کرتے رہیں ورنہ نفس بدنظری کرا دے گا۔ دونوں حرم بین الاقوامی جگہ ہے۔ یہاں دنیا بھر کی عورتیں آتی ہیں۔ اس لیے شیطان کہتا ہے کہ ذرا دیکھ لو کہ اُردن کی عورت کیسی ہے، مراکش کی کیسی ہے، الجزائر کی کیسی ہے۔ شیطان سے

کہہ دو کہ تیری ایسی تیسی، ہرگز نہیں دیکھوں گا، مردود دور ہو جا اور امنت باللہ و رسلہ پڑھ لو، یہ گناہ کے وسوسوں کا علاج ہے۔

(۲) قلب کی حفاظت کریں یعنی دل میں گندے خیالات نہ پکائیں نہ کسی حسین کا تصور کر کے مزہ لیں نہ گذشتہ گناہوں کو یاد کر کے مزہ لیں، خیالات کا آنا برا نہیں لانا برا ہے، خیالات آجائیں تو ان میں مشغول ہو جانا برا ہے۔

(۳) جسم کو بھی کسی غیر محرم عورت یا بے ریش لڑکے (یعنی جن کی ڈاڑھی مونچھ نہ آئی ہو یا جن میں کشش ہو) کے قریب نہ رکھیں۔

(۴) فضول گوئی نہ کریں یعنی زیادہ بات چیت سے پرہیز کریں، کام سے کام رکھیں۔ طواف و تلاوت درود شریف کے پڑھنے میں وقت گذاریں اور تھک جائیں یا کمزوری محسوس کریں تو کعبہ شریف کو دیکھتے رہیں۔

(۵) کسی مسئلے میں کسی سے بحث و مباحثہ نہ کریں نہ کسی سے لڑائی جھگڑا کریں۔ اگر کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو معاف کر دیں کہ اگر زائرین ہیں تو اللہ کے مہمان ہیں اور مقامی ہیں تو درباری ہیں لہٰذا سرکار کے مہمانوں اور درباریوں دونوں کا ادب ضروری ہے اور دوکانوں پر دوکان داروں کا بھی احترام کرو کہ اللہ کے پڑوسی ہیں اور مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔

(۶) طواف کے وقت کعبہ شریف کی طرف مت دیکھیں۔ بادشاہ جس وقت مخاطب ہوتا ہے تو ایسے وقت میں بادشاہ سے نظر ملانا خلافِ ادب ہے۔

(۷) اگر کوئی نامحرم عورت نظر آجائے اور دل اس کی طرف کھینچنے لگے تو فوراً نظر ہٹا لو اور سمجھ لو کہ یہ اللہ کی مہمان ہے اس لیے میری ماں سے زیادہ محترم ہے اور اگر مدینہ منورہ میں نظر پڑ جائے تو سوچو کہ یہ اللہ کی بھی مہمان ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی مہمان ہے۔ اسی طرح کوئی لڑکا نظر آئے اور دل کھنچنے لگے تو سمجھو کہ یہ میرے باپ سے زیادہ محترم ہے کیونکہ مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کا

مہمان ہے اور مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کا بھی مہمان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی مہمان ہے۔ غرض لڑکی یا لڑکے پر نظر پڑتے ہی فوراً ہٹا لیں، ایک لمحے کو بھی پڑی نہ رہنے دیں۔

(۸) حرمین شریفین کے لوگوں سے کوئی تکلیف پہنچے تو کوئی شکایت نہ کرو، یہ سوچو کہ یہ شہزادے ہیں، ایک طواف کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں گے، ہم ان کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

(۹) کھانے میں کوئی چیز پسند نہ آئے تو شکایت نہ کرو، ایک صاحب نے شکایت کی کہ مدینہ منورہ کا دہی کھٹا ہے، ہمارے ہندوستان میں دہی میٹھا ہوتا ہے تو خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ سے نکل جاؤ۔ وہاں کی ہر چیز کو محبت، عزت اور عظمت کی نظر سے دیکھو، کسی چیز میں عیب نہ نکالو۔ ایک صاحب مدینہ منورہ کی برقع پوش کالی عورتوں سے روزانہ انڈے خریدتے تھے۔ ایک دن کچھ انڈے گندے نکل آئے تو انہوں نے انڈے خریدنا بند کردیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ برقع میں جو کالی عورتیں آتی ہیں بہت دور سے آتی ہیں، غریب ہیں، ان سے انڈے خرید لیا کرو، ان کو مایوس نہ کرو۔ یہ خواب دیکھ کر وہ بہت روئے اور پھر روزانہ بے ضرورت ان عورتوں سے انڈے خرید کر تقسیم کردیتے تھے۔

(۱۰) اپنے آپ کو خادم سمجھیں مخدوم نہ سمجھیں۔ اپنی ذات کو لوگوں کے لیے راحت کا باعث بنائیں اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں۔

(۱۱) کعبۃ اللہ پر پہلی نظر پڑے تو اللہ سے اللہ کو مانگ لو اور کہو کہ اللہ منہ تو اس قابل نہیں ہے لیکن آپ کریم ہیں نالائقوں پر بھی مہربانی کرتے ہیں۔

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلبگار تیرا

(۱۲) اگر کوئی خواب دیکھیں تو اس کا تذکرہ صرف اپنے شیخ سے کریں۔ اگر شیخ نہ ہو تو اپنے ہمدرد اور دین کی سمجھ رکھنے والے سے کریں۔ ہر ایک سے نہ کہتے پھریں۔

(۱۳) حج اور عمرہ کرنے والے اس بات کی کوشش کریں کہ ان کی ایک سانس بھی اللہ رب العزت کی نافرمانی میں نہ گذرے۔

(۱۴) کنکریاں مارنے کی نصیحت یہ ہے کہ جب مجمع کم ہو جائے ۲۰، ۲۵، ۵۰، ۶۰ آدمی رہ جائیں تب جاؤ۔ چاہے ۱۲ بجے رات میں جانا پڑے، کتابوں میں جو لکھا رہتا ہے کہ مغرب بعد مکروہ ہے اب یہ اس زمانہ میں مکروہ نہیں رہا بلکہ اب مکروہ وقت میں زیادہ ثواب ملے گا کیونکہ جان بچانا فرض ہے، اس لیے مغرب بعد یا عشاء بعد یا ۱۲ بجے رات کو جاؤ۔ جب تک صبح صادق نہ ہو اس کا وقت بلا کراہت جائز ہے۔

(۱۵) گرمیوں میں پانی کا انتظام اپنے ساتھ رکھو مثلاً تھرماس میں ٹھنڈا پانی ساتھ رکھو کہ دھوپ کی شعاعوں سے اچانک پیاس لگ جاتی ہے اور پانی نہ ملنے سے لو لگ جاتی ہے، کوئی اور بیماری آسکتی ہے لہٰذا ان چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۱۶) خواتین کے لیے بہتر یہی ہے کہ حرمین شریفین میں وہ نماز اپنے گھروں میں پڑھیں، حرم میں صرف طواف کے لیے جائیں، عورتوں کے لیے گھروں میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے یعنی ایک لاکھ کا ثواب ان کو گھر پر ہی مل جائے گا۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ سے خوب دعا مانگو، عرفات کے میدان میں دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح روضۂ مبارک پر دعا قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے، اپنے ماں باپ، اپنے خاندان کے لیے، میرے لیے دعا مانگئے۔ میں بھی دعا

کے لیے گذارش کرتا ہوں اور صلوٰۃ وسلام کا وکیل بناتا ہوں۔
(۱۸) بس چند نصیحتیں کردیں۔ باقی حج وعمرہ کے متعلق مستند عالم کی کتاب پڑھتے رہو جیسے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''احکامِ حج وعمرہ'' کو بار بار پڑھو۔
(۱۹) حالتِ احرام میں عورتوں کے لیے چہروں پر برقع نہ لگے اور وہ جو سر پر سفید کپڑا باندھتی ہیں وہ احرام نہیں ہے، وہ محض بالوں کی حفاظت ہے بعض عورتیں نادانی سے اتنا ضروری سمجھتی ہیں کہ مسح بھی اسی کپڑے کے اوپر کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ اس کپڑے کو ہٹانے سے احرام ٹوٹ جائے گا نعوذ باللہ۔ یہ بالکل جہالت، بالکل غلط بات ہے جب کوئی غیر محرم نہ ہو تو اس کو بھی اتار دو وہ کپڑا بھی کوئی ضروری نہیں ہے۔ جب وضو کرنا ہو تو اس کو ہٹا کر بالوں پر مسح وغیرہ کرنا چاہیے ورنہ وضو ہی نہ ہوگا البتہ چہرہ پر برقع کا نقاب نہ لگے اس کے لیے کوئی چیز جیسے چھوٹے لڑکوں کا ہیٹ ہوتا ہے وہ سامنے لگالیں۔ جب عمرہ ہوگیا، احرام کھل گیا بس پھر احرام کی پابندیاں ختم۔
(۲۰) عمرہ کے بعد مردوں کو سر منڈانا یا اگر بال ہوں تو ایک پور کے برابر بال کٹوانا ضروری ہے۔ عربوں کی نقل نہ کرو جو قینچی سے تھوڑے سے بال کاٹتے ہیں۔ سر منڈانے کا ثواب زیادہ ہے۔ اس سے تکبر بھی نکل جاتا ہے اور بال بال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

بس اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کا حج اور عمرہ قبول فرمائے اور اپنی رحمت سے دِکھاوے سے بچائے۔ اللہ کے لیے حج اور عمرہ کرو، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سارے حاجیوں کا حج وعمرہ قبول فرمائے اور سب حاجیوں کی دعاؤں کو عرفات کے میدان، منیٰ، مزدلفہ اور دونوں حرم کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مندرجہ بالا تعلیمات وہدایات پر عمل کی توفیق

نصیب فرمادیں بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، آمین۔

ہدایات برائے زائرینِ مدینہ منورہ

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خوب درود شریف پڑھو بلکہ جب روضۂ مبارک نظر آئے تو عاشقانہ نظروں سے دیکھو اور اس وقت میں تو یہ شعر پڑھتا ہوں۔

ڈھونڈتی تھی گنبدِ خضریٰ کو تو
دیکھ وہ ہے اے نگاہِ بے قرار
ہوشیار اے جانِ مضطر ہوشیار
آگیا شاہِ مدینہ کا دیار

یعنی جو مقام عرشِ اعظم سے افضل ہے آپ وہاں کھڑے ہوئے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ مبارک رکھا ہوا ہے اتنا ٹکڑا عرشِ اعظم سے افضل ہے وہ کوئی معمولی جگہ نہیں ہے۔اس لیے بتلا رہا ہوں تاکہ وہاں کے ادب میں کوتاہی نہ کرو اور جس کو اللہ تعالیٰ وہاں پہنچا دے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اور روضۂ مبارک پر نہایت ادب سے درمیانی آواز میں پڑھو اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللہِ، اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللہِ وغیرہ جو درود و سلام یاد ہیں خوب پڑھو کیونکہ آپ اپنی قبرِ مبارکہ میں زندہ ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔صلوٰۃ و سلام پڑھ کر یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴾

(سورۃُ النسآء، ایۃ:۶۴)

جن لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا یعنی گناہ کیا جَآءُوْکَ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کاش وہ آپ کے پاس آتے ۔ یہاں کہو کہ اے اللہ تعالیٰ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا لیکن میں آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا آپ کی توفیق و کرم سے ۔ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ اور وہ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو اے اللہ میں اس آیت پر عمل کر رہا ہوں اور آپ سے معافی چاہ رہا ہوں ۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور ان کے لیے ہمارا رسول بھی معافی چاہتا لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے ۔ یہاں کہو کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو کام میرے اختیار میں تھے، آپ کے پاس آنا اور مغفرت مانگنا تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق و کرم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگ رہا ہوں ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب آگے آپ کا کام ہے کہ میرے لیے آپ مغفرت مانگئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ پس میرے لیے مغفرت مانگنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم ہیں ۔

یا رب تو کریمی و رسولِ تو کریم
صد شکر کہ ما ایم میانِ دو کریم

یا اللہ تعالیٰ ! آپ کریم ہیں، آپ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کریم ہے، سینکڑوں بار شکر ہے کہ ہم دو کریموں کے درمیان ہیں اور درود شریف ایسی عبادت ہے کہ بیک وقت دونوں کا نام منہ سے نکلتا ہے، اللہ تعالیٰ کا نام بھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ۔ اَللّٰھُمَّ کہا تو اللہ میاں کے نام کا لڈو ملا اور صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا لڈو ملا ۔ تو درود شریف پڑھنے والا بندہ دو کریموں کے درمیان میں ہو جاتا ہے اور دو کریم کے درمیان میں جس کی کشتی ہوگی وہ ان شاء اللہ تعالیٰ کیسے ڈوبے گی؟ پھر وہاں یہ دعا کرو کیونکہ روضۂ مبارک میں جو درود و سلام پڑھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے

ہیں۔ کہو کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، اے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ، آپ سارے عالم کے لیے رحمت ہیں اور میں آپ کا ایک ادنیٰ امتی ہوں ، ادنیٰ امتی ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتا ہوں کیونکہ آپ کریم ہیں کہ اپنا دستِ کرم میری طرف بڑھائیے اور میرے لیے مغفرت مانگ کر وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ کا جز پورا کر دیجیے یعنی اللہ تعالیٰ سے میرے لیے مغفرت کی درخواست کر دیجیے۔ اس کے بعد خوب دیر تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو، لیکن ہاتھ اٹھا کر نہیں ہاتھ گرائے ہوں ، کسی قبر پر حتیٰ کہ روضۂ مبارک پر بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز نہیں کیونکہ لوگوں کو غلط فہمی ہوگی کہ نعوذ باللہ صاحبِ قبر سے مانگ رہے ہیں۔ اگر ہاتھ اُٹھانا ہوں تو کعبہ شریف کی طرف منہ کرلو۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں خوب دعائیں مانگتے تھے اور ہجوم میں خوب دھکے بھی کھاتے اور خوب مزہ لیتے تھے۔ ایسے دھکے کہاں ملتے ہیں جو بیڑا پار کر دیں ، وہاں کا تو دھکا بھی پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا عاشق کس طرح دھکے کھا رہا ہے؟ بھلا ان کو رحم نہ آئے گا؟ وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خوب بارش ہوتی ہے لہٰذا روضۂ مبارک پر اللہ تعالیٰ سے خوب مانگو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں اپنے استاد حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جاتا ہوں لیکن صاحبِ قبر سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں کہ اے خدا! یہ میرا استاد یہاں آرام فرما ہے اس کی برکت سے میری دعا قبول فرمائیے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے میری کبھی کوئی دعا رد نہیں ہوئی تو یہ بتاؤ کہ جن پر ایمان لانے سے اور جن کی غلامی سے وہ امام ابو حنیفہ بنے ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر کتنی

دعا قبول ہوگی۔ اس لیے وہاں پر خوب مانگو۔ اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں آج میری ساری دعائیں قبول فرمالیجیے اور اپنے لیے، والدین کے لیے، اپنے دوست احباب کے لیے بھی اور اپنی مسجد کے مصلیوں کے لیے بھی، خانقاہ کے لوگوں کے لیے، سارے عالم کے مسلمانوں کے لیے یہاں تک کہ کافروں کے لیے بھی دعا کرو کہ اے خدا! اہلِ کفر کو اہلِ ایمان بنادے اور اہلِ ایمان کو اہلِ تقویٰ بنادے اور اہلِ بلا کو اہلِ عافیت کردے اور اہلِ مرض کو اہلِ صحت کردے اور اہلِ جہل کو اہلِ علم کردے، اہلِ دکھ کو اہلِ سکھ بنادے۔ آخر میں یہ کہو کہ چیونٹیوں پر رحم کردے بلوں میں اور مچھلیوں پر رحم کردے دریاؤں میں اور سمندروں میں اور درندوں پر رحم فرمادے جنگلوں میں اور پرندوں پر رحم فرمادے فضاؤں میں۔ سارا عالم آ گیا، سارے عالم پر رحمت مانگنا اپنے کو رحمت کا مستحق بنانا ہے اور یہ دعا کوئی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ اس کو ابدال کا درجہ دے دیں گے اور اس کی برکت سے دعا بھی قبول ہوجاتی ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاغْفِرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم﴾

اے اللہ تعالیٰ! مجھے بخش دے اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بخش دے۔

﴿اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم﴾

اے اللہ تعالیٰ! مجھ پر رحم فرمادے اور پوری امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرمادے۔

﴿اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ وَاھْدِ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم﴾

اے اللہ تعالیٰ! مجھے ہدایت دیجیے اور پوری امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دیجیے۔

﴿اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ وَعَافِ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم﴾
اے اللہ تعالیٰ! مجھے عافیت سے رکھ اور پوری امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عافیت سے رکھیے۔

تمام اُمت کے لیے مانگو اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجدِ نبوی میں خوب درود شریف پڑھو۔ وہاں کے لوگوں کا بھی ادب کرو۔ اگر کوئی آپ سے بدتمیزی کردے کوئی دھکا ماردے یا کوئی تکلیف پہنچ جائے اُف نہ کرنا۔ کیونکہ وہ درباری لوگ ہیں، آپ مہمانِ سرکار ہیں، وہ اہلِ دربار ہیں لہٰذا اُن کو چاہیے کہ وہ مہمانِ سرکار کا اکرام کریں مگر آپ اہلِ دربار کا اکرام کریں۔ اپنی اپنی ڈیوٹی اپنے اپنے ساتھ رکھیں۔ اگر ان سے کوتاہی ہوجائے تو آپ اہلِ دربار کے ادب میں کمی مت کریں اور ان کے بارے میں زبان کو خاموش رکھیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ منورہ میں یہ کہہ دیا کہ یہاں کا دہی کھٹا ہے اور ہمارے ہندوستان کا دہی میٹھا ہے۔ اسی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ چھوڑ دو فوراً واپس جاؤ تمہیں ہندوستان کا دہی اچھا لگتا ہے، ہمارے شہر کا دہی اچھا نہیں لگتا تو کیوں آیا یہاں پر نالائق؟ بہت روئے مگر کام نہیں بنا۔ بے ادبی بڑی خطرناک چیز ہے۔ اس لیے وہاں کی کسی چیز کو کچھ مت کہو۔ جتنے لوگ ہیں وہاں ان کو اِکرام اور پیار کی نظر سے دیکھو۔ اوّل تو دیکھو ہی نہیں اپنے کام سے کام رکھو۔ اور مکہ شریف میں جب کعبہ شریف کو دیکھو تو سوچو کہ اس کعبہ شریف کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک جہاں پڑی تھی آج میری نظر بھی وہیں پڑ رہی ہے۔ اپنی قسمت پر کتنا شکر کروں کہ اس طرح بالواسطہ نگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہورہی ہے۔ ملتزم پر تصور کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک یہاں

چپکا ہے، قسمت سے آج میرا سینہ بھی وہاں لگ رہا ہے۔ مکہ شریف اور مدینہ شریف میں چاند بھی دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہیں سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو دیکھا تھا، چاند کے جس حصے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک پڑی تھی، ہم بھی وہاں اپنی نظر ڈال دیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نظر سے بالواسطہ نظر مل جائے۔ مطاف میں سوچو کہ تمام پیغمبر علیہم السلام یہاں چلے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک بھی وہاں چلے ہیں اور کتنے ولی اللہ وہاں چلے ہیں اور سوچو کہ اس کعبہ کے بالکل اوپر آسمانوں میں بیت المعمور ہے، ہر روز ستر ہزار فرشتے جس کا طواف کرتے ہیں اور ایک طواف کے بعد قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

اور بیت اللہ کے طواف میں جو دعائیں پڑھیں، ساتھ میں میرا یہ شعر بھی پڑھو جو محبت کو تیز کردیتا ہے ؎

کہاں یہ میری قسمت یہ طواف تیرے گھر کا
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

یہ شعر پڑھتے ہوئے خالی گھر کو مت دیکھو، صاحبِ گھر کا بھی تصور کرو کہ صاحبِ خانہ سامنے ہے۔ حدودِ حرم شروع ہوتے ہی ایک دعا ہے کہ یا اللہ! ہم حدودِ حرم میں داخل ہو رہے ہیں اس کی برکت سے آپ ہم پر جہنم کی آگ حرام کردیجیے۔ کتاب کو ضرور ساتھ رکھیں کیونکہ انسان بھول جاتا ہے۔ حرم میں داخلہ کے وقت اس شعر میں تھوڑی سی ترمیم کرلو ؎

کہاں یہ میری قسمت یہ حاضری حرم کی
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

اور حرمِ مدینہ میں داخل ہوتے وقت مسنون دعا پڑھ کر اس شعر کو یوں پڑھو ؎

کہاں یہ میری قسمت یہ حاضری مدینہ
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

اور مدینہ میں روضۂ مبارک میں حاضری کے وقت یوں کہو

کہاں یہ میری قسمت یہ روضۂ مبارک
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

جہاں جاؤ اس شعر کو فٹ کرلو۔ وہاں کی ساری نعمتوں پر سارے مقدس مقامات منیٰ، عرفات، مزدلفہ وغیرہ پر فٹ کرلو۔ وزن گرے نہ گرے فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ اس کے معنیٰ سے باخبر ہیں۔ بس رِیا سے بچے رہنا، رِیا سے بچنا بہت ضروری ہے۔

مکہ شریف میں اگر موقع ہو بھیڑ نہ ہو تو ملتزم پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس طرح سینہ لگادو جیسے کوئی چپک کر رورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون مہربان ہے۔ خوب دعا کرو لکھا ہے کہ وہاں کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ اور جب اپنے ملکوں میں واپس آجاؤ اور اہلِ مکہ کو خط لکھو تو ان سے یوں گذارش کرو

اے ساکنانِ مکہ مجھ کو بھی یاد رکھنا
اک دور اُفتادہ فریاد کررہا ہے

ہدایات ونصائح برائے خلفائے مجازین وجملہ احباب

(۱) تمام مجازین ہر ماہ کسی مقام پر اجتماع کر کے ایک دوسرے کی ملاقات اور فکر اصلاح کے طریقے پر غور کریں۔

(۲) تواضع اور فنائیت کا اہتمام اور ہر شخص خود کو جملہ مسلمانوں سے کمتر فی الحال اور حیوانات اور کفار سے فی المآل کمتر سمجھے۔

(۳) کھلم کھلا ارتکاب کبائر کے مرتکب کی خلافت منسوخ سمجھی جاوے گی مثلاً گھر میں ٹیلیویژن کا استعمال یا اپنی بیوی کو بے پردہ بازاروں میں پھرانا، یا

دکان میں دوکانداری کے لیے بٹھانا، ایسے اعمال سے اس کی خلافت منسوخ سمجھی جاوے گی اور فہرست مجازین سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا۔

(۴) جس کو جہاں اور جس خلیفہ سے مناسبت ہو اس کو وہاں شرکت کی بہ طیب خاطر اور بدون شکایت اجازت دینا علامت اخلاص ہوگی اور مریدوں کو بدون مناسبت اپنی طرف کھینچنے کی کوشش حب جاہ اور عدم اخلاص کی علامت ہے۔

(۵) آپس میں اتحاد اور محبت اور تواضع سے ملاقات کرنا اور اپنے کو مٹانا خلاصۂ تصوف اور حاصلِ طریق ہے۔

(۶) خلافت کو اپنی اصلاح کا ذریعہ سمجھیں، اس کو اپنے لیے صاحب کمال ہونے کی دلیل سمجھنا سخت نادانی ہے۔

(۷) ذکر و مجلس تعلیم و تربیت کا اہتمام اپنی بستی میں لازم ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ کی محبت اور ایمان کا نقطۂ آغاز لا الٰہ سے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ الٰــہ کی تینوں قسموں سے قلب کی طہارت کے بدون الا اللہ کی تجلیات خاصہ سے قلب متجلی نہ ہوگا۔ اور الٰہ حجری سے بچنا تو ہر مومن کا عمل ہوتا ہے لیکن الٰــہ جاہی اور الٰــہ باہی سے طہارتِ قلب تزکیۂ نفس کے لیے لازم ہے۔ جاہ سے مراد تکبر اور غضب اور غیبت ہے، الٰہ باہی سے مراد بدنظری اور دل میں شہوت کا خیال لانا اور پردہ شرعی نہ کرنا، فلمی گانے اور موسیقی سننا یا خواتین کو نوکر رکھنا اور بے پردہ ان سے اختلاط یا بے ریش حسین لڑکوں سے اختلاط اور ان سے پیر دبوانا وغیرہ ہے۔ دلیل یہ ہے اَفَرَأَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ

(۹) آپس میں ملاقات سے اجتناب اور اور تنافر و تحاسد و غیبت اور بتاغض یہ علامتِ حیاتِ نفس اور حب جاہ ہے اس لیے ذوق جنتی پیدا کیجیے۔ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبَادِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ اہل اللہ سے ملاقات کو دخولِ جنت سے اول اور

مقدم فرمانا دلیل ہے کہ اہل اللہ سے ملاقات دخول جنت سے افضل ہے کیونکہ اہل جنت مکین ہیں اور جنت مکان ہے اور مکان سے مکین افضل ہوتا ہے۔ یہ تحقیق میرے مرشد اول شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ امام شافعی کا یہ قول بھی میرے شیخ شاہ عبدالغنی پھولپوری نقل فرمایا کرتے تھے کہ جب سے خبر ملی کہ جنت میں دوستوں سے ملاقات ہوگی مجھ کو جنت کا شوق بڑھ گیا۔

(۱۰) ہر سانس حق تعالیٰ کی رضا کے اعمال پر فدا کرنا اور ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی و قہر کے اعمال میں استعمال نہ کرنا روح اسلام اور روح ایمان ہے اور یہ نعمت احسان کے صدقہ میں ملتی ہے لہٰذا کیفیتِ احسانی اہل اللہ کے سینہ سے حاصل کرنے کی فکر ضروری ہے اور ذکر کا دوام اور صحبت اہل اللہ کا اہتمام اور معاصی سے اجتناب کا التزام احسانی کیفیت کے حصول کا قوی ذریعہ ہے۔

(۱۱) تبلیغی جماعت پر تنقید و تنقیص نہ کی جائے اور جو حضرات تبلیغی کام سے منسلک ہیں ان کو بھی دین کا خادم سمجھ کر ان کا اکرام کیا جائے۔

(۱۲) ہر مسلک کے اہل حق مشایخ کا اکرام و احترام کیا جائے اور گروہ بندی سے سخت احتراز کیا جائے کیونکہ افتراق دین کے لیے سخت مضر ہے۔ امت کو جوڑنے کی ہر دم فکر ہو۔ اختلاف و افتراق سے سخت گریز کیا جائے۔

(۱۳) خاندان و برادری کی شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات کی غیر شرعی رسومات کو روکنے کی اگر قدرت نہ ہو تو ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ان تقریبات میں خود ہرگز ہرگز شرکت نہ کریں۔ لَا یَجُوْزُ الْحُضُوْرُ عِنْدَ مَجْلِسٍ فِیْهِ الْمَحْظُوْرُ

(۱۴) ہر خلیفہ یہ سمجھ لے کہ خلافت بوجہ استعداد نہیں دی گئی بلکہ برائے استعداد دی گئی ہے۔ بعض لوگوں کی اصلاح خلافت پر موقوف ہوتی ہے اسی وجہ

سے شیخ خلافت دے دیتا ہے جس طرح مستقبل کی صلاحیتوں کی امید پر میزان پڑھنے والے کو مولوی صاحب کہہ دیا جاتا ہے۔

(۱۵) غیب کا علم صرف اللہ کو ہے، میں تو صرف ظاہری حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتے ہوئے خلافت دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے روزانہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ تعالیٰ جس کو بھی میں نے اجازت دی ہے آپ اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنائیے اور اخلاص نصیب فرما کر اس سے خوب کام لیجیے اور صاحبِ نسبتِ لازمہ بھی بنائیے اور صاحبِ نسبتِ متعدیہ بھی بنائیے اور اولیائے صدیقین کی منتہیٰ تک پہنچائیے۔

آہ جائے گی نہ میری رائیگاں
تجھ سے ہے فریاد اے رب جہاں

اور الحمدللہ میں اپنی آہ وزاری کے ثمرات دیکھ رہا ہوں۔

(۱۶) کوئی خلیفہ خود کو اہم شخصیت سمجھ کر عام مسلمانوں کو حقیر نہ سمجھے بلکہ گنہگار مسلمانوں کے بارے میں یہ سوچے کہ ممکن ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی ایسا عمل ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہو اور قیامت کے دن اس کی معافی ہو جائے اور ممکن ہے میری کوئی ایسی غلطی اور گناہ ہو جس کی وجہ سے نیکیاں برباد ہو جائیں۔ بس اس احتمال کو سوچا کرے اور ڈرتا رہے۔

گناہوں سے روکنا واجب ہے لیکن گنہگار کو حقیر سمجھنا حرام ہے، اور کافروں کے حق میں سوچے کہ ممکن ہے اس کو موت سے قبل ایمان نصیب ہو جائے اور اپنے برے خاتمہ کا خوف کرے۔ اس طرح عُجب سے اور کبر سے بچ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہر خلیفہ کے لیے یہ مراقبہ ضروری ہے خاص طور پر ان خلفاء کے لیے جو اہل علم ہیں۔

(۱۷) ریا کاری وہ ہے کہ کسی عمل کو لوگوں کو دکھانے اور ان کو اپنا معتقد بنانے کے لیے کرے۔ اگر یہ نیت نہ ہو اور لوگوں پر ظاہر ہو جائے تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔ شیخ کے سامنے عمدہ عمل کرنے کو بھی اخلاص میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ شیخ سے تعلق کا مقصد اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ہے، بس جس نے شیخ کا دل خوش کرنے کے لیے عمدہ نماز پڑھی یا عمدہ تلاوت کی تو یہ بھی لوجہ اللہ تعالیٰ شمار ہوگا، اس کی دلیل حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی رات کو نماز تہجد میں تلاوت کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہے۔ صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرمائی کہ تم نے بہت عمدہ تلاوت کی تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو گئے، ان سے یہ نہیں فرمایا مجھے سنانے کے لیے اچھا پڑھنا اخلاص کے خلاف ہے۔

(۱۸) جن لوگوں نے شیخ کی صحبت زیادہ اٹھائی ہے ان کو اتنا ہی زیادہ فیض ملا ہے اور آگے ان کا فیض بھی زیادہ ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۹) ہر اچھی صفت اور خوبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے اپنا کمال نہ سمجھے، اپنے اعمال کو اور اپنے آپ کو اچھا نہ سمجھے، یہ کافروں کا طریقہ ہے کہ وہ خود کو اچھا سمجھتے ہیں۔

(۲۰) جس کو خلافت دی ہے اگر وہ دین کا کام نہ کرے گا تو اس کا تعلق مع اللہ دن بدن کمزور ہوتا چلا جائے گا اور اگر کوئی خلیفہ یوں کہے کہ میرے اندر صلاحیت نہیں ہے تو سمجھ لو کہ تمہاری صلاحیت دیکھ کر میں نے خلافت نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھتے ہوئے خلافت دی ہے کیونکہ جو شخص یہ کہے کہ میری صلاحیت کی بناء پر خلافت ملی ہے تو وہ خود کو نیک سمجھ رہا ہے۔ جبکہ نیک بننا

تو فرض ہے لیکن خود کو نیک سمجھنا حرام ہے، ہمیشہ یوں سمجھے کہ میری اصلاح نہیں ہو رہی تھی اس وجہ سے شیخ نے خلافت دے دی تا کہ میں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔

(۲۱) شیخ بننے کے بعد اپنے شیخ کی مجلس کی حاضری نہ چھوڑ دے اور خود کو اپنے شیخ سے مستغنی نہ سمجھے۔

(۲۲) مجلس کا وقت متعین کر کے اس وقت کتاب پڑھنے کا معمول بنائے اگر لوگوں کی توجہ نہ ہو اور حاضرین کم ہوں یا شروع میں کوئی نہ ہو تو پرواہ نہ کرے بلکہ سنت کے مطابق کام کرے اور خود تقویٰ کے ساتھ رہے، قلوب کو متوجہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

(۲۳) اگر کوئی شخص مذاق اڑائے یا طعنہ دے یا ستائے یا ماضی کی کوئی خطا یاد دلائے تو اس کی فکر میں نہ پڑے بلکہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھے، اور ستانے والوں کے بارے میں یہ سوچے کہ ان کے ستانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت مجھ سے ادا ہو رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دین کا کام کرنے کی وجہ سے بہت ستایا گیا۔

(۲۴) اپنے وعظ میں بار بار اپنے شیخ کا تذکرہ کرے اور اپنے شیخ کی باتیں نام لے کر بیان کرے جو لوگ ایسا نہیں کرتے ان کے سلسلہ میں برکت نہیں ہوتی، اور ان کے مریدین بھی ان کی قدر نہیں کرتے۔

(۲۵) اس بات کو بار بار بیان کرے کہ میں کچھ نہیں تھا شیخ کی برکت سے یہ علوم حاصل ہوئے اور آج جو لوگ مجھ سے استفادہ کرتے ہیں اور میری طرف رجوع کرتے ہیں اور اکرام کرتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو شیخ کی برکت سے ملا ہے۔

(۲۶) لوگوں کی زبان سے اپنی تعریف سن کر خود کو بڑا نہ سمجھے بلکہ اچھی طرح

سمجھ لے کہ بندوں کی تعریف سے بندے کی قیمت نہیں بڑھتی بلکہ جب مولیٰ تعریف کرے تو قیمت بڑھتی ہے، جب اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں فرماویں کہ اے میرے بندے میں تجھ سے راضی ہوں تب تم واقعی قیمتی ہو گے لہٰذا قیامت سے قبل اپنی قیمت خود نہ لگاؤ، اور اس بات کو سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے عیوب ان بندوں سے چھپا رکھے ہیں ورنہ یہ سب مجھ سے نفرت کرتے۔

(۲۷) اپنے معاصرین میں سے کسی کی دینی خدمات اور لوگوں میں مقبولیت دیکھ کر اگر دل میں حسد محسوس ہو تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ اس کو مزید ترقی عطا فرما اور اس کو اپنا ولی بنالے اور قطب کا مرتبہ عطا فرما دے اس طرح حسد کا علاج ہو جائے گا۔

اصلاح نفس کا مختصر راستہ

۱) حسب استعداد اپنی قوت اور نشاط کا لحاظ رکھتے ہوئے ذکر اللہ کا اہتمام کرے۔ کلمہ طیبہ سو مرتبہ اس طرح کہ آٹھ دس مرتبہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے۔

۲) سو مرتبہ درود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ پڑھے۔

۳) سو مرتبہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ پڑھے، اور جب کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرنے میں تاخیر نہ کرے بلکہ روزانہ صلوٰۃ توبہ پڑھ کر تمام چھوٹے بڑے گناہوں کی معافی مانگنے کا معمول بنالیں، اس کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ سے تعلق قوی تر ہوتا چلا جائے گا اور گناہوں سے نفرت ہو جائے گی۔

۴) نماز کی ادائیگی میں سستی ہرگز نہ کرے۔

۵) اور نامحرم بے پردہ عورتوں اور بے ریش لڑکوں پر نظر نہ ڈالے اس طرح

قلب کی حفاظت ہوگی اور تقویٰ کا نور حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح کرنے کے لیے ان پانچ باتوں پر عمل کرنا بہت ہی مفید ثابت ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ جس کا جی چاہے تجربہ کرلے۔

تین باتیں اصلاح معاشرت کے لیے

۱) اس بات کا دھیان رکھیں کہ میری زبان سے یا میرے ہاتھ سے کسی بھی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے خاص طور پر گھر والوں اور قریبی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کریں۔

۲) کسی بھی مسلمان کی تکلیف پر ہرگز خوش نہ ہوں اور کسی مسلمان کو اچھے حال میں دیکھ کر ہرگز حسد نہ کریں بلکہ خیر و برکت کی دعا دیں، کینہ اور بغض سے اپنے دل کو پاک رکھے۔

۳) کسی کا کوئی مالی حق اپنے ذمہ ہوتو ادائیگی کی فکر اور پورا اہتمام کرے، اگر وقتی طور پر انتظام نہ ہوتو مہلت طلب کرلیں۔

اور آخر میں عرض ہے کہ فضل و رحمت خداوندی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا لہٰذا اختیار اسباب کے ساتھ روزانہ دو رکعت حاجت پڑھ کر وَلَوْلاَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَى مِنكُمْ مِنْ اَحَدٍ اَبَدًا کی آیت کا واسطہ دے کر حق تعالیٰ شانہ سے اس فضل و رحمت کی الحاح سے درخواست کیا کرے جو تزکیۂ نفس کی حقیقی بنیاد ہے اور استقامت علی الدین اور اصلاح نفس کی خوب الحاح سے دعا کرے۔

وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيبُ

محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہٗ

۱۷/ ذوقعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۶/ اپریل ۱۹۹۵ء

اصلاحِ نفس کا آسان ترین نسخہ

ارشاد فرمایا کہ جو مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرے گا ان شاء اللہ

اس کے نفس کی مکمل اصلاح ہوجائے گی۔ اصلاحِ نفس کا یہ آسان ترین نسخہ ہے۔

(۱) نواب قیصر صاحب جو حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مرید ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں اس مجلس میں موجود تھا جب خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم الامت سے سوال کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ تو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جنہوں نے اپنے دل میں اللہ کی محبت حاصل کرلی ہے ان کے جوتوں میں پڑ جاؤ یعنی نفس کو مٹا دو اور نفس کو مٹانے کی نیت ہی سے ان کے پاس جاؤ، جو وہ بتلائیں وہ کرو، جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا۔

قال را بگذار مردِ حال شو

پیشِ مردِ کاملے پامال شو

یعنی قیل وقال کو چھوڑو، مردِ حال بنو اور کیسے بنو گے؟ کسی مردِ کامل یعنی اللہ والے کے سامنے اپنے نفس کو پامال کردو۔ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی پڑھاتے ہوئے اس شعر کی شرح میں مجھ سے فرمایا تھا کہ مال مالیدن سے ہے، مالیدن معنی مَلنا، اسی لیے مَلی ہوئی روٹی کو ملیدہ کہتے ہیں یعنی اپنے نفس کو ملیدہ بنوالو، پامال کردو۔ اسی کو حکیم الامت نے فرمایا کہ اللہ والوں کے جوتوں میں پڑ جاؤ۔

ایک بار خواجہ صاحب نے پوچھا کہ کیا ذکر اللہ میں یہ تاثیر نہیں ہے کہ وہ ہمیں اللہ تک پہنچا دے، پھر اہل اللہ کی صحبت کی شرط کیوں لگائی جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کاٹ تو تلوار ہی کرتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ سپاہی کے ہاتھ میں ہو۔ اسی طرح اللہ تک ذکر ہی پہنچاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اہل اللہ کے مشورہ سے ہو۔

(۲) میں نے اپنے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ

مجھے آپ کی محبت بے انتہا محسوس ہوتی ہے تو میرے شیخ نے لکھا کہ محبت شیخ تمام مقامات کی مفتاح ہے یعنی اللہ کے راستہ کے تمام مقاماتِ قرب کی کنجی ہے۔ کنجی جتنی اچھی ہوتی ہے اتنی ہی جلدی تالہ کھلتا ہے اور کنجی جتنی خراب اور گھسے ہوئے دندانے والی ہوگی تالہ اتنی ہی مشکل سے کھلے گا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت بقدر شیخ کی محبت کے عطا ہوتی ہے۔ جتنی زیادہ شیخ کی محبت ہوگی اتنی زیادہ اللہ کی محبت عطا ہوگی۔ اگر شیخ سے تعلق ڈھیلا ڈھالا ہوگا تو اس کے دل میں اللہ کا تعلق بھی ڈھیلا ڈھالا ہوگا۔ تاریخ میں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ شیخ سے کسی کا تعلق ڈھیلا ڈھالا رہا ہو اور اس کو اللہ کی محبت کا عظیم خزانہ مل گیا ہو۔

(۳) اپنے کو سب سے کمتر سمجھو اور سب کو اپنے سے بہتر سمجھو۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تمام مسلمانوں سے اپنے کو کمتر سمجھتا ہوں فی الحال اور کافروں اور جانوروں سے کمتر سمجھتا ہوں فی المآل یعنی انجام کے اعتبار سے ہر مسلمان کو فی الحال یعنی موجودہ حالت میں خواہ گناہ کی حالت میں ہو اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں کیونکہ ممکن ہے کسی گنہگار مسلمان کا، کسی جاہل گنوار مسلمان کا کوئی عمل مقبول ہوگیا ہو اور قیامت کے دن اس کی معافی ہو جائے اور میرا کوئی عمل نامقبول ہوگیا ہو اور سارا علم و عمل بے کار ہو جائے اور کافروں اور جانوروں سے کمتر سمجھتا ہوں انجام کے اعتبار سے کیونکہ معلوم نہیں میرا خاتمہ کیسا لکھا ہے۔ اگر خاتمہ خراب ہوگیا تو جانور بھی ہم سے بہتر ہیں کیونکہ ان سے حساب نہیں لیا جائے گا اور کافر کا بھی خاتمہ ایمان پر ہوگیا تو زندگی بھر کا کفر معاف ہو جائے گا اور جنت میں جائے گا لہٰذا اپنا حقیر ہونا کوئی ظنی، وہمی اور خیالی بات نہیں حقیقت ہے اور عقل کی بات ہے اور خود کو بہتر سمجھنا حماقت اور بے وقوفی ہے۔ لہٰذا صبح و شام یہ جملہ کہہ لیا کرو کہ یا اللہ! میں تمام مسلمانوں سے کمتر ہوں فی الحال اور کافروں اور جانوروں سے کمتر ہوں فی المآل۔

اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ تکبر سے حفاظت رہے گی اور تکبر سے حفاظت مردودیت سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

(۴) جب نفس میں بدنظری کا تقاضا ہو یا کسی گناہ کو دل چاہے تو آئینہ میں اپنی صورت دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی صورت عطا فرمائی ہے، اللہ والوں کی صورت دی ہے پھر غور کرو کہ کیا یہ کرتوت اس صورت کو زیب دیتے ہیں اور نفس سے کہو کہ او کمینے، خبیث! شرم نہیں آتی، تو صورتِ بایزید میں کارِ یزید کرنا چاہتا ہے۔ بایزید بسطامی کی صورت میں کارِ شیطانی کرنا چاہتا ہے، تجھ پر ہزار بار تُف ہے اور آئینہ دیکھ کر یہ مسنون دعا بھی پڑھو اَللّٰھُمَّ اَنْتَ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ اے اللہ! آپ نے جیسے میری صورت حسین بنائی میرے اخلاق بھی حسین کر دیجئے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ مَنْ حَسَّنَ اللّٰہُ خَلْقَهٗ فَلَا یَسْتَوِّھُهٗ بِالْمَعْصِیَةِ حسن کا شکر یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حسین پیدا کیا وہ اپنے حسن کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے۔

(۵) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ تم سے کوئی نیکی ہوجائے، کوئی اچھا کام ہو جائے، کوئی تصنیف وتالیف ہو جائے، اہل اللہ کی خدمت میں جانے کی توفیق ہو جائے، گناہوں سے بچنے کی توفیق ہو جائے غرض کوئی بھی حسنہ، کوئی بھی نیکی ہو جائے تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھنا، وہ اللہ کی عطا ہے۔ ببول کے درخت پر اگر پھول نکل آئے تو وہ ببول کا کمال نہیں ہے کیونکہ ببول میں کانٹے ہی پیدا ہوتے ہیں، اگر اس میں پھول نکل رہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اسی طرح ہماری تخلیق مَاءٍ مَّھِیْن سے، باپ کی منی اور ماں کے حیض کے گندے خون سے ہوئی ہے پس گندے اعمال کا صدور ہونا ہماری فطرت سے بعید نہیں لیکن اگر نیک اعمال صادر ہو رہے ہیں تو یہ

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اللہ کی عطا ہے، ہمارا کمال نہیں۔ اگر مٹی چمک رہی ہے تو یہ مٹی کا کمال نہیں، سورج کی شعاعوں کا کمال ہے۔ اگر سورج اپنی شعاعیں ہٹالے تو مٹی بے نور ہے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تکبر و خود بینی کا علاج فرمایا ہے کہ اپنی کسی نیکی کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھنا، یہ ہماری عطا ہے، ہماری توفیق ہے، ہماری مدد ہے، جیسے باپ بچہ کا ہاتھ پکڑ کر کاغذ پر لکھوادیتا ہے پھر کہتا ہے کہ بیٹا تم نے تو بہت اچھا لکھا ہے بس یہی حال ہماری نیکیوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود توفیق دیتے ہیں پھر اس کو ہماری طرف منسوب کر کے قبول فرمالیتے ہیں، یہ کرم بالائے کرم ہے۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن جو جزا ملے گی وہ بھی دراصل عطا ہے اسی کو فرمایا جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا پس جو نیکی ہو رہی ہے، ان کی یاد کی جو توفیق ہو رہی ہے یہ سب ان ہی کی عطا ہے ہمارا کمال نہیں؎

محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی
جسے خود یار نے چاہا اُسی کو یادِ یار آئی

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ کہ جو برائی تم کو پہنچتی ہے اسے اللہ کی طرف سے مت سمجھ لینا۔ اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں دیتے، برائی کی نسبت ان کی طرف کرنا کفر ہے، پس جو کچھ برائی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی خباثت، شرارت، حرارت اور جسارت ہے۔ پس ہر اچھائی اللہ کی عطا ہے اور ہر برائی نفس کی خطا ہے۔ بندہ عطا پر شکر اور خطا پر استغفار کرتا رہے۔ جو عطا اور خطا کے درمیان رہے گا اس کی بندگی کا زاویہ قائمہ صحیح رہے گا اور مردودیت سے محفوظ رہے گا۔

(۶) ہماری کوئی دینی خدمت، کوئی تقریر و تحریر، کوئی تصنیف و تالیف، ہماری کوئی شانِ بندگی اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اور ہم محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمتیں لامتناہی، غیر محدود

ہیں اور ہماری بندگی محدود ہے تو محدود، غیر محدود کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے؟ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ﴾

(تفسیر ابی سعود)

اے اللہ! آپ کی معرفت کا حق مجھ سے ادا نہیں ہو سکا، اے اللہ! آپ کی عبادت کا حق مجھ سے ادا نہیں ہو سکا۔ آہ! پھر ہم کس گنتی میں ہیں؟ ہماری تقریر و تحریر، ہماری تصنیف و تالیف کی کیا حقیقت ہے؟ اگر اپنی تصنیف و تالیف پر نظر جائے کہ میں نے بڑی کتابیں لکھ دیں تو ان آیات کا مراقبہ کرو، سب نشہ اُتر جائے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾

(سورۃ لقمان، اٰیۃ:۲۷)

اگر ساری زمین کے درخت قلم بنا دیئے جائیں اور اس سمندر کے ساتھ اس جیسے سات سمندر اور ملا کر ان کی روشنائی بنا دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلمات، اس کی صفات، اس کی حمد و ثناء، اس کی خوبیاں، اس کی تعریف ختم نہیں ہو سکتی۔ سمندروں کی روشنائی اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم ختم ہو جائیں گے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات سمندر جو فرمایا تو وہ حصر کے لیے نہیں ہے بلکہ سمجھانے کے لیے ہے ورنہ سات سمندر کیا سات ہزار سمندر بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو لکھنے کے لیے ناکافی ہیں لہٰذا اپنی تصنیف و تالیف کو زیادہ اہمیت مت دو۔ اس حیثیت سے کہ اللہ کی عطا ہے اس کو وقعت سے دیکھو اور شکر کرو لیکن اس حیثیت سے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، میں نے یہ مضمون لکھا ہے یہ قابلِ معافی، قابلِ استغفار ہے کیونکہ اس کی عطا کامل اور اس کی خوبیاں غیر محدود ہیں اور

ہماری محنت محدود اور ناقص ہے۔ ناقص کو وہ قبول فرمالیں تو ان کا کرم ہے۔ وہ قبول فرمالیں تو ہم فقیروں کا کام بن جائے۔ اس لیے یوں دعا کرو کہ اے اللہ! میری تقریر وتحریر، میری تصنیف وتالیف، میری کسی دینی خدمت سے آپ کی عظمتوں کا حق ادا نہیں ہوسکا اس لیے معاف فرما کر قبول فرما لیجئے۔

(۷) چار اعمال ایسے ہیں کہ جو ان پر عمل کرلے گا میرا پچھتر سال کا تجربہ ہے کہ پورے دین پر چلنا اس کو آسان ہو جائے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ولی اللہ بن کر دنیا سے جائے گا۔

(ا) پہلی بات ہے ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنا۔ چاروں اماموں کے نزدیک ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ ڈاڑھی منڈانا یا ایک مٹھی سے کم پر کترانا حرام ہے۔ بہشتی زیور، جلد نمبر ۱۱ میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک صورت جیسی صورت بنالو، اللہ تعالیٰ کو پیار آئے گا کہ میرے پیارے کی صورت میں ہے اور قیامت کے دن یہ کہہ سکو گے۔

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

(ب) دوسری بات ہے ٹخنے کھلے رکھنا۔ پاجامہ، شلوار، لنگی یعنی جو لباس اوپر سے آرہا ہے، ٹخنوں سے اونچا رکھنا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ٹخنہ کا جو حصہ ازار یعنی شلوار، پاجامہ، لنگی وغیرہ سے چھپے گا جہنم میں جلے گا۔

(ج) تیسری بات ہے نظروں کی حفاظت کرنا۔ اس زمانہ میں اللہ کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے کیونکہ بے پردگی عام ہے اس لیے نظر کی حفاظت کرنے سے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس تکلیف کو جو اللہ کے لیے اُٹھالے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو حلاوت سے بھر دے گا۔ اس عمل سے آدمی

سیکنڈوں میں فرش سے عرش پر پہنچ جاتا ہے۔

(د) اور چوتھا عمل ہے قلب کی حفاظت کرنا۔ دل میں گندے خیالات نہ پکاؤ، حسینوں کا تصور نہ لاؤ، پرانے گناہوں کو یاد نہ کرو۔ بس یہ چار اعمال کرلو اللہ والے ہوجاؤ گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حسینوں سے نہ ہدیہ لو نہ دو

ارشاد فرمایا کہ پی آئی اے کے ایک افسر نے جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں بتایا کہ پی آئی اے کی ایک ائیر ہوسٹس نے انہیں حلوہ پیش کیا جو وہ گھر سے بنا کر لائی تھی، وہ انہوں نے قبول کرلیا لیکن دوسرے وقت اس کو ڈانٹ لگائی اور کہا کہ یہ نہ سمجھنا کہ حلوہ دینے سے تمہارے ساتھ کوئی رعایت کروں گا۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا کہ ایک مسئلہ سن لو کہ اگر کوئی حسین ہدیہ دے تو اس کا ہدیہ قبول نہ کرو کیونکہ اس کا ہدیہ قبول کرنے سے اس کی محبت بڑھ جائے گی۔ شیطان کان میں کہے گا کہ پٹی ہوئی ہے، پٹی ہوئی کو پٹالو۔ اگر کوئی کہے کہ اگر ہدیہ واپس کرتے ہیں تو اس کا دِل دُکھتا ہے تو دل دُکھادو مگر اللہ کے قانون کو مت توڑو۔ دل توڑ دو قانونِ الٰہی مت توڑو۔ اللہ کا قانون زیادہ قابلِ احترام ہے یا ان کا دل زیادہ قابلِ احترام ہے؟ اللہ کے قانون کے سامنے دل کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کا ہدیہ واپس کردو اور کہہ دو کہ تمہارا ہدیہ اس لیے قبول نہیں کہ اس سے تمہاری محبت بڑھ جائے گی اور پھر تم سے ملنے کو دل چاہے گا لہٰذا حسینوں کا ہدیہ قبول کرنا فتنہ ہے۔ جس نے ہدیہ قبول کرلیا ہو وہ اللہ سے توبہ کرلے کہ یا اللہ! اب آئندہ کبھی حسینوں کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔ حسینوں کو نہ ہدیہ دینا جائز ہے نہ لینا جائز ہے۔ ہدیہ دینے میں بھی خطرہ ہے اور یہ تو پٹانے کا طریقہ ہے، ہدیہ دینے سے بھی محبت بڑھتی ہے اور ہدیہ لینے سے بھی محبت بڑھتی ہے لہٰذا اللہ کے راستہ میں سخت رہو، جلاّد رہو، بالکل لچک پیدا نہ ہو، نہ دل میں، نہ جسم میں، نہ

زبان میں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی آپ کو سنکھیا پیش کرے اور کہے کہ تھوڑا سا چکھ لیجیے، بہت مزے دار ہے تو آپ چکھیں گے؟ اللہ کی نافرمانی یا نافرمانی کا سبب زہر سے کم نہیں ہے اور کچھ نہیں تو اللہ کی نافرمانی کے وساوس تو آہی جائیں گے، وسوسہ سے تو بچ نہیں سکتے۔ اگر بہت متقی ہے تو بھی وسوسے آئیں گے کہ کیا بات ہے، ہدیہ کیوں دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کے باوجود میں پسندیدہ ہوں، اس کی نظر میں شاید سیلکٹ (Select) ہو رہا ہوں۔ یاد رکھو کہ زہر کو زہر سمجھو، اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کوئی زہر، کوئی عذاب نہیں۔ ہزاروں لاکھوں دل ٹوٹ جائیں اللہ کے قانون کے سامنے دل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ دیکھیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر کسی حسین کو دیکھ کر ٹوپی ٹھیک کر لی، ڈاڑھی کو ہاتھ سے برابر کر دیا تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ حسین کی نظر میں تم منظور بننا چاہتے ہو۔ یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ حسینوں کا ہدیہ واپس کرنا بڑے اللہ والوں کا، اللہ کے شیروں کا کام ہے۔ یہاں بڑے بڑوں کا دل کھینچ جائے گا کہ ارے یار اس کا دل دُکھے گا، کہے گی کہ ملا لوگ خشک ہوتے ہیں۔ اس وقت ہمتِ مردانہ چاہیے ہمتِ شیرانہ چاہیے۔ شیر ہرن کا خون پیتا ہے، تم بھی اپنے نفس کا خون پیو چاہے کوئی کچھ بھی سمجھے چاہے سمجھے کہ ملا خشک ہوتے ہیں، چاہے غیبت بھی کرے، اِدھر اُدھر برائی بھی بیان کرے، تم سب بدنامی برداشت کرو پھر آسمان کی طرف دیکھو کہ اے اللہ! آپ کے لیے دنیا بھر کی بدنامی برداشت کرتا ہوں ورنہ اگر ہدیہ لے لیا اور اس کی محبت بڑھ گئی اور گناہ کا وسوسہ دل میں آ گیا تو کیا ہوگا۔ اس لیے حسینوں کا ہدیہ قبول نہ کرو، نہ لو نہ دو۔

ایک آدمی خواہ کتنا ہی بدصورت ہو، ناک کا چپٹا، آنکھ کا بھینگا ہو لیکن جب اس کو کوئی عورت دیکھتی ہے یا کوئی حسین لڑکا دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ میں

کچھ اس کی نظر میں جچ رہا ہوں، ضرور کوئی بات ہے جب ہی تو یہ مجھ کو دیکھ رہی ہے یا دیکھ رہا ہے حالانکہ وہ بے وقوف سمجھ کر دیکھتے ہیں کہ ذرا دیکھ لو اس بے وقوف کو۔ غالب نے کہا تھا ؎

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسدؔ
آپ کی صورت کو دیکھا چاہیے

کہتا ہے کہ میں خوبصورتوں کو چاہتا ہوں لیکن ذرا آپ کی صورت تو دیکھئے اس حماقت کی کوئی حد ہے کہ بڈھا کھوسٹ ہے اور حسینوں کو چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ حسین بھی مجھے پسند کرتے ہیں۔ ذرا آپ اپنی صورت دیکھ لیجئے لہٰذا ہر شخص اپنے جیب میں ایک آئینہ رکھے، جب کوئی حسین دیکھے تو آئینہ میں اپنی شکل دیکھو، اگر شکل اچھی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو اور کہو کہ میرا حسن کسی نامحرم عورت یا امرد کے لیے جائز نہیں۔ حسن کا شکر یہ ہے کہ اسے اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے۔

اگر کسی نے کسی حسین کا تحفہ لے لیا اور کھا بھی لیا تو اب کیا کرے؟ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ قے کر دے لیکن قے کرنا واجب نہیں ہے بس اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے کہ یا اللہ تعالیٰ آئندہ کسی حسین کا ہدیہ نہیں لوں گا، اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کے معافی مانگ لے اور اس حسین سے بھی نظر بچا کر کہہ دے یا کسی سے کہلوا دے کہ اب آئندہ ہدیہ نہ لانا، قبول نہیں کروں گا۔ اس سے کہلوا دینا ضروری ہے ورنہ وہ سمجھے گی کہ ایک دفعہ لے لیا تو آئندہ بھی ضرور لیں گے جبکہ وہ افسر بھی ہو اور ماتحت تو افسر کو اور بھی خوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہماری ترقی ہو تو کہہ دو کہ ہم خوش نہیں ہوئے ہم کو تکلیف پہنچی۔ ہمیں ہدیہ کی ضرورت نہیں، بغیر ہدیہ کے ہم ہر ایک کے ساتھ عدل وانصاف کریں گے، جو بے اصولی کرے گا اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کریں گے اور اگر بے اصولی

نہیں کرو گے تو سب کے ساتھ انصاف کریں گے لہٰذا ہمیں کوئی ہدیہ دینے کی جرأت نہ کرے۔

مبغوض قوم کی علامت

احقر مرتب کو حضرت والا نے اپنے حجرہ میں طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مبغوض قوم کی علامت بیان کی وَجَآءَ اَھْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ کہ جب انہوں نے امردوں کو دیکھا تو دل میں خوشی محسوس کی۔ پس امردوں کو دیکھ کر دل میں خوشی محسوس کرنا مبغوض قوم کی علامت ہے۔ اس لیے خوشی محسوس کرنے سے پناہ مانگو۔ امردوں کو دیکھ کر خوش ہونا علامت مبغوضین کی ہے، معذب قوم کی علامت ہے۔

محبت للّٰہی اور نفسانی محبت میں فرق

ایک نوجوان عالم نے جو حضرت والا کے خلیفہ ہیں انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ ایک دینی سفر پر کچھ عرصہ کے لیے جانے کا ارادہ ہے لیکن ان کا ایک مرید بہت زیادہ رو رہا ہے اور کھانا پینا بھی چھوڑ دیا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کی جدائی میں زندہ رہنا مشکل ہے۔

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ یہ محبت للّٰہی نہیں معلوم ہوتی اس میں نفس کی آمیزش معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحابہ سے بڑھ کر کون عاشق ہوگا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدائی سے کیا کسی صحابی پر ایسی کیفیت طاری ہوئی۔ محبت للّٰہی کے یہ آثار نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ محبت نفسانی ہے۔ حضرت والا کی تشخیص کا یہ اثر ہوا کہ اس طالب پر اپنا مرض ظاہر ہوگیا اور مذکورہ کیفیت ختم ہوگئی۔

صاحبِ حزن اللہ کی راہ جلد طے کر لیتا ہے

ارشاد فرمایا کہ صاحبِ حزن اللہ تعالیٰ کی راہ کو جتنا جلد طے کر

لیتا ہے اتنا جلد غیر صاحبِ حزن طے نہیں کرسکتا اسی لیے انبیاء علیہ السلام کو بھی حزن میں مبتلا فرمایا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں بسبب ان کے غم سے گھٹنے کے۔ یہاں وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فرمایا کہ ان کی دونوں آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں اور نسبت یعقوب علیہ السلام کی طرف فرمائی کہ وہ غم کو دل ہی دل میں دبا رہے تھے اور غم سے گھٹ رہے تھے۔ اپنی طرف غم کو عطا فرمانے کی نسبت نہیں فرمائی ورنہ بندے ڈر جاتے اور ساتھ ساتھ ادب بھی سکھا دیا۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں فرمایا وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ جب میں مریض ہوتا ہوں اور اس میں ادب کی تعلیم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی فَهُوَ یَشْفِیْنِ تو اللہ مجھے شفا دیتا ہے۔ وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ یہ جملہ حالیہ معرض تعلیل میں ہے جس میں ذوالحال یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں علت فَهُوَ كَظِیْمٌ میں بیان فرمائی یعنی ان کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں بوجہ اس کے کہ وہ دل ہی دل میں گھٹا کرتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا بطور معجزہ واپس آنا بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ ارشاد فرمایا فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا جب خوشخبری دینے والا آیا اور یوسف علیہ السلام کا کرتا یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔ یہاں یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا واپس لوٹ آنا بطور معجزہ تھا۔ جو اس کو کرامت سمجھتے ہیں وہ نادان ہیں کیونکہ جن خوارقِ عادت چیزوں کا ظہور انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے وہ معجزہ ہے کرامت نہیں۔ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا کا عاشقانہ ترجمہ یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام ٹکاٹک دیکھنے لگے۔

درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

دردبھی یار کی طرف سے ہے اور درمان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اس لیے بوجہ حزن اگر بلڈ پریشر ہائی یالو(Low) ہوجائے تو پریشان ہرگز نہ ہو۔ بلڈ بھی ان کا ہے اور پریشر بھی ان کی طرف سے ہے اس لیے پریشانی کیسی؟ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ غم غیر اختیاری طور پر آ جائے ورنہ غم کی تمنا نہ کرے۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غم سے پناہ مانگنے کی تعلیم اپنی امت کو تلقین فرمائی فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ اے اللہ! میں ھم اور حزن سے پناہ چاہتا ہوں،ھم اس غم کو کہتے ہیں اَلَّذِیْ یُذِیْبُ الْاِنْسَانَ جوانسان کو گھلادے۔غم کو طلب کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے پہلوانی دکھانا ہے حالانکہ ارشادِ ربانی ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ،خُلِقَ مجہول کا صیغہ ہے کہ انسان کو ضعیف بنایا گیا۔اس میں پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں فرمائی اور تعلیم فرمائی کہ نقص کی نسبت اللہ کی طرف نہ کرے۔ہاں اگر غیر اختیاری طور پر خود بخود غم آجائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔گویا یہ ایسا انعام ہے جس کا مانگنا جائز نہیں۔یہ ایسا مہمان ہے کہ جس کا بلانا جائز نہیں۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کی عجیب تقریر

حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾
(سورۃ الزمر، اٰیۃ:۵۳)

اے نبی! آپ کہہ دیجیے،اللہ تعالیٰ نبی رحمت سے کہلا رہے ہیں،کلام اللہ تعالیٰ کا ہے مگر بواسطہ نبوت ہے کہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کرلیا، دیکھئے! کیا شان ہے کہ

مسرفین عَلٰی اَنۡفُسِهِمۡ کو بھی یاء نسبتی لگا کر اپنا فرمارہے ہیں گویا اپنی ذاتِ پاک سے لگارہے ہیں، گنہگار بندوں کو بھی میرا فرمارہے ہیں، باوجود گناہوں کے ان کو اپنے سے جدا نہیں فرمایا، اپنی نسبت قائم رکھی، اپنی بندگی سے نہیں نکالا، قُلۡ یٰا عِبَادِیَ اے نبی رحمت! میں اپنی رحمت کا اعلان تو کررہا ہوں، مگر کس کے واسطہ سے؟ جو خود سراپا رحمت ہیں، مجسم رَحۡمَةٌ لِّلۡعَالَمِیۡنَ سے اللہ تعالیٰ کہلا رہے ہیں کہ اے نبی رحمت! آپ میرے بندوں سے فرمادیجئے کہ میں اَرۡحَمُ الرَّاحِمِیۡنَ ہوں اور آپ رَحۡمَةٌ لِّلۡعَالَمِیۡنَ ہیں۔ میں اپنی رحمت کو نبی رحمت کے واسطے سے بیان کررہا ہوں تاکہ میرے بندوں کو دوگنا مزہ آئے گا اور رَحۡمَةٌ لِّلۡعَالَمِیۡنَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہنے سے وہ میری رحمت کے اور زیادہ امیدوار ہو جائیں گے، میری رحمت اور نبی کی رحمت دو رحمتوں سے مل کر شرابِ محبت، شرابِ رحمت اور تیز ہوجائے گی۔

نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں
مئے مرشد کو مئے حق میں ملا لینے دو

اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب اور مرشد کی محبت کی شراب جب دونوں مل جاتی ہیں تو نشہ تیز ہوجاتا ہے۔ اصلی مرشد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لیے نبی بنایا ہے وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ آپ تو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں، سارے عالم کے لیے نبی ہیں، تو اَرۡحَمُ الرَّاحِمِیۡنَ بواسطہ رَحۡمَةٌ لِّلۡعَالَمِیۡنَ اپنی رحمت کا اعلان فرما رہے ہیں کیونکہ میں تو غیوبت میں ہوں، ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں، میرے آثار و نشانات سے بندے مجھے پہچانتے ہیں لیکن میرا نبی تو ان کی آنکھوں کے سامنے ہے، ان کی رحمت و شفقت کو تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو رَحۡمَةٌ لِّلۡعَالَمِیۡنَ کی رحمت کو دیکھ کر ان کو اَرۡحَمُ الرَّاحِمِیۡنَ کی رحمت کا یقین

آئے گا اس لیے اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْـرَفُوْا، اے میرے گنہگار بندو! آہ! کیا رحمت ہے کہ گنہگار بھی فرما رہے ہیں اور میرے بھی فرما رہے ہیں، یاء نسبتی لگا کر اللہ تعالیٰ نے مزہ بڑھا دیا کہ اگر چہ یہ نالائق ہیں مگر میرے ہیں، تو یاء کیوں لگایا یعنی میرے کیوں فرمایا؟ مارے میا کے، مارے محبت کے کیونکہ جب باپ کہے کہ میرے بیٹے تو سمجھ لو کہ اس وقت محبت کا دریا جوش میں ہے۔ اگر صرف بیٹا کہے تو اس وقت محبت میں جوش نہیں لیکن جب کہے میرے بیٹے! میرے بیٹے! تو یہ جوشِ محبت کی علامت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے بھی یا عباد نہیں فرمایا کہ اے بندو بلکہ یا عبادی فرمایا کہ اے میرے بندو یعنی جو ناامید ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے امیدوار کر رہے ہیں، نافرمانوں کو، گنہگاروں کو، سرکشوں کو، مجرمین کو، نالائقوں کو، امیدِ رحمت دلا رہے ہیں، عبادی فرما کر اپنی آغوشِ رحمت میں لے رہے ہیں تاکہ میری رحمت کا ان کو آسرا، سہارا اور اطمینان ہو جائے۔ آہ! یَا عِبَادِیَ میں کیا کرم ہے، کیا شفقت ہے، کیا رحمت ہے۔ ہمارے گناہوں کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم میرے بندے نہیں ہو، ماں باپ بھی اپنی نالائق اولاد کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارے نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ہیں ان کی محبت کے آگے ماں باپ کی محبت کیا حقیقت رکھتی ہے؟ وہ فرما رہے ہیں کہ چاہے تم کتنے ہی گنہگار ہو چاہے تم ایک ہزار، ایک لاکھ، ایک کروڑ، دس کروڑ، ایک ارب گناہ کر لو یعنی بے شمار گناہ کر لو مگر میرے ہی رہو گے، میرے دائرۂ عبدیت سے خارج نہیں ہو سکتے، جب تم گناہ کرتے ہو اس وقت بھی میرے رہتے ہو، میری محبت و رحمت سے اس وقت بھی خارج نہیں ہوتے، پس اے میرے بندو جنہوں نے گناہ کر لیے چاہے بڑے گناہ ہوں یا چھوٹے گناہ سب اسراف میں داخل ہیں کیونکہ اسراف کے معنی ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّهٖ کسی شئی کو غیر

محل میں رکھ دو تو یہ اسراف ہے تو جو بھی حرام کام ہو گئے گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہو گئے، جو بھی نالائقیاں ہو گئیں تو اے میرے بندو جب تم میرے ہو تو کیوں ناامید ہوتے ہو؟ میں ارحم الراحمین بواسطہ رحمۃ للعالمین اعلان کر رہا ہوں کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ میری رحمت سے ناامید مت ہونا تا کہ مایوسی میرے گنہگار بندوں کو کہیں مجھ سے دور نہ کر دے اور مایوسی کو کس جملہ سے دور فرمایا؟ جملہ اسمیہ سے اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، اِنَّ بھی تاکید کے لیے، اَلذُّنُوْبَ کا الف لام بھی استغراق کا جس میں کفر و شرک کبائر صغائر تمام گناہ آ گئے اور جملہ بھی اسمیہ جو ثبوت و دوام کو متقاضی ہے یعنی ماضی، حال و مستقبل کسی زمانے میں بھی تم سے گناہ ہو جائے ہماری یہ صفت عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِمْرَارِ تم پر کرم فرما ہے۔ اس کے بعد جمیعاً سے مزید تاکید فرمادی۔ اگرچہ الف لام استغراق کا سب گناہوں کو سمیٹے ہوئے تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری تسلی کے لیے جمیعاً نازل فرمایا یعنی گناہ کے جتنے انواع و افراد و اقسام ہیں سب کے سب معاف کر دوں گا کوئی گناہ نہیں بچے گا جسے میں معاف نہ کر دوں۔ اتنی تاکیدوں سے گنہگاروں کو اپنے قریب فرما رہے ہیں، مایوسی سے بچا رہے ہیں، رحمت سے امیدوار فرما رہے ہیں۔ آہ! کیا شانِ رحمت ہے۔

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دِکھا اُن کی طرح کوئی اگر ہے

آگے فرمایا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یہ بخشش کون کر رہا ہے؟ تمہاری مغفرت کیوں کر رہا ہے؟ میری رحمت ہی کافی تھی لیکن تمہاری مغفرت کا نبی رحمت سے اعلان کیوں کرا رہا ہوں؟ تمہارے اطمینان کے لیے! کیونکہ میں تو ابھی عالمِ غیب میں ہوں پوشیدہ ہوں، تمہارے سامنے نہیں ہوں مگر میرا نبی تو تمہارے درمیان موجود ہے، تمہاری آنکھوں کے سامنے عالمِ شہادت میں ہے،

عالمِ حضوری میں تم میرے نبی رحمت کو دیکھ رہے ہو کہ وہ سراپا رحمت ہیں اور تم پر کتنے مہربان اور شفیق ہیں اس لیے ان کے واسطے سے کہلا رہا ہوں تا کہ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ کی رحمت سے تم کو ارحم الراحمین کی بے پایاں اور غیر محدود رحمت کی معرفت ہوگی اور میری رحمت کو تم چشمِ بصیرت سے دیکھو گے اور قلب و جاں میں محسوس کروگے۔ اگر چہ میں پردۂ غیب میں ہوں لیکن تمہارے ساتھ ہوں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔ تم اکیلے نہیں رہتے ہو ہم بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہیں چاہے جہاں بھی تم رہتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوَاكُمْ اے صحابہ! تمہارا بازاروں میں چلنا پھرنا اور اپنے گھروں میں سونا سب ہمارے علم میں ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا اے نبی! آپ تو میری نگاہوں میں ہیں اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے نہیں فرمایا کہ تم لوگ میری نگاہوں میں ہو مگر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت بیان کی کہ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا جملہ اسمیہ سے فرمایا جو ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے اور اِنَّ بھی تحقیق کے لیے ہے۔ پس تحقیق کہ آپ میری نگاہوں میں ہیں اور اَعْيُنِ جمع کا صیغہ ہے اور جمع عربی میں تین سے اوپر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے تو اس کی صفات بھی غیر محدود ہیں تو اس کا ترجمہ ہوا کہ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری غیر محدود نگاہوں میں ہیں اس آیت میں کیا محبت کیا پیار کیا رحمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی، کتنی کیفیت طاری ہوئی ہوگی، کتنا وجد آیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ میری نگاہوں میں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی صفات بیان فرما رہے ہیں اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ جانتے ہو کہ میں تمہاری مغفرت کیوں کر رہا ہوں؟ میری

مغفرت کا غیر محدود سمندر کیوں ٹھاٹھیں مار رہا ہے کہ کفر و شرک، کبائر و صغائر تمہارے سب گناہ معاف کر دیتا ہوں؟ معلوم ہے تمہیں کیوں بخش دیتا ہوں؟ بوجہ رحمت کے تمہیں بخش دیتا ہوں۔ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سورۂ بروج میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ یعنی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کیوں معاف کر دیتے ہیں؟ مارے میا کے، بوجہ محبت کے اور یہاں فرمایا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ، اِنَّهُ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ بھی کافی تھا پھر هُوَ کیوں لگایا؟ جبکہ اِنَّهٗ میں هُوَ موجود ہے تو تاکید کے لیے لگا دیا۔ ارے وہ اللہ تم اس کو نہیں جانتے؟ وہی اللہ جو بڑا غفور الرحیم ہے، تم اس سے ناامید ہوتے ہو؟ وہ تو بہت بخشنے والا ہے اور بخشنے کی وجہ کیا ہے مارے رحمت کے، مارے محبت کے معاف کر دیتا ہے غفور کے بعد رحیم نازل ہونے کی یہ حکمت ہے۔ جب رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو انسان بڑے بڑے جرائم، بڑی بڑی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے ماں باپ جلد معاف کر دیتے ہیں۔ اولاد بھی سمجھتی ہے کہ یہ میری اماں ہیں، یہ میرے ابا ہیں۔ اگر وہ کہہ دے اماں معاف کر دیجئے، ابا معاف کر دیجئے تو وہ جلدی سے معاف کر دیتے ہیں۔ پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمادیا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا، بے انتہا بخشنے والا ہے، مغفرت کرنے والا ہے اور رحمت کی فراوانی کیوں ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ تحقیق وہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔ اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہونا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر میری رحمت سے ناامید ہوئے تو جہنم میں ڈال دوں گا۔ مجھ سے ناامید ہوئے تو کافر ہو جاؤ گے، خبردار! ناامید نہ ہونا۔ کیا رحمت ہے کہ جہنم کا ڈنڈا دکھا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنا رہے ہیں جیسے باپ کہتا ہے کہ اگر دودھ نہیں پیو گے تو ڈنڈے لگاؤں گا۔ ڈنڈے لگانا باپ کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ باپ دودھ

پلانا چاہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جہنم سے ڈرا کر ناامیدی سے بچا رہے ہیں کہ میری رحمت کو کیا سمجھتے ہو؟ ناامید نہ ہو، اگر تمہارے گناہ بڑے بڑے ہیں تو اللہ ان سب سے بڑے ہیں۔

اس کے بعد حضرت والا نے نہایت شکستگی سے فرمایا کہ پیشی کے دن عرض کروں گا کہ رحمت کی امید لے کر حاضر ہوا ہوں۔ اگر سوال ہو کہ تم تو نالائق تھے تو عرض کروں گا کہ آپ نے مُسْرِفِیْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ کے لیے فرمایا تھا لَا تَقْنَطُوْا الخ آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔

فَاِنْ کَانَ لَا یَرْجُوْکَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَدْعُوْ وَ یَرْجُو الْمُجْرِمُ

ترجمہ: اگر صرف نیک بندے ہی آپ سے امید رکھ سکتے ہیں تو کون ہے وہ ذات جس کو گنہگار پکاریں۔

نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو
کدھر جائے بندہ گنہگار تیرا

فیض زندہ شیخ سے ملتا ہے

ارشاد فرمایا کہ جس کے کئی شیخ ہوں یعنی ایک شیخ کے انتقال کے بعد دوسرے شیخ سے تعلق کیا پھر دوسرے شیخ کے انتقال کے بعد تیسرے شیخ سے تعلق کیا ہو اس کے لیے نصیحت ہے کہ جو شیخ گذر گئے، گذر گئے۔ ان کا فیض ان کے کٹ آوٹ کے ختم ہونے سے ختم ہو گیا۔ اب جو زندہ شیخ ہے اسی کے کٹ آوٹ سے فیض آئے گا۔ یہ یقین رکھو کہ پہلے دونوں مشائخ جو رحمۃ اللہ علیہ ہو گئے ان کا فیض بھی موجودہ شیخ کے کٹ آوٹ سے آرہا ہے اور اپنے شیخ کے لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ میرے لیے ان سے بڑھ کر کوئی نافع نہیں ہے۔ دنیا اولیاء اللہ سے خالی نہیں ہے مگر میرا شیخ میرے لیے سب سے زیادہ مفید ہے

اور شیخ کی پہچان یہ ہے کہ سلسلہ کے کسی شیخ سے اس کو نسبت ہو، اس سے خلافت پائے ہوئے ہو اور یہ ضروری نہیں کہ موجودہ شیخ کا رنگ پہلے مشائخ جیسا ہی ہو کیونکہ ہر ولی کی شان میں تفرد ہوتا ہے، ہر ایک کا رنگ نسبت الگ ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور تھی اور حضرت مولانا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور تھی اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی شان اور ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کے حالات

حضرت کا انتظام دیکھ کر حضرت پھولپوری نے مجھ سے خود فرمایا تھا کہ مولانا ابرار الحق صاحب بادشاہت بھی چلا سکتے ہیں، اگر امیر المؤمنین بنادیا جائے تو پوری مملکت کا انتظام سنبھال سکتے ہیں۔ یہ اُس وقت فرمایا جب حضرت ہردوئی نے حضرت پھولپوری کو اپنے مدارس کا انتظام دکھایا کہ میں اساتذہ کا قد بھی ناپ کر رکھتا ہوں کہ کتنے فٹ کتنے انچ ہے، فلاں کے چہرے پر ایسا نشان ہے، فلاں کے بائیں آنکھ کی طرف تل ہے، اساتذہ کا پورا حلیہ لکھا ہوا حضرت کو دکھایا۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ اکبر! ان پر کیا شانِ انتظام غالب ہے۔ پورے ہندوستان میں حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کے مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے۔ غالباً دو سو سے اوپر مدرسے ہیں اور سب مدرسوں کے منتظم اعلیٰ حضرت ہیں۔

ایسے ہی حضرت کا تعلق مع اللہ بھی عظیم الشان ہے۔ ایک واقعہ ہی سے سمجھ لو کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ سے کتنا تعلق ہے۔ لکھنؤ میں مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جلسہ تھا۔ بس وہاں فوٹو کشی ہونے لگی۔ حکومت کی طرف سے انتظام تھا۔ مولانا علی میاں بے چارے مجبور تھے۔ غرض جو وجہ بھی ہو حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم اُٹھے اور مولانا شاہ محمد احمد صاحب سے

مشورہ کیا کہ یہاں خلافِ شرع کام ہورہا ہے، اب یہاں سے ہٹ جانا چاہیے ورنہ یہاں رہنے سے گناہ میں شرکت لازم آئے گی۔ دونوں بزرگوں نے بستر اٹھایا اور ہردوئی تشریف لے گئے۔ اتنا بڑا مجمع، بڑے بڑے علماء کرام موجود، حکومت کا انتظام الگ لیکن حضرت نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی۔

ایسے ہی دیوبند کا سو سالہ جلسہ تھا۔ دیوبند سے فارغ ہونے والے علماء کرام سب وہاں گئے تھے۔ اس میں اندرا گاندھی بھی آ گئی۔ کسی کو منع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اگر ہمارے حضرت والا ہردوئی کے ہاتھ میں انتظام ہوتا تو ہرگز نہیں آ سکتی تھی۔ تو حضرت نے وہاں سے بھی فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اختیار کیا، دیوبند کو خالی کر دیا۔ کتنی بڑی ہمت کا کام ہے کہ دنیا بھر کے علماء کرام وہاں بیٹھے تھے یہاں تک کے حضرت کے استاذ مولانا محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی میں تھے لیکن حضرت نے فرمایا کہ اب یہاں رہنا جائز نہیں ہے، اس میں شرکت لازم آئے گی۔ جس مجلس میں مردوں کے درمیان عورت آ کر بیٹھ جائے، یہ شرکت خلافِ شریعت ہے۔ لہٰذا ساری دنیا تو دیوبند جارہی تھی اور حضرت دیوبند سے واپس آرہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے ساری دنیا کی پرواہ نہ کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ یہ شیروں کا کام ہے۔ اگر حضرت والا کو اللہ تعالیٰ سے مضبوط تعلق نہ ہوتا تو یہ ہمت ہوتی؟ بڑے بڑے علماء کرام بیٹھے ہوئے ہیں لیکن حضرت والا نے جس کام کو جائز نہیں سمجھا تو کسی کی پرواہ نہیں کی بس اللہ کی رضا کو سامنے رکھا۔ حضرت کا جو تعلق مع اللہ اور نسبت ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اسی وجہ سے ماشاء اللہ حضرت ہردوئی دامت برکاتہم کا فیض عام اور تام ہے اور ہمارا جو کچھ کام ہے وہ حضرت کی جوتیوں کا صدقہ ہے ورنہ اختر کو کون پوچھتا اگر حضرت اجازتِ بیعت نہ دیتے۔ یہ سب کچھ بہار اور رونق حضرت کے تعلق کی ہے۔ حضرت کی اجازت کی وجہ سے لوگ سلسلہ میں داخل ہورہے ہیں۔

سب سے پہلے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ہوا لیکن بیعت حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ حضرت پھولپوری کے انتقال کے بعد حضرت ہردوئی سے تعلق کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ اگرچہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نے بھی مجھ کو خلافت دی ہے لیکن حضرت ہردوئی کے صدقہ ہی میں آج مجھے دنیا پوچھ رہی ہے۔

لیکن بعض لوگوں کو شیطان دوسرے شیخ کو معمولی دکھاتا ہے کہ تمہارا موجودہ شیخ معمولی ہے، پہلا شیخ بہت بڑا تھا تو سمجھ لو شیطان مردود آگیا اور شیخ کے فیض سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس کی بات میں نہیں آنا چاہیے۔ اپنے شیخ کے بارے میں ساری دنیا کے بزرگوں سے بڑھ کر عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ساری دنیا کے بزرگ محترم ہیں میرے لیے قابلِ عزت ہیں لیکن میرے لیے میرا شیخ ہی مفید ہے۔

شیخ کو پہچاننے کے لیے بھی عقل اور دل ودماغ ہونا چاہیے۔ شیخ کی مثال ایسی ہے جیسے اپنی ماں۔ جس ماں کا دودھ پی کر جوان ہوا ہے اس ماں کا احسان ماننا چاہیے۔ اپنی ماں چاہے جیسی بھی ہو گرم مزاج کی ہو یا کڑوے مزاج کی لیکن اسی کے دودھ سے پرورش ہوتی ہے۔ دوسرے کی ماں کا مزاج کتنا ہی ٹھنڈا ہو اور کتنا ہی پیار دے مگر اس نے دودھ نہیں پلایا، اس کے دودھ سے یہ تھوڑی پلا ہے۔ اسی طرح شیخ روحانی ماں ہے۔ دوسرے شیخ کیسے بھی ہوں مگر ہمیں تو اپنے ہی شیخ کا دودھ ملا ہے، ہماری پرورش تو انہوں نے ہی کی ہے، ان ہی کی برکت سے آج سارے عالم میں ڈنکا پٹ رہا ہے۔ اپنی ماں اگر ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتی ہے تو یہ بھی اس کی شفقت اور رحمت کی وجہ سے ہے۔ حضرت نے ایک دفعہ ہردوئی میں فرمایا تھا کہ میری ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرایا نہ کرو۔ اگر تم

میری برداشت نہیں کروگے تو تمہاری بھی تو اولاد ہے یعنی تمہارے مرید تمہاری ڈانٹ کیسے برداشت کریں گے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اللہ والوں کی ڈانٹ ڈپٹ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ شیخ کے ادب اور اس کے ناز اُٹھانے پر حضرت حکیم الامت تھانوی مست ہوکر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کہتے ہیں بے وفا ہے وہ جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

معلوم ہوا کہ جان و دل عزیز رکھنے والا عاشق نہیں ہے، جان و دل فدا کرنے والا عاشق ہے۔ والدین ہماری جسمانی تربیت کرتے ہیں، اس لیے ان کے لیے دعا کرنے کی تعلیم دی گئی رَبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا اے میرے رب! میرے ماں باپ پر رحم کیجیے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا، اسی طرح شیخ روحانی تربیت کرتا ہے، اس لیے اس کے لیے بھی دعا کرنا چاہیے۔

جب ہم چھوٹے تھے تو ماں باپ ہی نے تو پالا ہے۔ جب الٰہ آباد طبیہ کالج سے چھٹیوں میں سلطان پور جاتا تھا تو ابا ایک مہینہ پہلے ہی سے سرمہ لگاتے تھے تاکہ آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے گی تو اپنے بیٹے کو اچھی طرح دیکھوں گا۔ (حضرت والا نے روتے ہوئے فرمایا کہ) جب میری ریل پہنچتی تھی تو ابا للچائی نظروں سے ڈبوں میں دیکھتے تھے کہ میں نظر آجاؤں اور ابا کنویں سے ڈول سے پانی بھر کر میرے اوپر ڈالتے تھے اور خوب مل مل کر نہلاتے تھے۔ میں کہتا تھا کہ ابا یہ کیا کررہے ہیں؟ فرماتے تھے کہ کچھ نہیں، بس خاموش رہو۔ خود نہلاتے تھے حالانکہ میں بڑا ہوگیا تھا، کالج میں طب پڑھ رہا تھا مگر باپ کی محبت ایسی تھی (بہت گریہ کے ساتھ فرمایا) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے میرے ماں باپ کو بخش دیجیے، اپنی رحمت سے بخش دیجیے اور یا اللہ تعالیٰ میرے تین مشائخ ہیں، تینوں کو جزائے خیر، جزائے عظیم عطا فرما اور ان کے درجات بلند فرما۔ اے

اللہ تعالیٰ! ہمارے دلوں کو شیخ کی محبت سے بھر دے۔ ہر شخص کو اپنے شیخ کی محبت اللہ سے مانگنی چاہیے۔ یا اللہ میرے شیخ کی محبت سے میرا سینہ بھر دے۔ یا اللہ شیخ پر قربان ہونے والی محبت عطا فرما دے۔ یا اللہ! حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کی محبت دل کے ذرّہ ذرّہ میں پیوست فرما دیجئے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

انسانوں میں باخدا رہنا تنہائی سے بہتر ہے

ایک صاحب نے حضرت والا کو حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار سنائے۔

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

حضرت والا نے کئی بار یہ اشعار سنے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خواجہ صاحب نے یہ اشعار غلبۂ حال میں کہے ہیں لیکن غلبۂ حال وقتی ہوتا ہے، یہ کیفیت باقی نہیں رہتی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خواجہ صاحب کا عمل ہمیشہ اس کے خلاف رہا ہے۔ خواجہ صاحب ہمیشہ اپنے اللہ والے دوستوں میں رہتے تھے اور اپنے اشعار سے خود بھی مست ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی مست کرتے تھے اور اپنے شیخ کے عاشق تھے، حضرت حکیم الامت کے انتقال کے بعد بھی گوشۂ تنہائی میں نہیں بیٹھے بلکہ اپنے دل کو بہلانے کے لیے اپنے پیر بھائیوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ کبھی ایک پیر بھائی کے پاس، کبھی دوسرے پیر بھائی کے پاس۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کے پاس بھی تشریف لاتے تھے۔ شیخ کی جدائی میں بے قرار رہتے تھے اور پیر بھائیوں کو دیکھ

کر تسلی حاصل کرتے تھے۔ انسان انس سے ہے، اس لیے ایک دوسرے سے مل کر اس کو تسلی ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مناسبت ہو۔

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، باب معراج شریف ص ۵۶ پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو جب وہ مقام آیا جہاں جبرئیل علیہ السلام بھی نہیں جا سکتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام وہیں ٹھر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل کیا کسی مقام پر کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں اس مقام سے آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔ اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آگے بڑھے تو ستر حجابات آپ کو طے کرائے گئے یہاں تک کے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آوازیں منقطع ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ معلوم ہوا کہ بعض مواقع پر گھبرانا سنت نبی ہے۔ اس وقت ایک پکارنے والے نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں آواز دی کہ ٹھہر جایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ایک فرشتہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صورت کا پیدا کیا جو آپ کو ان کے لہجہ میں پکارے تا کہ آپ کی وحشت اور گھبراہٹ دور ہو۔ صحابہ تو بہت تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ علیہ کی آواز ہی کیوں سنائی گئی؟ اللہ تعالیٰ خالقِ دل ہیں وہ اپنے نبی کے دل کو بہلانے کا سامان جانتے تھے کہ آپ کی جانِ پاک، جانِ صدیق سے مانوس تھی۔ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ میرے نبی کو سب سے زیادہ محبت و مناسبت کس سے ہے؟ اور میرے نبی سے سب سے زیادہ محبت کس کو ہے؟ اسی لیے فرشتے کو حضرت ابوبکر صدیق کی شکل میں پیدا فرما کر ان کی آواز سنائی گئی تا کہ آپ کی وحشت دور ہو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یارِ غار تھے اور بچپن کے دوست تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا انسان کوضعیف پیدا کیا گیا اور ضعیف کیوں پیدا کیا؟ تاکہ اپنے ضعف کو دیکھ کر وہ ہمیں پکارے۔ اپنی یاد کے لیے ہمیں ضعیف پیدا کیا، ضعیف ہوتے ہوئے تو ہمارا یہ حال ہے کہ ان کو یاد نہیں کرتے اگر کہیں قوی ہوتے تو پھر تو بالکل ہی غافل ہو جاتے اور مجہول کا صیغہ کیوں نازل کیا؟ کیونکہ ضعیف ہونا ایک نقص ہے تو ضعف کے پیدا کرنے کی نسبت عظمتِ شانِ الٰہیہ کے منافی تھی اس لیے مجہول کا صیغہ نازل فرمایا لہٰذا جب ہم ضعیف ہیں تو جب تمہیں گھبراہٹ محسوس ہو تو کسی اللہ والے کے پاس چلے جاؤ لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے مناسبت ہو۔ کیونکہ وہ بھی انسان ہے اور تم بھی انسان ہو اور انسان انسان سے مانوس ہوتا ہے۔ جب میری والدہ کا انتقال ہوا تو ان کا پاندان، ان کی چارپائی اور ان کی چیزیں دیکھ کر میرا دل ان کی یاد میں رونے لگتا تھا تو میں دل بہلانے کے لیے اللہ والے دوستوں کے پاس چلا جاتا تھا، معلوم ہوا کہ دل صرف اللہ والوں کی صحبت میں بہلتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مناسبت ہو۔

انسانوں میں باخدا رہنا تنہائی سے بہتر ہے۔ عطاء نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عرصہ غارِ حرا میں رہے لیکن عطاء نبوت کا اعلان فرمایا تو پھر آپ کارِ نبوت میں مشغول ہو گئے، اسی طرح نسبت عطا ہونے کے بعد کوئی صاحبِ نسبت تنہا نہیں رہتا پھر اس کا ذوق یہ ہو جاتا ہے جو میں نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

مری زندگی کا حاصل مری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا
مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یارب
تیرے عاشقوں سے سیکھا ترے سنگِ در پہ مرنا

۶ /ذوالحجہ ۱۴۰۸؁ھ مطابق ۳۰ /جولائی ۱۹۸۸؁ء، مکہ معظمہ

اصل شکر کیا ہے؟

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾

(سورة ال عمران، اية: ۱۲۳)

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بے سروسامان تھے اور اَذِلَّة ذِلَّة کی جمع ہے جس کی تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے کہ تم بے سروسامان تھے، فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنی بڑی نعمت دی کہ تمہیں بے سروسامانی کے عالم میں ذلیل ہونے سے بچالیا، گویا تمہیں نئی زندگی دی اور تمہاری یہ مدد فرمانا چونکہ بوجہ تقویٰ کے تھا تو اب اس کا شکر یہ ہے کہ آئندہ بھی تم تقویٰ اختیار کرو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں تمہارا ابتلاء نہ ہو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکرگذار بندے بن جاؤ۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرکے اس سے حیاتِ جسمانی اور حیاتِ روحانی حاصل کرنا اور اس حیات کو خالقِ حیات سے آشنا نہ کرنا اور اس کی مرضی پر اس حیات کو نہ چلانا یہ شکر گذاری میں داخل نہیں ہے، سب سے اہم شکر تقویٰ اختیار کرنا ہے، بعض لوگ زبانی شکر تو بہت ادا کرتے ہیں لیکن بدنگاہی سے نہیں بچتے، عورتوں اور امردوں کو بری نظر سے دیکھتے ہیں یعنی خیانتِ عینیہ بھی کرتے ہیں اور خیانتِ صدریہ بھی کرتے ہیں لیکن بعد میں جب وہی شکل بگڑ جاتی ہے تو اُن کے خیالات کی ساری طلسم سازیاں برباد ہوجاتی ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں کہ لاحول ولاقوۃ میں نے ایسے خیالات کیوں پکائے تھے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں شکرِ نعمت کو بیان فرمایا کہ تم تقویٰ اختیار کرو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکرگذار بن جاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے کو شکرگذار بندوں میں

داخل کرنا ہے تو تقویٰ والی زندگی اختیار کرو یعنی گناہوں سے بچو۔

فتح ونصرت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی مدد کے لیے آسمانوں سے فرشتے نازل فرمائے جو پگڑی باندھے ہوئے ایک خاص وضع کے تھے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾

(سورة ال عمران، اية: ۱۲۵)

تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے اور اس مدد کا مقصد محض مسلمانوں کو فتح کی بشارت اور ان کے دلوں کو تسلی دینا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ یعنی ان فرشتوں کو محض تمہارا دل خوش کرنے کے لیے بھیجا تھا تاکہ تمہیں غلبہ وفتح کی بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، لیکن خبردار! فرشتوں کو مقصودیت کا درجہ ہرگز مت دینا، فتح ونصرت تو ہماری طرف سے ہوتی ہے وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ورنہ حقیقتاً مدد ہماری ہی تھی، جیسے ابا چھوٹے بچے کو پستول پکڑا دے لیکن اس کے بعد سب کام خود کرے، نشانہ لے، لبلبی دبا دے اور جب شکار مر جائے تو بیٹے کو شاباشی دے حالانکہ پستول بھی ابا نے دی اور نشانہ بھی ابا نے فٹ کروایا تو سارا کام تو اللہ تعالیٰ ہی نے کیا تھا اسی لیے فرمایا کہ فرشتوں کو بھیجنے کا مقصد محض تمہارا دل خوش کرنا تھا اور لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ تمہارے قلوب کو اطمینان دینا تھا کیونکہ تم عالمِ اسباب میں ہو، تمہیں مسبب چاہئے، اس کے بعد اب سبب کی نفی ہو رہی ہے، اگلی آیت میں ہے کہ اسباب کے بندے مت بننا وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ حقیقت میں نصرت اور مدد ہماری ہی تھی،

فرشتوں کو میدانِ جنگ فتح کرنے کے لیے نہیں بلکہ تمہاری ہمت بڑھانے اور تمہارا دل خوش کرنے کے لیے بھیجا تھا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بے نیاز ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ مدد کروانے کا پابند نہیں چنانچہ کبھی بلا فرشتوں کے بھی مدد بھیجی:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا﴾

(سورۃ ال عمران، اٰیۃ: ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ نے جنگ اُحد میں غم کے بعد تم پر چین اور راحت بھیج دی یعنی ایک ایسی اونگھ بھیجی جس سے تمہاری سب تھکاوٹ دور ہوگئی اور سب غم غلط ہوگیا، تھوڑی دیر کے لیے اونگھ آئی تھی اور نیند کے جھونکے سے صحابہ کی تلواریں گرنے لگی تھیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں كَانَ يَسْقُطُ سُيُوْفُنَا مِنْ غَلَبَةِ النُّعَاسِ وَنَأْخُذُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ ہم بار بار تلوار اٹھاتے تھے اور غلبۂ نیند سے وہ ہم سے بار بار گر جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا جھونکا آیا کہ تھوڑی ہی دیر میں ہماری سب تھکاوٹ ختم ہوگئی اور منافقین بھی وہیں بیٹھے تھے لیکن ان پر اللہ تعالیٰ کی اس نصرت کا کوئی فیض نہیں پہنچا۔ اللہ پاک فرماتے ہیں يَغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ تم میں سے بعضوں پر یعنی مسلمانوں پر تو ہمارا یہ فیض ہوا کہ ان پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا مگر ہم نے منافقین پر اس کا فیض نہیں پہنچنے دیا، ان کو اپنی جان کی ہی فکر پڑی تھی کہ دیکھئے یہاں سے بچ کر جاتے ہیں یا نہیں، وہ الٹا بدگمانی کر رہے تھے يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ دیکھو اس سے معلوم ہوا کہ کہیں اولیاء اللہ بیٹھے ہوں اور دوسرے لوگ بھی وہاں بیٹھے ہوں تو ولی جو اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کرتا ہے ضروری نہیں کہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے سب لوگ بھی وہی قرب محسوس کریں جیسے اللہ تعالیٰ نے اونگھ بھیجی جسے صحابہ تو محسوس کر رہے تھے مگر منافقین کو کچھ پتہ نہیں چلا حالانکہ وہ بھی اُسی زمین پر تھے، معلوم ہوا

کہ قربِ مکانی دلیل نہیں ہے قربِ حسی کی، ایک شخص کعبہ میں ہے لیکن یہ دلیل نہیں ہے کہ وہ اللہ عزوجل کا مقرب بھی ہو اور ایک شخص بیت اللہ سے دور ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو۔ تو منافقین بھی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس ہی تھے مگر صحابہ کو فیض ہو رہا تھا اور منافقین کو نہیں ہو رہا تھا، یہ شان ہے اللہ تعالیٰ کی جسے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن پاک میں اسماء حسنیٰ کا باہمی ربط اور اس کی حکمت

وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے دو نام عزیز اور حکیم آئے ہیں، میں اس پر اکثر غور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ننانوے ناموں میں سے ان دو ناموں ہی کا کیوں انتخاب کیا؟ اور میرا یہ سوال در پردہ اللہ تعالیٰ سے فریاد ہے۔

بے سوالی بھی نہ خالی جائے گی
دل کی بات آنکھوں سے پالی جائے گی

پھر میرے دل میں آیا کہ نصرت کے لیے زبردست طاقت کی ضرورت ہے، **عزیز** کے معنیٰ ہیں زبردست طاقت والا، یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے اور **حکیم** کے معنیٰ ہیں زبردست حکمت والا، تو نصرت کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، زبردست طاقت اور زبردست حکمت، طاقت کا مفید استعمال وہی کر سکتا ہے جو زبردست حکمت والا ہو، اگر طاقت والا حکیم نہیں ہے تو طاقت کا غیر مفید استعمال بھی ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر پستول کا رُخ دشمن کی طرف کرنے کے بجائے دوستوں کی طرف کر دیا تو دشمنوں کے بجائے دوست مارے جائیں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی یہ دو صفات نازل فرمائیں کہ ہماری نصرت میں ہماری زبردست طاقت بھی شامل تھی اور زبردست حکمت بھی، چونکہ فرشتوں کی مدد سے تم پر نفسیاتی طور پر اچھے اثرات

مرتب ہوں گے لہٰذا ان کو بھیج دیا، کس وقت کیا ہونا چاہیے اس کے لیے حکیمانہ انداز چاہیے، اتنی باریکیوں کی رعایت مخلوق کے بس کی بات نہیں تھی کہ جہاں جس نام کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ننانوے ناموں میں سے وہی نام نازل فرمایا۔ اس آیت میں ان دو ناموں کا استعمال بھی حکیمانہ ہے، ہر موقع پر اس کے مناسب الفاظ لانا آسان کام نہیں ہے، کلام اللہ کی یہ بلاغت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ نازل فرمایا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ عزیز اور غفور میں کیا نسبت ہے؟ بات یہ ہے کہ معافی طاقت والے کی قابلِ قدر ہوتی ہے، اگر ایک کمزور آدمی زبردست طاقت والے کو معاف کردے تو اس کی معافی ناقابلِ اعتبار ہوگی کیونکہ طاقت والا کہے گا کہ اگر تو مجھے معاف نہ کرے گا تو میرا کیا بگاڑ لے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں عـزیـز اس لیے نازل کیا ہے کہ میں زبردست طاقت والا ہوں اس کے باوجود غفور ہوں لہٰذا میری مغفرت کو بے وقعت مت سمجھو، میری مغفرت کی قدر کرلو، یہ تفسیر روح المعانی ہے، اللہ تعالیٰ نے **عزیز** کو **غفور** پر اس لیے مقدم کیا کہ زبردست طاقت والے کی طرف سے معافی ہوگئی، جیسے اگر شیر معاف کردے اور چیرے پھاڑے نہیں تو آپ کو خوشی ہوگی کہ واقعی بڑا شریف شیر تھا اور لومڑی معاف کردے تو اس کی کوئی قدر نہ ہوگی۔

بارگاہِ حق میں حصولِ رحمت کا عجیب مضمون

ارشاد فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون بیان کرنے کی توفیق دی کہ کریم میزبان اپنے مہمانوں کی بے اصولیوں کو درگذر کردیتا ہے جیسے اس کے یہاں دیہاتی مہمان آگئے اور ناسمجھی کی وجہ سے بے اصولیاں کردیں تو کریم میزبان ان کی بے اصولیوں کو درگذر کردیتا ہے بلکہ

اپنے متعلقین سے بھی کہہ دیتا ہے کہ انہیں کچھ مت کہنا، اکرامِ مہمان میں بے اصولیاں درگذر کردی جاتی ہیں، تو یا اللہ! آپ سے بڑھ کر کون کریم ہوگا؟ آپ کریم ہیں بلکہ اکرم ہیں، کریم سے بھی زیادہ کرم والے ہیں لہٰذا ہماری کوتاہیوں اور بے اصولیوں کو معاف کردیجیے، ہم آپ کے مہمان ہیں، ہماری بے اصولیوں کو بوجہ کریم ہونے کے معاف کردیجیے۔ یا اللہ! آپ کریم میزبان ہیں اور ہم مہمان ہیں اور کریم میزبان اپنے مہمان کی بے اصولیوں کو عفو کرتا ہے اور آپ تو بڑے اکرم ہیں، ہماری بے اصولیوں کو اپنی رحمت سے معاف فرمادیجیے۔

تیمّم کا ایک اہم مسئلہ

ارشاد فرمایا کہ بخاری کی روایت ہے اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ کُتِبَ لَہٗ مَا کَانَ یَعْمَلُ صَحِیْحاً مُّقِیْماً یعنی مریض حالتِ صحت میں اور مسافر اپنے وطن میں جتنا وظیفہ پڑھتا تھا اب مسافرت اور مرض کی حالت میں بغیر وظیفوں کے اتنا ہی اجر ملے گا اور بعض روایات میں ہے دوگنا ملتا ہے، دنیا کی حکومت آدھی پنشن دیتی ہے لیکن اللہ کے ہاں دوگنا اجر ملتا ہے۔

مرض سے متعلق ایک مسئلہ بتا رہا ہوں کہ مرض کی دو صورتیں ہیں جیسے کسی کو نزلہ زکام یا بخار ہوگیا اور وضو کے لیے پانی نقصان دے رہا ہے، اب یہ کب تک تیمّم کرے گا؟ تو مرض کی دو صفات ہیں ایک اِشتدادِ مرض اور دوسرا اِمتدادِ مرض اشتداد کے معنیٰ ہیں کہ اگر وہ پانی سے وضو کرتا ہے تو مرض بڑھ جاتا ہے اور امتداد کے معنی ہیں کہ مرض بڑھتا تو نہیں مگر دیر سے جاتا ہے، تو اشتداد اور امتداد دو لفظ یاد رکھیے، اس سے بڑے بڑے مسئلے حل ہوتے ہیں۔ ایک شخص کا تجربہ ہے کہ اگر وہ تیمّم کرتا ہے تو تین دن میں اس کا بخار اتر جاتا ہے اور وضو کرتا ہے تو بخار بڑھتا تو نہیں مگر چھ دن میں اترتا ہے تو شریعت میں اشتدادِ مرض میں

جس طرح تیمّم جائز ہے امتدادِ مرض میں بھی تیمّم جائز ہے کہ تاخیرِ صحت نہ ہونے پائے، یہ ہے اللہ کی محبت اور رحمت، اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ میرے بندے دیر سے صحت پائیں چنانچہ تاخیرِ صحت بھی عذر ہے۔ امتدادِ مرض کا یہ مسئلہ کم لوگ جانتے ہیں، سب اشتداد جانتے ہیں، تذکرۂ اشتداد تو ہوتا ہے کیونکہ اس میں مشقت ہوتی ہے اور تذکرۂ امتداد نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ضعف ہوتا ہے حالانکہ ضعف کو بھی فقہاء نے مرض قرار دیا ہے، ضعف خود ایک مرض ہے۔ اس لیے اختر مشیر الضعفاء ہے، خود کو شیخ الضعفاء نہیں کہتا کیونکہ لفظ شیخ میں دعویٰ ہے، اس لیے خود کو مشیر کہتا ہوں کہ اختر خود بھی کمزور ہے اور کمزور آدمی دوسرے کمزور کی صحیح مدد کرسکتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ کمزوری میں کیسا محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو جو روحانی مرض لگا ہو اور وہ اس مرض کا علاج کرا رہا ہو تو وہ اسی مرض میں مبتلا دوسروں کا اچھا علاج کرسکتا ہے مثلاً جس کو خود حسن سے زبردست عشق ہو اور وہ اس سے بچنے کے لیے قسم قسم کے مجاہدات اٹھاتا ہو وہی عاشق مزاج لوگوں کی صحیح رہنمائی کرسکتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ اس مرض میں کیا ہوتا ہے۔

عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کا فرق

ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بہت دن تک ذکر چھوڑ دے، اس کے بعد پھر اللہ سے روئے کہ یا اللہ! مجھ سے نالائقی ہوگئی اور پھر ذکر شروع کردے اُس وقت میں ایک شعر پیش کرتا ہوں جس سے روحانی قوت اور بشاشت پیدا ہوتی ہے، وہ شعر ہے ؎

مدت کے بعد پھر تیری یادوں کا سلسلہ
اِک جسمِ ناتواں کو توانائی دے گیا

دنیاوی معشوقوں کی یاد سے توانائی نہیں آتی بلکہ کمزوری اور بڑھتی ہے کیونکہ ذکرِ

قوی سے آدمی قوی ہوتا ہے اور فانی حسین ضعیف مخلوق ہے تو ضعیف کی یاد سے آدمی ضعیف ہوگا، اس پر میں پان کی مثال دیتا ہوں کہ اگر پان سڑ جائے اور سڑے ہوئے حصہ کو قینچی سے نہ کاٹا جائے تو وہ صحیح حصہ کو بھی سڑا دیتا ہے، تو قبروں میں سب انسانوں کے جسم سڑنے والے ہیں لہٰذا ان کے عشق و محبت سے دل سڑنے لگتا ہے اور اگر لا الٰہ کی قینچی سے جلدی سے نہ کاٹا جائے تو اگلے حصہ کو بھی سڑا دیتا ہے لہٰذا ان کی یاد سے جلد چھٹی حاصل کرلو ؎

نکالو یاد حسینوں کی دل سے اے مجذوب
خدا کا گھر پئے حسن بتاں نہیں ہوتا

ہم بھی مرنے والے اور یہ بھی مرنے والے ہیں، جب مردہ مثبت مردہ ہوگا تو مردگی بڑھے گی اور اگر مردہ زندہ حقیقی پر فدا ہوجائے تو اس کو حیاتِ غیر فانی نصیب ہوتی ہے۔ فَاِنَّ مُدَاوَمَۃَ ذِکْرِالْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ تُوْرِثُ الْحَیَاۃَ الْحَقِیْقِیَ الَّتِیْ لَا فَنَاءَ لَھَا زندہ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام سے ایک ایسی حیات نصیب ہوتی ہے جس کو کبھی فنا نہیں کیونکہ اس مردے کا دل زندہ حقیقی سے وابستہ ہوگیا اور جو مردہ زندہ حقیقی کے ساتھ لگ گیا وہ بھی زندہ ہوگیا ؎

جی اٹھے مردے تیری آواز سے

لہٰذا زندہ حقیقی سے وابستہ رہو، ان شاء اللہ قلب میں ہر وقت زندگی رہے گی، نشاط و سرور رہے گا، کروڑوں حسن ایک طرف اور اللہ کی یاد کا نشہ ایک طرف کیونکہ یہ سب فانی ہیں، مجموعۂ فانی فانی ہوتا ہے، مفت میں بھی مل جائیں تو ان کو نہ لو کیونکہ یہ زہر ہے، یہ اللہ سے بُعد پیدا کرتا ہے، عشق کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ محبوب کے غم میں مبتلا رہے، محبوبِ حقیقی کا غم لذیذ ہوتا ہے اور فانی حسینوں کا غم بھی فانی ہے کیونکہ صورت بگڑنے کے بعد عاشق اس صورت کو دیکھ کر بھاگ

نکلتا ہے، اس لیے مجھ کو یہ شعر بہت پسند ہے؎

عارف غمِ جاناں کی توجہ کے تصدق
ٹھکرادیا وہ غم جو غمِ جاوداں نہ تھا

غمِ جاناں سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت کا غم ہے، فانی معشوقوں کا غم فانی ہے لہٰذا ان کو لات ماردو، یہ اللہ کے راستے کے لات ومنات ہیں، ایک بات اور بھی ہے کہ بدنظری اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے جس سے قلب میں بے کیفی اور بدمزگی کا پیدا ہونا لازمی ہے، چاہے معشوق کتنا ہی حسین ہو جس کی ایک نظر سے انسان بے ہوش ہو رہا ہو یعنی خوب مزہ لے رہا ہو لیکن چونکہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو رہے ہیں اور جس بندے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں اس بندے کا دل اللہ تعالیٰ خوش نہیں کرتے اور جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں اس کا دل اللہ تعالیٰ خوش رکھتے ہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ پہلے فرمایا اور وَ رَضُوْا عَنْہُ بعد میں فرمایا یعنی جس غلام سے مالک راضی ہوتا ہے اس غلام کو خوش رکھتا ہے اور جس سے مالک ناراض ہو وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتا، حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے قلب میں بے چینی اور پریشانی کا نقد عذاب لازم ہے، یہ نوٹ کرلو، جب نیک عمل سے اللہ خوش ہوتا ہے تو قلب میں سرور ہوتا ہے اور ناراضگی سے اللہ رُخ پھیر لیتا ہے تو دل غم سے بھر جاتا ہے۔ میرا شعر ہے؎

جس طرف کو رُخ کیا تو نے گلستاں ہوگیا
تو نے رُخ پھیرا جدھر سے وہ بیاباں ہوگیا

اللہ تعالیٰ جس قلب کو پیار کی نظر سے دیکھ لیں وہ گلستان ہوجاتا ہے اور جب ہم اپنا رُخ غیر اللہ کی طرف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا رُخ پھیر لیتے ہیں کہ اچھا! غیر اللہ سے دل لگاتے ہو تو لگالو ہم بھی تم سے رُخ پھیرتے ہیں، جب اللہ

نے اپنا رُخ پھیر لیا تو دل بیاباں ہو گیا اور اس کے بعد غیر اللہ کی جانب سے بے وفائیاں ملتی ہیں اور کھوپڑی پر لات ملتی ہے۔

کھوپڑی فارغ البال ہوتی ہے
زندگی اس پر وبال ہوتی ہے

یعنی اللہ کی ناراضگی کی بعد زندگی کا کیا حال ہوتا ہے؟ کھوپڑی فارغ البال ہو جاتی ہے، جہاں جاتا ہے ہر طرف سے جوتے پڑتے ہیں، دنیا کا بھی ضرر اور آخرت کا بھی ضرر اور پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ کو چھوڑ کر جس کی پرستش کی تھی جب اس حسین کی شکل بدل جائے گی تو پھر اس سے اپنی طبیعت سے فرار اختیار کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم طبیعت کے غلام نہ بنو کہ جب تمہاری طبیعت چاہے اُس وقت تم طبیعت کی غلامی نہ کرو بلکہ ہمارا حکم سمجھ کر اس حسین سے بھاگ جاؤ کیونکہ جب تم بعد میں بھاگو گے تو اس وقت طبیعت کی غلامی سے بھاگو گے ہماری بندگی سے نہیں بھاگو گے، ہر عاشق زوالِ حسن کے بعد فرار پکڑ لیتا ہے، لیکن اس وقت اس نے اپنی طبیعت سے فرار اختیار کیا، طبیعت سے اس حسن پر قرار پکڑا اور طبیعت سے فرار ہوا تو یہ کیا کمال ہے، یہ فرار اللہ کے لیے نہیں ہوا، اللہ کی رضاء کے لیے اس کا فرار اس وقت ہوگا جب حسن پر عالمِ شباب ہو اور اس کی طبیعت میں اس حسین شکل کے لیے زبردست کشش ہو اور اس وقت وہ اللہ کا حکم سمجھ کر اس سے بھاگے، یہ ہے اللہ تعالیٰ کی غلامی ورنہ طبیعت کی غلامی سے جانور میں اور اس میں کیا فرق ہوا؟ جب جانور کو اچھی غذا ملی کھالی اور جب چاہا وہاں سے بھاگ گیا، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہمارے بندے اپنی طبیعت کے غلام نہ رہیں، اپنی محکومی کو ثابت کریں اس لیے خواہشات ہوتے ہوئے پھر ان سے رُکنا ہے اور اگر یہ مجاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کی بارگاہ میں سبھی ولی ہو جاتے، اللہ نے اپنی بارگاہ میں مقرب بنانے کے لیے پرچہ ذرا مشکل

کردیا۔ جب ہر شخص کو اپنی دوستی کے معیار کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ مالک الملک کو اپنی دوستی کے لیے معیار بنانے کا حق کیوں نہ ہوگا؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ مجاہدہ رکھ دیا کہ اگر تم اپنی حرام خواہشات کا خون کرلو تو ہم تمہارے قلب کی نامرادیوں کی راہوں سے مراد بن کر آجائیں گے۔ ان فانی معشوقوں کو دیکھ کر پاگل ہوجانا یہ چیز سلوک میں نہایت مضر ہے۔ اللہ سے دعا مانگو، میں بھی مانگتا ہوں آپ بھی مانگیں، میں آپ کو بھی مخاطب کرتا ہوں اور اپنے نفس کو بھی مخاطب کرتا ہوں، میرا نفس آپ سے کم نہیں ہے، میں بھی اللہ سے مانگتا ہوں کہ یا اللہ! اپنی ذات کے ساتھ ہم کو مخلص بنا اور اپنی مخلوقات کے ساتھ بھی ہم کو مخلص بنا اور حسین مخلوق کے ساتھ اخلاص کیا ہے؟ اس کو شہوت سے نہ دیکھیں اور اس کے متعلق دل میں برا خیال نہ لائیں، اگر اللہ نے کسی کو حسن کی نعمت سے نوازا ہے تو اس کی قدر یہ نہیں ہے کہ آپ اس کے متعلق کوئی برا تصور کریں، اللہ کی مخلوق کے ساتھ اخلاص یہ ہے کہ ان سے نظر بچا کے رکھو اور ان سے دور رہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ کی کسی سے دوستی ہے اور اس کا بیٹا بہت حسین ہے تو باپ کی دوستی کا حق ہے کہ اس کے بیٹے سے دور رہو، جب باپ کو پتہ چلے گا کہ یہ طبیعت کا حسن پرست ہے لیکن پھر بھی میرے بیٹے کو دیکھ کر نظر نیچی کرلیتا ہے اور اس کے قریب نہیں ہوتا تو باپ کتنا خوش ہوگا۔ اسی طرح اللہ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو اس کے کسی حسین بندے کو نہیں دیکھتا۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ یہ میرے بندے کو بے آبرو کرتا ہے، نہ اپنے کو بے آبرو کرتا ہے، اس کا درجہ ان شاء اللہ بہت اونچا ہوگا، دوسروں کی ہزاروں تسبیحات سے اس کا یہی مجاہدہ اسے کہیں سے کہیں لے جائے گا، مگر تسبیحات کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے، اللہ کے نام سے نفس کے مقابلہ کے لیے قوت پیدا ہوتی ہے، خالی وعظ سن کر راستہ کا علم تو ہوجائے گا مگر اس پر چلنے کی طاقت اللہ کے نام سے ملے گی۔ بعض لوگ رات

دن خانقاہوں میں رہے، نہایت ہی سمجھدار، شیخ کے تمام علوم و معارف ان کی زبان پر لیکن ذِکر وفکر نہیں کیا، اللہ کی یاد میں مشغول نہیں ہوئے لہٰذا روحانیت حاصل نہیں ہوئی۔

جمادی الثانی ۱۴۲۹؁ھ جولائی ۲۰۰۸؁ء

انتہائی عاشقانہ عمل

ارشاد فرمایا کہ حج کا عمل انتہائے عشق ہے جس میں حاجیوں کی وضع بھی عاشقانہ بنادی گئی کہ سِلے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتے بس ایک چادر اوپر اور ایک چادر نیچے، عاشق کو لباس کا کہاں ہوش ہوتا ہے؟ احرام کی حالت میں جوئیں نہیں مار سکتے، جوئیں پڑنے سے سر صحرا بنتا ہے تو صحرا بننے دو، خوشبو مت استعمال کرو، یعنی جتنی چیزیں صفائی اور نظافت کی ہیں سب ختم، بالکل الول جلول رہو، جیسے عاشق کو سوائے معشوق کے کچھ یاد نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ نے حج کی ادائیں عاشقانہ رکھی ہیں، ننگے سر ننگے پیر جیسے کسی چیز کا کچھ ہوش ہی نہیں، جوتا بھی اس طرح پہنو کہ پیر کے اوپر کی ہڈیاں کھلی رہیں، بڑے لوگ اپنی شان دکھاتے ہیں، حج میں اللہ تعالیٰ نے سب شان خاک میں ملادی کہ وطن سے دور کھانے پینے کی سہولتوں سے محروم، ننگے پیر، ننگے سر رہو اور حج کے بعد سر منڈادو اور سر سے سرکشی نکال دو۔ سر منڈانے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سر سے سرکشی نکال دی۔ خواجہ صاحب کا شعر ہے؂

شیخ کی پگڑی اُچھالی جائے گی
سرکشی سر سے نکالی جائے گی

اگر وہاں نزلہ زکام بخار ہوجائے تو گھبراؤ مت، وہاں کی بیماری بھی نعمت ہے اور ذریعۂ قرب ہے۔ اس لیے جب یہاں آئے تو یہی سمجھ کر آئے کہ ہم بس اللہ

کے ہیں، ہر حالت میں مست رہو، ہنستے رہو، مسکراتے رہو، اللہ کی حمد و ثناء کرتے رہو، اللہ کی راہ میں مشقت اُٹھانا بڑے نصیب کی بات ہے۔

آیت اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی سے حدیثِ پاک کا عجیب ربط

ارشاد فرمایا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تنہائی میں ایک دعا کثرت سے کرتے تھے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ اور جب مجمع ہوتا تھا تو وہ اس دعا کو جمع کے صیغہ سے پڑھتے تھے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَۃَ عَیْنٍ معلوم ہوا کہ ایک پلک جھپکانے کو بھی اگر اللہ اپنی رحمت ہم سے ہٹا لے تو ہمارے تقویٰ اور ہماری استقامت کا قلعہ منہدم ہو جائے گا، اس لیے یہ دعا مانگتے رہیے کہ پلک جھپکانے بھر کو بھی اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے نفس کے حوالے نہ کرے۔ حدیث کی یہ دعا اس آیت کی تفسیر ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّی نفسِ امارہ کَثِیْرُ الْاَمْرِ بِالسُّوْءِ ہے یعنی برائیوں کا کثرت سے حکم کرنے والا ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ یہاں مَا ظرفیہ، زمانیہ اور مصدریہ ہے چنانچہ اب اس کی تفسیر ہوگی اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَۃِ رَبِّیْ یعنی نفس کے شر سے ہم اسی وقت بچ سکتے ہیں جبکہ ہمارے رب کی رحمت کا سایہ ہمارے اوپر ہو، اس آیت کی تفصیل حدیث کی دعا نے کردی کہ جب یہ بات ہے تو خدا سے پناہ مانگو اور کہو یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ یعنی آپ کی وہ رحمت جو اِلَّا مَا رَحِمَ میں ہے ہم وہ رحمت مانگتے ہیں، حدیث میں اس رحمت کے حصول کا طریقہ سکھا دیا گیا ہے۔ حدیث کی اس دعا اور اس آیت کو ملا کر دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے ایک عجیب وغریب مضمون عطا فرمایا ہے۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ

بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اے زندہ حقیقی! اے سنبھالنے والے! ہم آپ کی رحمت سے فریاد کرتے ہیں کہ ہم کو ہمارے نفس کے حوالے نہ فرما، اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّهٗ ہماری ہر حالت کو درست کر دیجیے، وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ اور پلک جھپکنے کے برابر بھی ہمیں ہمارے نفس کے حوالے نہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جو خبر دی تھی کہ نفس کثیر الامر بالسوء ہے اور اس سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہوگا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دعا میں وہی رحمت مانگ لی۔ یہ دعا پڑھتے رہو اور اللہ کا نام لیتے رہو، ان شاء اللہ ہر گھڑی کی خیر عطا ہوگی۔

یہودیوں والا مزاج

ارشاد فرمایا کہ ہمارا ایک دوست تھا، میرا میزبان بھی تھا، مجھ سے چالیس سال پرانا تعلق تھا، موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ ایک پتھر آیا، موٹر سائیکل گری اور اس کا سر پھٹ گیا، ناک کان اور سر سے بہت خون بہا، الحمد للہ! اب اچھے ہو گئے مگر کبھی کبھی بیہوشی کا دورہ پڑتا ہے اور اتنا شدید پڑتا ہے کہ دانت آپس میں چپک جاتے ہیں اور زبان کٹ جاتی ہے، دورہ پڑنے سے پہلے سر سراہٹ کی سی آواز آتی ہے جس سے ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ اب دورہ پڑنے والا ہے،، اللہ ہمیشہ صحت و عافیت دے، اسی لیے کہتا ہوں کہ، خدا کے لیے مصیبت کے زمانہ سے پہلے ہی ڈرتے رہو، دوسروں کی مصیبت سے سبق حاصل کرو، نفس کا مزاج یہودیوں کی طرح کامت بناؤ کہ جب سر پر پہاڑ رکھ دیا تو اس وقت توبہ کر لی اور جب پہاڑ ہٹا تو پھر نافرمانی شروع کر دی، یہ تو یہودیوں کا مزاج ہے کہ جب مصیبت آئی اُس وقت اللہ اللہ کر لیا، سجدے میں گر گئے اور جب مصیبت ٹل گئی تو پھر بدمعاشی شروع کر دی، یہ مسلمانوں کا مزاج نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے اُذْکُرُوا اللهَ فِی الرَّخَا یَذْکُرْکُمْ فِی الشِّدَّةِ

سکھ میں اللہ کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں دُکھ میں یاد رکھیں گے۔

ذکر اللہ کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ اللہ کا نام لیے جاؤ، ایک عرصہ آئے گا کہ اللہ کو خود رحم آجائے گا۔ آپ کو لا الٰہ کی پانچ تسبیحات بتائی تھیں کہ جب لا الٰہ پڑھو تو سمجھ لو کہ دل سے غیر اللہ نکال رہا ہوں، میری لا اِلٰہ ساتوں آسمان پار کر کے عرشِ اعظم پر اللہ سے مل رہی ہے اور جب الا اللہ پڑھو تو سمجھ لو کہ اللہ میاں کے انوارِ خاصہ کو لا رہی ہے اور یہ حدیث کا مضمون ہے، خالی تصوف نہیں ہے، ہمارا تصوف قرآن وحدیث سے مستنبط ہے، حدیث کے الفاظ ہیں لاَ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ لَیْسَ لَھَا حِجَابٌ دُوْنَ اللّٰہِ یعنی لاَ اِلٰہَ اور اِلَّا اللّٰہ میں کوئی پردہ نہیں ہے۔ یہ مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے یعنی ہماری لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ تک ڈائریکٹ جاتی ہے، جب لا الٰہ کہو تو سوچو کہ سارے عالم سے دل خالی ہو گیا اور جب الا اللہ پڑھو تو سمجھو کہ قلب میں اللہ کا نور آرہا ہے، آٹھ دس دفعہ کے بعد درمیان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھ لیا کرو۔ اب آپ کو سالک بنا رہا ہوں یعنی آپ کی تربیت کر رہا ہوں، اوّل آخر درود شریف پڑھ کر اللہ سے دعا کرو کہ اے اللہ! اپنے نام کی برکت سے ہمارے قلب کو غیر اللہ سے پاک فرما دے اور ہمارے قلب وجاں کو اپنی ذات سے چپکا لے۔ لا الٰہ سے آدمی غیر اللہ سے کٹتا چلا جاتا ہے اور الا اللہ سے اللہ سے جڑتا چلا جاتا ہے، اس وظیفہ کی برکت سے امت میں بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے، اس وظیفہ میں آپ کے پچیس منٹ لگیں گے اور خدا ہمیں روزانہ چوبیس گھنٹوں میں چودہ سو چالیس منٹ دیتا ہے، بس صبح کے وقت پچیس منٹ بیٹھ کر اس وظیفہ کو کرلو، مغرب کے بعد ایک ہزار دفعہ اللہ کا نام لے لو اور دل میں یہ تصور کرو کہ ایک زبان دل میں بھی ہے جو اللہ اللہ کہہ رہی ہے، اللہ کا نام اتنی محبت سے لو جیسے

مجنوں لیلیٰ کا نام لیتا تھا، مولیٰ کا نام اس سے زیادہ محبت سے لو، تو ایک ہزار مرتبہ[1] اسم ذات اللہ مغرب کے بعد اور لا الٰہ الا اللہ کی تسبیح پانچ سو مرتبہ صبح کے وقت اور چلتے پھرتے کبھی کبھی یا اللہُ یا رَحمٰنُ یا رَحِیمُ پڑھ لیا کرو۔

([1] جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے یہ ملفوظات بیس سال پہلے کے ہیں جب حضرت والا ذکر کی مذکورہ تعداد تلقین فرماتے تھے۔ اب لوگوں کے ضعف کے پیشِ نظر صرف ایک ایک تسبیح ارشاد فرماتے ہیں۔)

صحابی کے معنیٰ

ارشاد فرمایا کہ صحابی کے معنیٰ ہیں صحبت یافتۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ معلوم ہوا دین کی ابتداء صحبت سے ہوئی جو قلبِ نبوت سے قلوبِ امت میں صحبت کے ذریعہ منتقل ہوا۔ یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ دین صحبت کے ذریعہ سے چلا ہے، لہٰذا اگر مولوی بھی صحبت نہیں اٹھائے گا تو مولوی صاحب مُولی صاحب ہوں گے یعنی گاجر مولی ورنہ مولوی کے معنیٰ ہیں مولیٰ والا جیسے لاہوری کے معنیٰ ہیں لاہور والا لہٰذا مولوی جب کسی مولیٰ والے کی صحبت اُٹھاتا ہے تب مولوی صاحب ہوتا ہے۔

حسن کے چاند اور قلب کی طغیانی

ارشاد فرمایا کہ قلب عالم اصغر ہے، ہر انسان کے اندر ایک عالم اصغر ہے جس میں دریا، پہاڑ، سمندر سارا نظام کائنات موجود ہے۔ جیسے آسمانی چاند سے زمینی سمندر میں جوار بھاٹا آجاتا ہے اسی طرح زمین کے چاندوں کو دیکھ کر قلب کے سمندر میں طغیانی آجاتی ہے اسی لیے شریعت مطہرہ نے زمینی چاندوں سے احتیاط کا حکم دیا ہے ورنہ قلب کے سمندر میں طغیانی آجائے گی، طوفان برپا ہوجائے گا اور پھر بدنظری سے پریشانی بھی ہوتی ہے لہٰذا ان حسینوں سے احتیاط واجب ہے جس طرح جسمانی بیماریوں میں احتیاط

کرتے ہو مثلاً ہائی بلڈ پریشر والوں کو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ نمک مت استعمال کرو تو جس طرح ان کے لیے نمکین غذائیں مضر ہیں اور بلڈ پریشر ہائی کرتی ہیں اسی طرح نمکین صورتیں روحانی بلڈ پریشر ہائی کرتی ہیں اس لیے شریعت نے ان سے احتیاط کی تلقین کی ہے۔

سکون واطمینان کا سرچشمہ

ارشاد فرمایا کہ یہ جسم جو آپ کو ملا ہے یہ روح کی سواری ہے، روح کا گھوڑا ہے لہٰذا یہ کھانا، پینا، لباس سب اس گھوڑے کا ہے آپ کا نہیں ہے، آپ کی غذا تو روزہ، نماز اور اللہ کی یاد ہے اور اللہ کی یاد کے بغیر دنیا تلخ ہے، دنیا کے جتنے سیٹھ ہیں ان سب کو دیکھ لو، سب بدحواس نظر آئیں گے اور اللہ والے چٹائی پر، بوریئے پر خدا کی یاد میں مست بیٹھے ہیں۔

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریہ بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

اللہ ہی کے نام میں یہ اثر ہے کہ قلب میں چین وسکون اترتا ہے اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں جب عورتیں آٹا پیستی تھیں تو چکی میں ایک کھونٹا ہوتا تھا جس کو پکڑ کر چکی پیستی تھیں تو گندم کے جو دانے اس کھونٹے کے پاس ہوتے تھے وہ نہیں پستے تھے اور دونوں پاٹوں کے بیچ میں خیریت سے رہتے تھے۔ اسی طرح اللہ کی ذات ہماری روح کا مرکز ہے جتنا ہم ان سے قریب ہوں گے آسمان وزمین کے پاٹ ہم کو پیس نہیں سکتے اور جو اللہ سے جتنا دور ہے پس رہا ہے، اللہ سے دوری دنیا بھر کے عذاب اور دنیا بھر کی پریشانیوں کا مرکز ہے، اللہ سے قرب ساری کائنات کی لذت، چین وسکون اور اطمینان کا سرچشمہ ہے اور جب کوئی نافرمانی کرتا ہے تو سب سے پہلا عذاب قلب پر آتا ہے۔ اگر کسی نے بدنگاہی کرلی، کسی عورت پر بری نظر ڈال دی، جھوٹ بول دیا اور کوئی

نافرمانی کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی ناک، کان اور دانت نہیں توڑیں گے کیونکہ جب بادشاہ ناراض ہوتا ہے اور کسی دوسرے ملک پر حملہ کرتا ہے تو تھانیدار کو نہیں پکڑتا، بادشاہ کو گرفتار کرتا ہے۔ ہمارا قلب ہمارے جسم کا بادشاہ ہے لہٰذا نافرمانی پر اللہ تعالیٰ بادشاہ کو گرفتار کرتے ہیں اور قلب میں فوراً پریشانی شروع ہو جاتی ہے، یہ نافرمانی کی خاصیت ہے۔ اسی لیے کاروں میں پھرنے والے نافرمانوں کے قلوب اللہ کی نافرمانی کی نحوست سے پریشان رہتے ہیں اور ٹاٹ پہننے والے، چٹائیوں پر بیٹھنے والے اللہ کی رحمت کی بارش کی وجہ سے اپنے قلب میں بادشاہوں سے زیادہ لذت محسوس کرتے ہیں؎

وہ گرمی ہجراں وہ تیری یاد کی خنکی
جیسے کہ کہیں دھوپ میں سایہ نظر آئے

دنیا میں گرمی ہجراں یعنی اللہ تعالیٰ کی جدائی کا غم تو ہے لیکن ان کی یاد سے دل میں ٹھنڈک بھی ہے جیسے کہیں دھوپ میں سایہ نظر آ جائے اور اگر ذکر چھوڑ دیا تو گویا سائے سے پھر دھوپ میں آ گئے لہٰذا پھر سے شروع کر دیں اور یہ شعر پڑھیں؎

مدت کے بعد پھر تری یادوں کا سلسلہ
اک جسم ناتواں کو توانائی دے گیا

اگر مرغی کے سوپ سے طاقت آ سکتی ہے تو خالقِ مرغ کے نام میں کتنی طاقت ہوگی، بادام اور موتی کے خمیرہ کی طاقت اللہ کی مخلوق ہے تو مخلوق کی خالق سے کیا نسبت کی جا سکتی ہے؟ کسی نے خواجہ صاحب سے پوچھا کہ آپ کے پیر بڑے لال و سرخ ہیں کون سا کشتہ کھاتے ہیں؟ خواجہ صاحب نے جا کر تھانہ بھون میں حضرت سے عرض کر دیا۔ حضرت ہنسے اور مزاحاً فرمایا کہ سائل خبطی معلوم ہوتا ہے مگر اس سے کہہ دینا کہ اشرف علی ایک بوٹی، ایک کشتہ کھاتا ہے جس کی وجہ سے وہ لال اور سرخ ہے اور اس کا نام ہے تعلق مع اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے اگر تعلق ہو تو

سوکھی روٹی بھی لگتی ہے اور پریشان قلب اگر مرغ بریانی اور قورمہ اور کباب کھائے تو نہیں لگتا، قلب کا چین اللہ کی رضاء پر موقوف ہے۔ دیکھیے جب قطب شمالی کی سوئی مرکز کی طرف مستقیم ہوتی ہے چین سے رہتی ہے اور جہاں اس سے ذرا ہٹی تو کانپنے لگتی ہے۔ پس قلب جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے چپکا ہوگا چین سے رہے گا۔ واللہ! اگر سارا عالم چاہے تو بھی اس کو کوئی پریشان نہیں کر سکتا، سوئٹزرلینڈ تو واٹر پروف گھڑیاں بنالے تو کیا اللہ اپنے عاشقوں کے قلب کو غم پروف نہیں کرسکتا؟ اگر چاروں طرف غم ہو لیکن ان کا دل غم سے محفوظ ہوتا ہے باقی اللہ والوں کو بھی پریشانیاں آتی ہیں مگر وہ ان کی تربیت کے لیے ہوتی ہیں غیر اللہ سے کاٹنے کے لیے اور اپنے سے جوڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ کچھ مسائل؛ کچھ پریشانیاں تکویناً بھیج دیتے ہیں، ہر ایک کا امتحان الگ ہے، ہر ایک کا پرچہ الگ ہے، کسی کے لیے دشمن کھڑا کردیا، کسی کے لیے وسوسے لگادیے اور کسی کو اور کچھ پریشانی ہوگئی مگر اس کا مقصد تربیت ہی ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

بڑھ گیا ان سے تعلق اور بھی
دشمنی خلق رحمت ہوگئی

اور شیطانی وساوس کے بارے میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

بھلا اِن کا منہ تھا میرے منہ کو آتے
یہ دشمن اُنہی کے اُبھارے ہوئے ہیں

جس بندہ کو اللہ تعالیٰ اپنا بنانا چاہتے ہیں تو تکویناً کبھی شیطان کو اس کے پیچھے لگا دیتے ہیں کہ اس کے دل میں وسوسے ڈالتا رہے تاکہ یہ تنگ آکر ہمارے مقبول بندوں کے پاس جائے کیونکہ جب انسان تنگ ہوتا ہے تب اسے اللہ اور اللہ والے یاد آتے ہیں اور اللہ والوں کے غلام بھی یاد آتے ہیں اور غلام اس لیے کہہ

دیا تا کہ ہم لوگ بھی شامل ہو جائیں ورنہ اس سے دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم بھی اللہ والے ہیں لیکن اللہ والوں کی غلامی کی نسبت تو بہر حال ہے۔ غرض اللہ والوں یا اللہ والوں کے غلاموں کی صحبت سے وہ بندہ اللہ والا بن جاتا ہے۔

وَساوِس کا علاج

(مکہ مکرمہ میں مقیم حضرت والا کے ایک عزیز وساوس میں مبتلا تھے۔
مندرجہ ذیل ملفوظ ان کے لیے ارشاد فرمایا۔)

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو زیادہ طاقت نہیں دی، وہ آپ کو اٹھا کر کسی مندر میں نہیں لے جاسکتا، کسی پنڈت کی پوجا پاٹ میں نہیں لے جاسکتا، سینما ہال میں نہیں لے جاسکتا، اس کو ہمارے اوپر کوئی طاقت نہیں سوائے اس کے کہ ہمارے قلب میں کچھ خیالات ڈال دیتا ہے اور پھر وہ خیالات قلب کے اوپر ہی رہتے ہیں قلب کے اندر داخل نہیں ہوتے، بس یہ وساوس مؤمن کے لیے اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، اگر یہ وساوس نہ آتے تو آپ کسی مولوی سے بات بھی نہ کرتے، یہ ان ہی کا صدقہ ہے جو آپ ان کی جوتیاں اٹھاتے ہیں۔ مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک شخص کو کسی سے عشق تھا لیکن اس کا پتہ نہیں معلوم تھا، رات دن اس کی یاد میں رویا کرتا تھا، ایک مرتبہ رات کو بارہ بجے پاگلوں کی طرح اپنے معشوق کو تلاش کررہا تھا۔ کوتوالِ شہر نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ یہ چور ہے، اسے کیا معلوم کہ یہ بیچارہ عاشق ہے، دیوانہ ہے، پاگل ہے، پہلے زمانہ میں کوتوال گھوڑے پر گشت کرتے تھے تو کوتوال نے اس کو پکڑ کر مارنا شروع کردیا، اس نے پوچھا کہ بھئی ہمیں کیوں مارتے ہو؟ کوتوال نے کہا کہ تم اتنی رات کو کیوں گشت کررہے ہو؟ اس نے کہا ہم پاگل دیوانے آدمی ہیں، کوتوال نے کہا کہ نہیں تم چور ہو اور دو کوڑے اور لگائے۔ پٹائی سے بچنے کے لیے وہ بھاگا اور بھاگتے بھاگتے ایک باغ کے قریب پہنچ گیا اور دیوار کود کر باغ میں

پہنچا تو وہاں اس کا معشوق مل گیا تب اس نے کہا کہ اے خدا! تھانیدار کے ہر کوڑے پر اس کو ثواب عطا فرما، اس مصیبت پر تیرا بے شمار شکر ہے جس نے مجھے میرے محبوب سے ملا دیا۔ اسی طرح ان وساوس کے ڈنڈوں نے آپ کو مولویوں سے ملایا، پیروں سے ملایا، اللہ والوں سے ملایا ورنہ دولت میں کھیلنے والا اللہ والوں کو کہاں یاد کرتا ہے۔ یہ وساوس کے ڈنڈے ہیں جو آپ کو اللہ تک پہنچاتے ہیں۔

میں خود ان وسوسوں سے پچیس سال تک پریشان رہا یہاں تک کہ میں نے عاجز ہو کر اپنے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فارسی میں یہ مصرع لکھا۔

کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

وساوس ختم ہی نہیں ہوتے، ہر وقت دماغ گرم رہتا ہے، میں لاکھ جھٹکتا ہوں مگر وہ دماغ پر چڑھے رہتے ہیں تو میں آپ کی بارگاہ اور آپ کی چوکھٹ کو چھوڑ کر اب کہاں جاؤں؟ حضرت نے لکھا کہ۔

سر ہما نجا نہہ کہ بادہ خوردئی

جہاں تو نے اللہ کی شرابِ محبت پی ہے اسی مے کدے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر پڑا رہ۔ الحمد للہ! آج وساوس کا پتہ ہی نہیں، اب بلانے سے بھی نہیں آتے۔ غرض یہ وساوس کے ڈنڈے ہمیں بارگاہ تک لے جائیں گے لیکن جب آپ دربار میں داخل ہو جائیں گے پھر یہ قریب بھی نہیں آئیں گے۔ اس کی مثال میں مشکوٰۃ شریف کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وساوس شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور شیطان مثل اس کتے کے ہے جو دنیاوی بڑے آدمیوں کے گیٹ کے باہر کھڑا ہوتا ہے۔ جب آپ ملنے جاتے ہیں تو کتے کے بھونکنے سے پریشان نہیں ہوتے بلکہ بنگلہ والے سے کہتے ہیں کہ اپنے کتے کو

خاموش کیجیے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اسی طرح شیطان سے بحث کرنے اور اس کو جواب دینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ تم ہماری پناہ مانگو اور اللہ تعالیٰ سے کہو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اللہ میاں یہ شیطان آپ کا کتا ہے ذرا اس کو خاموش کردیں۔ جس طرح بنگلہ والوں کے پاس خاص کوڈ، خاص الفاظ ہوتے ہیں جب وہ الفاظ کہتے ہیں تو کتا دم ہلاتا ہوا واپس ہوجاتا ہے تو شیطان اللہ کا کتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کتے سے نہ لڑو بلکہ ہم سے پناہ مانگو، یہ ہمارے کوڈ سمجھے گا اور اعوذ باللہ وہ خاص کوڈ ہے جس کو سن کر وہ دم دبا کر بھاگ جائے گا لیکن ایک زمانہ ہم اُن سے فریاد کرتے رہیں تب وہ اس کو خاموش کریں گے، اس کی مدت آپ کے ذمہ نہیں ہے اللہ کے ذمہ ہے، اللہ جانتے ہیں کہ کب تک اس کتے کو بھونکواتے رہیں گے اور اس میں آپ کی تربیت ہے کہ آپ اپنی عاجزی دیکھیں کہ آپ لاکھ چاہتے ہیں کہ شیطان نہ آئے مگر پھر بھی چلا آرہا ہے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خلفاء میں سے تھے، شیطان کے وسوسوں کے بارے میں ان کا ایک شعر ہے۔

بھلا اُن کا منہ تھا میرے منہ کو آتے
یہ دشمن اُنہی کے اُبھارے ہوئے ہیں

یہ دشمن اللہ میاں نے پیدا کیا ہے اور اس کے اتنے فوائد ہیں جس کی حد نہیں مثلاً یہ کیا کم ہے کہ انسان اپنی عاجزی دیکھ لیتا ہے کہ دل میں وساوس کا سیلاب چلا آرہا ہے جس کو میں روک نہیں سکتا۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ شکر ہے اس اللہ کا جس نے شیطان کی طاقت کو صرف وسوسہ تک محدود کردیا کہ وہ صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے زبردستی گناہ نہیں کراسکتا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس سے توجہ ہٹا کر اللہ کی طرف متوجہ کر دیا لہٰذا جب وسوسے نہ جائیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرو اور یہ کہو کہ واہ رے اللہ! کیا شان ہے آپ کی کہ چھوٹے سے دل میں خیالات کا سمندر ڈال دیا، ذرا سے قلب میں سارا عالم چلا آرہا ہے، سارا سعودیہ، سارا بنگلہ دیش، سارا پاکستان اس میں سمایا جارہا ہے، یہ چھوٹا سا دل آپ کی قدرت کا نمونہ ہے تو شیطان سوچے گا کہ میں نے تو چاہا تھا کہ یہ اللہ سے دور ہو جائے یہ تو اور معرفت حاصل کررہا ہے، یہ تو اللہ سے اور قریب ہو رہا ہے پھر شیطان بھاگے گا۔

ان وساوس کا ایک آسان علاج اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جس شیخ سے آپ کو مناسبت ہو کچھ دن اس کے پاس رہ پڑو، جب روشنی آتی ہے تو اندھیرے چلے جاتے ہیں۔ اگر آپ بزرگوں کے ساتھ لگے رہے تو پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میں آپ سے کہوں گا ذرا اپنے وسوسوں کو آواز دینا، اپنے ماضی کو آواز دینا۔

غزل اُس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عہدِ رفتہ کو آواز دینا

تو پھر کوئی آواز بھی نہیں آئے گی، آپ یاد کریں گے تو وہ وساوس یاد بھی نہیں آئیں گے مگر وسوسہ اپنے وقت پر جاتا ہے لیکن ہمارے لیے یہ انتظار کرنا بھی مضر ہے کہ یہ کب جائے گا۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ وسوسہ کا علاج عدم التفات ہے، نہ اس میں مشغول ہوں نہ اس کو بھگانے کی کوشش کریں، اس کو بھگانا اور اس کو بلانا دونوں مضر ہیں جیسے بجلی کے ننگے تار کو اگر آپ جھٹکیں گے کہ یہ ہمارے پاس سے بھاگے تو اس سے چپک کر رہ جائیں گے، اگر آپ اس کو پکڑیں گے تو وہ آپ کو پکڑ لے گا یعنی جلباً وسلباً اس سے دور رہو، نہ اس کو حاصل کرو نہ بھگاؤ، بس یہ سمجھ لو کہ قلب ایک شاہراہ ہے، اس شاہراہ پر صدر بھی

چلیں گے، جنرل بھی چلیں گے، بھنگی بھی چلے گا اور سور بھی چلے گا تو قلب کو بھی اللہ نے ایک شاہراہ بنایا ہے، جس میں مؤمن اللہ کا ذکر کرتا ہوا بادشاہ کی طرح چل رہا ہے اور ساتھ ساتھ سور، چمار اور کتے بھی چل رہے ہیں، کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ شاہراہ پر دخل دے۔ تو اللہ نے یہ دل ایسا ہی بنایا ہے اور یہ وساوس تربیت کے لیے ہیں، دل کو پختہ کرنے کے لیے ہیں، اگر وساوس نہ آئیں تو ہم خدا کی طرف رجوع بھی نہ کریں، یہ وساوس محبوب کی طرف سے ڈنڈوں کا انتظام ہے، آہستہ آہستہ پیٹھ پر لگاتے لگاتے اللہ والوں تک پہنچا دیتے ہیں اور بندہ اللہ والا ہو جاتا ہے۔

وساوس کا ایک علاج اور بھی حدیث میں ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع الصغیر میں لکھا ہے کہ جب تم کو گناہ کے یا اعتقادیات مثلاً کفر وغیرہ کے وساوس آئیں تو کہو اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ یہ کلمہ شیاطین کی کھوپڑی پر ڈی ڈی ٹی کا کام کرتا ہے۔ جیسے اگر کھٹمل مچھر پر ڈی ڈی ٹی چھڑک دو تو سب ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح اس کلمہ سے شیطانی وساوس ختم ہو جاتے ہیں۔

حکیم الامت نے فرمایا کہ جو شخص اس کی فکر کرے گا کہ وسوسے چلے جائیں وہ مصیبت میں رہے گا اور صحت بھی خراب ہو گی، بس اس کا ایک علاج ہے کہ تم اس کا خیال ہی چھوڑ دو کہ یہ وسوسے کب جائیں گے؟ جیسے ایک جعلی پیر اپنے مرید کے یہاں ٹھہر گیا، مرید نے پہلے دو تین دن تو خوب گوشت، انڈا، مرغی وغیرہ کھلایا، سوچا کہ پیر صاحب دو تین دن رہیں گے، جب ایک مہینہ ہو گیا اور مرید کے پاس سب پیسہ ختم ہو گیا تو وہ رونے لگا اور کہا حضور! اب آپ میرے ہاں کبھی نہیں آئیں گے، جعلی پیر نے کہا کہ کیوں نہیں آؤں گا، ہمیں تم سے اتنی محبت ہے، تم ہم کو اتنا کھلا پلا رہے ہو، ہم ضرور آئیں گے، مرید کہنے لگا

کہ نہیں، اب آپ کبھی نہیں آئیں گے، جعلی پیر نے کہا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں اب نہیں آؤں گا؟ مرید نے کہا کہ حضور! جب آپ جائیں گے نہیں تو آئیں گے کیسے؟ تو وساوس کے جانے کا انتظار نہ کرو کہ یہ کب جائیں گے ورنہ جعلی پیر کی طرح چپک جائیں گے بلکہ حاجی صاحب کا یہ جملہ دہرا لیجیے کہ اے اللہ! کیا شان ہے آپ کی کہ قلب ڈیڑھ چھٹانک کا چھوٹا سا بنایا اور اس میں خیالات ووساوس کا سمندر ڈال دیا کہ آنکھ بند کی اور خیالات کا سارا سمندر دل میں آ گیا، آسمان وزمین، سورج وچاند اور جس ملک کو چاہے سوچ لیجیے وہ دل میں آ جائے گا، کیا شان ہے اللہ کی! تو جب شیطان دیکھے گا کہ میرا بزنس لاس میں جا رہا ہے، میں وساوس ڈال کر اس کو اللہ سے دور کر رہا تھا لیکن اس نے میرے وساوس کو بھی ذریعۂ معرفت بنالیا۔

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ملا اُسے غمِ جاناں بنا دیا

یعنی ہم نے دنیا کے غم کو بھی اللہ کے غم میں داخل کر دیا یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، جب تک وہ چاہیں گے غم رہے گا اور جب چاہیں گے ختم ہو جائے گا، میں نے تو اپنا قصہ آپ کو بتا دیا ورنہ اپنا حال بتانا ٹھیک نہیں ہے مگر آپ کی اصلاح وتربیت کے لیے اپنا ذاتی حال بتا دیا کہ بیس پچیس سال تک وسوسے نہیں گئے، میں جتنا خیالات کو بھگا رہا تھا وہ اتنے زیادہ آ رہے تھے، معمولی معمولی کام پہاڑ کی طرح بڑے نظر آتے تھے، لیکن اس کا فائدہ اب محسوس ہوا کہ ایک اللہ والے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب سے چپکے رہنے کی توفیق ملی، اگر وساوس نہ آتے اور پریشانی نہ ہوتی تو اللہ والوں کے پاس جانے کو دل ہی نہ چاہتا، یہ وہی کوتوال کے ڈنڈے ہیں جنہوں نے محبوب تک پہنچا دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

بہار من خزاں صورت گل من شکل خار آمد
چوں از ایمائے یار آمد ہمی گیرم بہار آمد

یعنی میری بہار خزاں کی شکل میں آئی اور میرا پھول کانٹوں کی شکل میں آیا لیکن چونکہ یہ اللہ کے حکم سے آیا لہٰذا میں یہی سمجھتا ہوں کہ میری بہار انہی کانٹوں میں ہے۔ تو میری تربیت کے لیے یہ سارا انتظام اللہ ہی کی طرف سے ہوا، میں نے پچیس سال تک تکلیف اٹھائی لیکن اللہ کے راستہ میں پڑا رہا۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ وسوسہ آپ کو ذرّہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جن کو زیادہ وسوسے آتے ہیں ان کو حدیث میں ایمان کی بشارت دی جارہی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کو ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ان کو منہ پر لانے سے بہتر یہ پسند کرتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہوجائیں اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی ذَاکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے۔ معلوم ہوا کہ جن کو زیادہ وسوسہ آتا ہے ان کا ایمان زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اسی لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں وساوس کے بارے میں فرماتے ہیں اَلسَّارِقُ لاَ یَدْخُلُ بَیْتاً خَالِیاً چور خالی گھر میں نہیں جاتا جہاں دولت ہوتی ہے وہیں جاتا ہے لہٰذا وساوس کی کثرت دلیل ہے کہ تمہارے دل میں ایمان کی دولت موجود ہے جس کو شیطان چُرانا چاہتا ہے لیکن چُرا نہیں سکتا صرف پریشان کرسکتا ہے اور پھر اس میں مزہ بھی ہے۔ دیکھیے ایک آدمی اپنے محبوب کے پاس جارہا ہے، اب کچھ لوگ اس کو وسوسہ ڈال رہے ہیں کہ کہاں جارہے ہو، تمہارا محبوب تو کچھ نہیں، اس کے اندر کوئی جمال نہیں، دو اِس کان میں کہہ رہے ہیں دو اُس کان میں کہہ رہے ہیں، ایسے میں وہ دندناتا چلا جائے کہ ہم اپنے محبوب کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے تو یہ ہے مکمل محبت۔ اسی طرح محبت کے امتحان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے شیاطین مقرر کردیئے جو اس کے کان میں کچھ کہتے ہیں لیکن مومن اس

کی پرواہ نہیں کرتا اور ہمارا بن کے رہتا ہے، لہٰذا یہ وساوس ہماری تکمیل محبت کا ذریعہ ہیں اور پھر آپ کو ان وساوس سے جو تکلیف ہوتی ہے اس پر آپ کے درجات کی ترقی ہوتی ہے، آپ کے گناہ معاف ہوتے ہیں یعنی کفارہ سیئات اور ترقی درجات اور اللہ والوں کے قرب کا ذریعہ ہے۔

تم خانقاہ میں چالیس دن لگالو پھر ان شاء اللہ اس کا اثر دیکھو گے بلکہ اگلے ماہ میں بنگلہ دیش جارہا ہوں تم بنگلہ دیش آجاؤ تو اور اچھا ہے تاکہ مربی بھی بے وطن ہو اور طالب بھی بے وطن ہو، ہم بھی اللہ کے راستہ میں اپنے گھر سے دور ہوں اور تم بھی، جب دونوں بے گھر ہوتے ہیں تب زیادہ فضل ہوتا ہے، اللہ کی رحمت زیادہ برستی ہے۔ اس پر میرا ایک شعر سن لیجیے ؎

مانا کہ بہت کیف ہے حب الوطنی میں
ہوجاتی ہے مے تیز غریب الوطنی میں

جب انسان اللہ کے لیے اپنے وطن سے دور ہوتا ہے تو اللہ تیز والی پلاتا ہے چنانچہ اپنے وطن میں نماز روزہ کا مزہ جب آئے گا جب آپ اللہ کے لیے بے وطن ہوں گے، جب دین سکھانے والا بھی بے وطن ہو، اپنے بچوں سے دور ہو اور سیکھنے والے بھی دور ہوں تو پھر کیا پوچھنا۔ کم سے کم ایک مہینہ بنگلہ دیش ٹھہر جاؤ جہاں میں ٹھہرتا ہوں۔ وہاں کے میزبان نے ایک میٹرو بس خریدی ہے اور مجھے خبر دی کہ آپ کے لیے خریدی ہے تاکہ آپ جہاں جانا چاہیں ہم میٹرو بس سے آپ کو مع احباب لے جائیں۔ دیکھو ہمارے ایسے محبت کرنے والے وہاں ہیں، اللہ تعالیٰ بنگلہ دیش میں عظیم الشان کام لے رہا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جس ملک میں اللہ تعالیٰ جس سے کام لینا چاہتے ہیں اُس ملک والوں کے دلوں میں اس مربی کے لیے حسنِ ظن اور محبت ڈال دیتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں ایسے بڑے محدثین مجھ سے بیعت ہیں کہ پورے ملک میں ان

سے بڑا کوئی عالم نہیں اور وہ لوگ ہندوپاک کے بڑے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں جیسے مولانا ہدایت اللہ صاحب بنگلہ دیش کے سب سے بڑے محدث ہیں، کسی بڑے سے بڑے عالم کی طرف رجوع نہیں ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ان کے دل میں حسن ظن ڈال دیا۔

اس کے علاوہ میں آپ کو طبی مشورہ دیتا ہوں کہ روزانہ سر پر تیل کی مالش کراؤ تاکہ دماغ تر رہے اور دوستوں میں رہو، اکیلے مت رہو، ہر وقت اللہ والے دوستوں میں رہو، کمزور دل و دماغ والوں کے لیے خلوت مضر ہے، ایسے مریضوں کے لیے چھ ماشہ خمیرہ موتی اصلی یا خمیرہ آبریشم، عرقِ عنبر ایک چمچہ اور چار چمچہ عرقِ گلاب کے ہمراہ صبح شام خالی پیٹ پی لو ان شاء اللہ قلب میں قوت آجائے گی۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کبھی دل و دماغ کمزور ہوجانے سے بھی وَساوِس کا غلبہ رہتا ہے جیسے کمزور آدمی کو ہر کوئی تھپڑ مارتا ہے، اسی طرح شیطان بھی تھپڑ لگاتا چلا جاتا ہے، دیکھتا ہے کہ اس کا دل و دماغ کمزور ہے، اس لیے جب دل و دماغ کو قوت پہنچے گی تو پھر ان شاء اللہ قوتِ مدافعت پیدا ہوجائے گی اور شیر آپ کو بکری لگے گا، ہاتھی مچھر لگیں گے اور جب قلب کمزور ہوجاتا ہے تو بلی بھی کودتی ہے تو لگتا ہے کہ شیر آگیا۔ تو قلب کی قوت کے لیے یہ دو نسخے بتادیئے اور میرا خاص ایک مشورہ بھی ہے وہ یہ کہ تنہا نہ رہیں، ہر وقت دوستوں میں رہیں اور دوست بھی ایسے جن سے آپ کو مناسبت ہو اور وہ آپ کو ہنساتے رہیں تاکہ دماغ اس میں مشغول رہے۔

میں یہ وساوس کا علاج بتا رہا ہوں کیونکہ میں خود مبتلا رہا ہوں۔ اُس زمانہ میں میرا سر وساوس کے بوجھ سے گرم ہوجاتا تھا، میں لاکھ چاہتا تھا کہ وسوسہ نہ آئے مگر وساوس جان نہیں چھوڑتے تھے لیکن اپنے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ اپنے کام میں لگے رہو اور اللہ والوں سے لگے لپٹے رہو، جب تک بریانی

پکتی ہے اس وقت تک دیگ کو آگ پر سے نہیں ہٹایا جاتا ورنہ بریانی کچی رہ جائے۔ بعض لوگوں کو اللہ نے تہجد، ذکر اور تلاوت سے اپنی ذات تک پہنچایا اور بعضوں کو خالی وساوس سے پہنچایا، پریشانی، ذہنی کوفت اور حزن وغم سے وہ اتنا تیز چلا کہ نفل والے پیچھے رہ گئے، صاحب حزن اللہ کا راستہ اتنا تیز طے کرتا ہے کہ نفل اور وظیفے والے اس تک نہیں پہنچ پاتے کیونکہ حزن وغم سے دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے، جیسے جب گھر بنتا ہو تو اس میں توڑ پھوڑ ہوتی ہے اسی طرح وساوس بھی توڑ پھوڑ کرتے ہیں، خواجہ صاحب کا شعر ہے۔

نہ گھبرا کوئی دل میں گھر کر رہا ہے
مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں

الحمدللہ! یہ فقیر اس راستہ سے گذر چکا ہے اس لیے آپ کو تسلی دے رہا ہوں کہ ایک وقت آئے گا کہ ان شاء اللہ سب وساوِس ختم ہو جائیں گے۔ اللہ کرے آپ کو ایسے دوست مل جائیں جو خوش دل ہوں، خوش الحان ہوں، خوش ذوق ہوں اور تھوڑا سا مزاح بھی جانتے ہوں۔

غیرتِ دینی

ارشاد فرمایا کہ مکہ کے ایک کافر نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تم لوگ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے نبی سے کہہ دو گے کہ جائیے آپ لڑیئے ہم لوگ یہیں بیٹھے ہیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصہ سے اس کافر سے فرمایا کہ اُمْصُصْ بَظَرَ اللَّاتِ (صحیح بخاری، ج:۱،ص:۳۷۸) جا تو اپنی دیوی لات کی شرمگاہ کے اوپر جو ابھرا ہوا گوشت ہے اس کو چوستا رہ، اُمْصُصْ امر ہے جس میں تجدد استمراری کی شان ہے یعنی ایک بار نہیں بار بار چوستا رہ۔ معلوم ہوا کہ ہر موقع کا ادب

الگ ہے، اس موقع پر ادب یہ نہیں تھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہتے کہ آپ نے یہ غلط فرمایا، یہ آپ کا خیال صحیح نہیں ہے، بلکہ اس وقت کا ادب یہی سخت جواب تھا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا۔ وحی کے نزول کا زمانہ تھا، اللہ تعالیٰ نے بھی تنبیہ کے لئے کوئی وحی نازل نہیں کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی اور یہ نہیں فرمایا کہ اے صدیق! تم نے خلاف تہذیب اور خلاف شرافت بات کی۔ اللہ و رسول کا سکوت دلیل ہے کہ یہ جواب منظور شریعت ہے اور دین کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کو ایسا جواب دینا عین دین ہے۔

مجلس بمقام اوخس (جنوبی افریقہ) بر مکان مولانا غلام حسین صاحب
۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ مطابق ۴؍جنوری ۱۹۹۶ء بروز جمعرات ۸؍بجے صبح

مقصدِ زندگی

ارشاد فرمایا کہ شیخ وہ ہے جو ہر وقت اللہ پر فدا رہے، رفقاءِ شیخ کو بھی اللہ پاک یہی مقام عطا فرمائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں کہ ہماری حیات مِن وعَن ہر سانس، ہر نفس مالک پر فدا رہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پر فدا کاری کے لئے دنیا میں بھیجا ہے کیونکہ وہاں اسبابِ فدا کاری نہیں تھے، سر نہیں تھا کہ سجدہ کرتے، پیٹ نہیں تھا کہ روزہ رکھتے، پیر نہیں تھے کہ طواف کرتے، زبان نہیں تھی کہ ذکر کرتے، دل نہیں تھا کہ ہر وقت قلب میں ان کو یاد رکھتے اور ان کی نافرمانی سے دل کو بچاتے۔ دل کو گناہوں کی لذت سے تحفظ کی فکر کرنا آسان نہیں ہے۔ شیطان کہتا ہے ارے ملا! ارے صوفی! اب آئندہ تو تو گناہ نہیں کرے گا مگر کم از کم پچھلے گناہوں کو یاد کر کے ان کا مزہ تو لوٹ لے اور گاڑی کو ریورس (Reverse) کر لے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دل میں گناہوں کے خیالات پکانے کو بھی حرام قرار دیا ہے یَعْلَمُ خَآئِنَةَ

اَلْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ لیکن دیکھا آپ نے کہ شیطان کس طرح گاڑی ریورس کراتا ہے اور دل میں گناہوں کی حرام لذت داخل کر کے دل کو تباہ کر دیتا ہے۔

لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّةَ الخ پڑھنے کی فضیلت

ارشاد فرمایا کہ جب بندہ لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو سن لو! میرے بندے جو لَاحَوْلَ پڑھ رہے ہیں یہ سب کے سب فرماں بردار ہو گئے۔ حدیث کی عبارت ہے اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَاسْتَسْلَمَ اس کی شرح کیا ہے؟ اَسْلَمَ عَبْدِیْ اَیْ عَبْدِیْ اِنْقَادَ وَ تَرَکَ الْعِنَادَ یعنی میرا بندہ فرماں بردار ہو گیا اور نافرمانی چھوڑ دی لہٰذا جب لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھو تو یہ مراقبہ کرو کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے میرے لیے فرما رہے ہیں کہ اے فرشتو سن لو! میرا یہ بندہ فرماں بردار ہو گیا۔ عَبْدِیْ اِنْقَادَ وَ تَرَکَ الْعِنَادَ اور وَاسْتَسْلَمَ کا کیا مطلب ہے؟ اَیْ فَوَّضَ عَبْدِیْ اُمُوْرَ الْکَائِنَاتِ بِاَسْرِھَا اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ میرے بندے نے اپنی کائنات کی تمام ضروریات کو میرے سپرد کر دیا۔ تو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا ایک عظیم انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ذکر فرشتوں سے فرماتے ہیں۔ مالکِ کائنات ہم غلاموں کو وہاں یاد فرمائیں کیا کرم ہے اُن کا! اس لئے جب لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھو تو اس میں یہ مراقبہ بھی کرلیا کرو تا کہ ہمارا دل خوش ہو جائے کہ زمین والوں کا ذکر عرشِ اعظم پر ملائکہ مقربین اور ارواحِ انبیاء ومرسلین کے سامنے ہو رہا ہے عِنْدَ الْمَلٰئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعِنْدَ اَرْوَاحِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

کھانے کے بعد کی دعا کی عجیب شرح

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں مجرمین کے

لیے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾

(سورۃ المرسلات، اٰیۃ:۴۶)

اس لیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو مجرموں کے کھانے سے الگ فرمایا اور ہمیں یہ دعا سکھائی کہ جب تم کھانا کھاؤ تو یہ دعا پڑھ لیا کرو:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ﴾

(سنن الترمذی، باب ما یقول اذا فرغ من الطعام، ج:۲، ص:۱۸۴)

اے اللہ! تیرا احسان ہے کہ ہم مسلمین ہو کر کھا رہے ہیں۔ کھا پی تو کافر بھی رہے ہیں لیکن ان کا کھانا مجرمانہ ہے، اس دعا میں اس کا شکر ہے کہ ہمارا کھانا مسلمانہ ہے اور اگر کوئی پوچھے کہ مسلمین کے کیا معنیٰ ہیں تو مشکوٰۃ شریف کی شرح پیش کردوں اَیْ مِنَ الْمُوَحِّدِیْنَ وَ الْمُنْقَادِیْنَ فِیْ جَمِیْعِ اَمْرِ الدِّیْنِ بظاہر تو یہ جملۂ خبریہ ہے مگر معنیٰ میں جملۂ انشائیہ ہے کہ توحیدِ کامل اور تمام اُمورِ شریعت میں پابندی کرنے کے بعد تم کو کھانا کھانا چاہیے ورنہ تمہارا کھانا غیر شریفانہ کھانا ہوگا۔ اور اگر نالائق ہو تو مستغفرین بن کر کھاؤ، اگر منقادین نہیں ہو تو کم از کم تائبین و مستغفرین تو بنو۔

قربِ عبادت اور قربِ ندامت

ارشاد فرمایا کہ بعض نعمت بعضوں کے لیے خاص ہے۔ عبادت مشترک ہے ملائکہ میں اور ہم لوگوں میں، وہ بھی عبادت کرتے ہیں اور ہم بھی عبادت کرتے ہیں مگر استغفار و توبہ اور ندامت کا لطف ہمارے ساتھ خاص ہے، فرشتے استغفار اور توبہ و ندامت نہیں جانتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان سے خطا نہیں ہوتی، تو توبہ کرنے میں اور معافی مانگنے میں جو مزہ انسانوں کو ملتا ہے وہ فرشتوں کو نہیں ملتا کیونکہ وہ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ہیں یعنی ان کو جو حکم دیا

جاتا ہے اس کے خلاف نہیں کرتے اور ہم اس کے خلاف خطا کرجاتے ہیں پھر ندامت طاری ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے پالنے والے سے کیا نالائقی کی۔ پس توبہ میں اور استغفار میں اتنا مزہ آتا ہے کہ جب بندہ گڑگڑا کر کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے معاف کردیجئے، میں بہت ہی نالائق ہوں کہ آپ کا کھا کر آپ ہی کے خلاف طاقت استعمال کرتا ہوں اور پھر بھی آپ میری روٹی بند نہیں فرماتے، آپ کی دی ہوئی روٹی سے جو خون بنا اور خون سے جو طاقت پیدا ہوئی اُس کو آپ کی نافرمانی اور گناہ میں استعمال کرتا ہوں اور آپ کے کرم کی انتہا ہے کہ پھر بھی آپ روٹی دیتے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی دنیاوی دوست ہو اور ہماری روٹی کھا کر الیکشن میں ہمارے خلاف چلے تو ہم پہلا کام یہ کریں گے کہ اس کی روٹی بند کردیں گے کہ اس نالائق کو روٹی مت دو تاکہ مخالفت کی طاقت ہی نہ رہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے گنہگاروں کی روٹی بند نہیں فرماتے۔ توبہ اور استغفار کا دروازہ اللہ نے نہ رکھا ہوتا تو شاید ہی کسی انسان کا سوائے انبیاء علیہم السلام کے جنت میں جانا آسان ہوتا۔ اس لئے استغفار اور توبہ بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی لذت عبادت سے زیادہ ہے۔ عبادت میں عجب و کبر ہوسکتا ہے، عبادت تو شیطان نے بھی بہت کی تھی مگر ندامت سے محروم رہا، عبادت میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہے مگر ندامت میں ہمارے ساتھ شریک نہیں اس لیے ندامت ہمیں شیطان سے ممتاز کرتی ہے اور باوفا قرار دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اپنی رحمت سے ندامت اور استغفار و توبہ کی دولت بھی نصیب فرمائی جو ہمارے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ توبہ اور معافی مانگنے کی لذت تمام عبادتوں سے الذ ہے اور اللہ کو محبوب ہے، حدیث پاک ہے:

﴿ لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴾

(تفسیر روح المعانی، ج: ۳۰)

اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ﴾

(سورۃ البقرۃ، اٰیۃ: ۲۲۲)

معلوم ہوا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے توبہ اور معافی کا مزہ عطا فرمایا۔ تو جس وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے اور معافی مانگتا ہے اور گڑگڑاتا ہے کہ مالک مجھے معاف کردیجئے تو اس کا مزہ وہی جانتا ہے جیسے کوئی بچہ باپ کی نافرمانی کرکے نادم ہوجائے اور ابا کے پیر پکڑ کر رونے لگے کہ ابا مجھے معاف کردیجئے تو ابا مارے خوشی کے اس کو لپٹا لیتا ہے تو اس کا مزہ وہی جانتا ہے، یہ ہے لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ اس لئے اللہ تعالیٰ نے معافی مانگنے کی بہت بڑی نعمت دی ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے عشاء کے بعد سجدہ میں جو سر رکھا تو فجر کی اذان تک یہ شعر پڑھتے رہے؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن

گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

اے خدا! امداد اللہ کو رُسوا نہ کرنا، اگرچہ میں گنہگار ہوں لیکن میرے گناہوں کو ظاہر نہ کرنا، میری رسوائی کو مخلوق پر ظاہر نہ کرنا۔

گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

فارسی میں پیدا کے معنیٰ ظاہر کرنے کے ہیں لہٰذا توبہ اور معافی مانگنے کی لذت عبادت کی لذت سے الگ ہے جو اللہ نے فرشتوں کو بھی نہیں دی، شیطان بھی اس سے محروم رہے، یہ صرف انسانوں کو عطا فرمائی۔ شیطان نے جو اللہ تعالیٰ سے کہا تھا اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ مجھ کو مہلت دے دیجئے تاکہ قیامت تک میں آپ کے بندوں کو بہکاتا رہوں تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ کاش یہ ظالم اَنْظِرْنِیْ کے بجائے اُنْظُرْ اِلَیَّ کہہ دیتا کہ اے اللہ مجھ پر مہربانی کی ایک نظر ڈال

دے دیجئے تو اس ظالم کا بیڑا پار ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ توفیقِ توبہ علامتِ مقبولیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَیۡهِمۡ لِیَتُوۡبُوۡا﴾

(سورۃ التوبۃ، آیۃ:۱۱۸)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی لِیَتُوۡبُوۡا تاکہ وہ توبہ کرلیں، معلوم ہوا زمین پر توفیقِ توبہ آسمان سے آتی ہے، لہٰذا جس کو توفیقِ توبہ ہوتی ہے سمجھو اُسے اللہ کی رحمت ومہربانی کا مال مل گیا۔ وہ مہربانی، عنایت ورحمت کا مظہر اور مورد ہوتا ہے، تو اللہ جس بندہ پر مہربانی کرتا ہے پھر وہ بندہ کیا کرتا ہے؟ وہ لِیَتُوۡبُوۡا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں لَا تَقۡرَبُوۡا رہو تو لَا تَفۡعَلُوۡا رہو گے اور تَقۡرَبُوۡا رہو گے تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ایک دن قربانی ہو جائے گی۔ اس لیے اپنے نفس پر کبھی اعتماد مت کرو۔ کسی نامحرم لڑکی کو مت پڑھاؤ چاہے قرآن شریف پڑھانا ہو۔ ایسے ہی اگر کسی لڑکے میں نمک اور کشش ہے تو اس کو بھی مت پڑھاؤ، پیٹ پر پتھر باندھ لو، فاقہ کرلو، سبزی بیچ لو، اللہ کے راستہ کی یہ ذلت آپ کی عزت کا سبب ہوگی۔ جن کو عشق بازی کا شدید مرض ہو وہ طلبہ کو پڑھانے کی نوکری نہ کریں۔ یہ خاص بات بتاتا ہوں۔ ایک تو وسوسہ ہے، ایک یہ ہے کہ وہ وسوسہ پر عمل کرلیتا ہے اور گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے تو ایسے کو جائز نہیں کہ وہ مُدَرّسی کا کام کرے، پھر وہ کیا کام کرے؟ وہ مؤذنی کا کام کرے، امامت کرلے، مُبلّغی کرلے، واعظ بن جائے۔ ورنہ کومی (سوزوکی) لے کر مال سپلائی کرلے، کنبہ پالنے کے لیے کومی کافی ہے، تجربہ کی بات بتا رہا ہوں۔ بس مقصود یہ ہے کہ ہماری کوئی سانس اللہ تعالیٰ کی ناخوشی میں استعمال نہ ہو اور ہر سانس اللہ پاک پر فدا ہو اور اگر کبھی لغزش ہو جائے تو اس کی تلافی توبہ واستغفار سے کردو، آنکھوں نے اگر حرام مزہ چکھ لیا تو اتنا روؤ کہ نفس بھی یاد کرے کہ دیکھو

اس نے تو ہمیں اتنا رُلایا کہ جتنا مزہ لیا تھا اس سے زیادہ سزا دے دی، چھ رکعات توبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے خوب روؤ اور نفس پر ناشتہ کی پابندی لگا دو، ایک آدھ وقت کا فاقہ کر دو تا کہ نفس ڈر جائے کہ بھئی بڑا اجلا دملا ہے، دیکھو تو آج کھانا بھی نہیں دے رہا، دن بھر روزہ رکھوا دیا۔

جسمانی ناشتہ تو ہو گیا، اب روحانی ناشتہ یہ ہے کہ جس کا ناشتہ کھایا ہے اس کے خلاف نہ کرو اور اگر خطا ہو جائے تو خطاءِ بندگی پر استغفار و توبہ عطاءِ خواجگی کا سبب بن جاتا ہے۔ خطاءِ بندگی پر استغفار و توبہ اور ندامت کے آنسو عطاءِ خواجگی کا ذریعہ ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو اور قریب کر لیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ندامت زیادہ پسند ہے کیونکہ مالک کے پاس عبادت کرنے والے تو بہت ہیں، فرشتے ہر وقت عبادت کرتے ہیں، وہاں عبادت کی کوئی کمی ہی نہیں لہٰذا ہماری عبادت سے زیادہ اللہ کو ہماری ندامت پسند ہے۔ لہٰذا ایسی توبہ کرو کہ جگر کا خون اس میں شامل ہو ؎

در مناجاتم ببیں خونِ جگر

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ میری مناجات میں میرا خونِ جگر شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دردِ دل سے معافی مانگو۔ آپ خود سوچیے آپ کا کوئی بچہ ہے اور مسکرا کر کہہ رہا ہے کہ ابا معاف کر دو، مسکرا بھی رہا ہے اور منہ ٹیڑھا کر کے سگریٹ کا کش بھی لگا رہا ہے۔ تو آپ کو اچھا لگے گا؟ لیکن اگر وہ پیر پکڑ کر رونا شروع کر دے اور ٹوپی اُتار کے زمین پر رکھ دے کہ ابا جتنے چاہے جوتے مار لو تو آپ خوش ہو جائیں گے۔ بس اللہ تعالیٰ سے معافی لینے کے لیے رونے والوں کی شکل بنا لو۔

بشارتِ منامیہ

ناشتہ کے بعد سب لوگ استراحت کے لیے لیٹ گئے۔ دس بجے کے قریب جب سب بیدار ہو گئے تو حضرت والا نے سب کو طلب فرمایا اور ارشاد

فرمایا کہ اوجس کے اس مدرسہ میں آج مولانا عبدالحمید صاحب کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، اس مقام پر زیارت ہونا اس مدرسہ کی قبولیت کی علامت ہے۔ اور جیسے تین حضرات صحابہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کی خوش خبری ملی تھی تو انہوں نے اپنا کرتا اُتار کر خوش خبری لانے والے کو دے دیا تھا۔ تو مولانا عبدالحمید صاحب کے خواب کے ذریعہ ملنے والی خوشخبری پر میں نے اپنا کرتا ان کو عطا کر کے سنتِ صحابہ ادا کی اور یہ کرتا میرے اور کرتوں میں حسین وجمیل تھا جو مولانا کی کالی داڑھی پر ماشاء اللہ زیادہ اچھا لگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے مبارک فرمائے۔

مولانا عبدالحمید صاحب کا خواب سنانے سے پہلے ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے مرشد شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ بے چینی سے کروٹ بدل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ اتنا بے چین کیوں ہیں؟ تو فرمایا کہ مجھ پر سورۂ انفال کا نزول ہورہا ہے۔ میں اُس وقت ہدایۃ النحو پڑھ رہا تھا، اُس وقت مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ کوئی سورۂ انفال بھی ہے۔ یہ اس خواب کے صادق ہونے کی دلیل ہے، تخیلات میں پہلے سے کوئی علم ہو تو اس کا تخیل ہوسکتا ہے مگر میں جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ بھی کوئی سورۃ ہے کیونکہ میں حافظ نہیں تھا تو میں نے بعد میں حضرت سے پوچھا کہ حضرت سورۂ انفال کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ سورۃ ہے جس میں فتح کا تذکرہ ہے اور مالِ غنیمت کا تذکرہ ہے۔

اس زمانہ میں ہمارے سرائے میر مدرسہ میں مولانا شبیر علی عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کا عظیم الشان جلسہ ہوا، تاریخ میں ایسا جلسہ کبھی نہیں ہوا تھا، لوگ تلواریں چمکارہے تھے اور نعرے لگارہے تھے، لے کے رہیں گے پاکستان بٹ کے رہے گا ہندوستان تو حضرت نے اس خواب کو سنتے ہی فرمایا کہ پاکستان بن جائے گا ان شاء اللہ اور پھر مجھ سے فرمایا کہ فوراً اپنے تمام پیر بھائیوں کو بلاؤ۔

جب سب آ گئے تو فرمایا کہ اب اپنا خواب ان حضرات کو سناؤ۔ اس لیے آج میں نے بھی اپنے تمام دوستوں اور مولانا کے پیر بھائیوں کو بلوایا ہے۔

اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اور لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ کی تفسیر ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ دنیا میں بشارت کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی اپنے لئے یا اُس کے احباب اس کے لیے اچھا خواب دیکھیں یعنی یا خود دیکھے یا اُس کے احباب دیکھیں تو یہ لَهُمُ الْبُشْرٰى کی تفسیر ہے۔ پس اس وقت مولانا غلام حسن کے مدرسہ اوخس میں اللہ تعالیٰ نے مولانا عبدالحمید کے ذریعہ عظیم الشان بشارت عطا فرمائی، ہم اس کے شکر گذار ہیں، اس کے اہل نہیں ہیں، مالک کریم ہے وہ نااہلوں پر بھی مہربانی کرنے والا ہے۔ کریم کی شان ہی یہی ہے کہ جو کسی نعمت کا مستحق نہ ہو وہ اس کو بھی محروم نہ فرمائے، اس کو کریم کہتے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دلیل قرآنِ پاک کی اس آیت سے پیش کی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

(سورۃ التوبۃ، اٰیۃ: ۱۱۱)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دل اور روح اچھا سودا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اچھے سودے کا تذکرہ نہیں کیا اور جو خراب چیز تھی یعنی نفس اُس کی خریداری کا ذکر قرآن پاک میں نازل فرمایا، نفس خراب چیز ہے، امارہ بالسوء ہے، اللہ تعالیٰ نے امارہ بالسوء کو خریدا جو کثیر الامر ہے، خطا کار ہے، نالائق ہے، خطاؤں کا تعلق نفس سے ہے جبکہ مؤمن کا دل اور مؤمن کی روح بہت شاندار ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کا گھٹیا اور خراب مال خریدا ہے بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ لَا عَيْبَ فِيْهَا بعوض جنت کے جس میں کوئی نقص، کوئی عیب نہیں ہے یعنی جو چیز میں خرید رہا ہوں وہ عیب دار ہے مگر میرا ثمن جس کے بدلے میں

خرید رہا ہوں اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کریم ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے کہ عیب دار سودا خرید رہے ہیں اس ثمن کے عوض میں، اس جنت کے بدلے میں جس میں کوئی عیب نہیں وہاں کوئی کالی، لنگڑی، لولی نہیں نہ وہاں کسی قسم کا کوئی غم، کوئی پریشانی ہے، وہاں عیب ہے ہی نہیں، وہاں گنہگار بھی جائیں گے تو وہ بھی بے عیب کردیے جائیں گے یعنی ان کو گناہ کا وسوسہ بھی نہ آئے گا۔ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ وہاں غلمان ہوں گے جو بچے ہوں گے اور ہمیشہ بچے رہیں گے اور ایسے ہوں گے جیسے چمکتے ہوئے موتی مگر کسی کو ان کے متعلق وسوسہ بھی نہیں آئے گا، ایسے ہی حوریں ہیں کہ کسی کی حور دوسرے کے سامنے آجائے تو معاصی تو درکنار معاصی کا خیال بھی نہیں آئے گا۔

تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کریم ہونے کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ ایسی جنت جو لَا عَيْبَ فِيْهَا ہے عیب داروں کو عطا فرما رہے ہیں، کریم وہی ہے جو نالائقوں پر بھی مہربانی کرے، بندہ کے اندر کوئی کمال نہیں ہے مگر اُس کریم کا کمال ہے کہ بے کمالوں پر بھی مہربانی کرے، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔

اب مولانا عبدالحمید صاحب کی زبان سے ان کا خواب سنیے۔ مولانا عبدالحمید صاحب (ساؤتھ افریقہ) نے مندرجہ ذیل خواب سنایا:

ابھی ناشتہ کرنے کے بعد ہم لیٹے تو بیچ میں آنکھ کھلی پھر آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ حضرت مدظلہم کے ساتھ ہم مدینہ منورہ میں ہیں، تقریباً آٹھ بجے صبح ہم سب حضرت مدظلہم کے ساتھ مسجد نبوی گئے۔ حضرت والا کی مجلس کی جگہ مسجدِ نبوی کے بالکل درمیان میں ہے، حضرت مدظلہم روضۂ مبارک پر صلوٰۃ وسلام کے لئے حاضر ہوئے، مواجہہ شریف اور قدمین شریف کے بیچ کے کونہ پر حضرت

مدظلہم تشریف فرما ہوئے اور صلوٰۃ وسلام اور درد و نالہ اور آہ وفغاں شروع کیا، حضرت کافی دیر وہاں رہے۔ پھر مسجدِ نبوی کے بالکل درمیان میں حضرت والا کی مجلس کی جو جگہ ہے وہاں ہم چند ساتھی بیٹھے ہیں، میں وہاں خواب ہی میں سوگیا۔ اور پھر اس خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور حضرت والا بہت خوشی اور وجد کے عالم میں صلوٰۃ وسلام عرض فرمارہے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ دیکھو میرے اختر کو۔ پھر حضرت والا بارہ ایک بجے وہاں مجلس کے لیے تشریف لے آئے اور بہت مختصر مجلس ہوئی۔ پھر ہم سب دوست احباب مکہ شریف روانہ ہوئے تو حضرت والا کے لئے ایک خاص گاڑی لائی گئی جو کوسٹر سے کچھ بڑی اور بس سے کچھ چھوٹی تھی اور بہت آرام دہ تھی، اس میں حضرت والا بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور خدام پاؤں دبارہے تھے اور میں اور مولانا یونس پٹیل صاحب پاؤں کی طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر کچھ احباب کہنے لگے کہ حضرت کا کیسٹ اب سعودیہ میں بکنے لگا ہے اور مارکیٹ میں آگیا ہے تو مجھے تعجب ہوا۔ میں کچھ سمجھا نہیں تھا۔ تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو میری کیسٹ اب یہاں بھی بکنے لگی ہے۔ میں نے مولانا یونس صاحب سے پوچھا یہ کون سی کیسٹ ہے؟ انہوں نے چپکے سے بتایا کہ ویسے تو حضرت کی کئی کیسٹیں آچکیں مگر یہ خاص مضمون تھا جو بہت ہی نمایاں تھا۔ مولانا یونس صاحب نے بتایا یہ بیان جو حضرت کا ہوا ''روح البیان'' کی طرف اشارہ ہے۔ (یہ سن کر حضرت والا نے فرمایا کہ آج فجر کے بعد جو بیان ہوا اللہ تعالیٰ کا کرم ہی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔) تو اس کا تأثر جو ہوا وہ یہ تھا کہ اب تصوف ممالکِ عربیہ میں مقبول ہے اور حضرت اس کا ذریعہ ہیں، اس کے فاتح ہیں۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃُ حضرت والا مدظلہم نے فرمایا کہ سب لوگ کہو اَللّٰھُمَّ

لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ تین مرتبہ فرمایا اور فرمایا سب درود شریف پڑھو۔ یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ ماشاء اللہ مولانا عبدالحمید اور مولانا یونس پٹیل سے فی الحال سلسلہ کا کام بھی زیادہ ہو رہا ہے یعنی ان کے بھی مرید ہونے شروع ہو گئے اور ان کے بھی، میرے دل میں یہ بات رہتی ہے کہ جنوبی افریقہ میں ان دو عالموں کے ذریعہ میرا کام زیادہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے سارے ہی احباب سے کام لے لے۔ میں چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اختر کو، میرے سارے احباب کو بلا استثناء اپنے دردِ محبت کے لیے قبول فرمالے۔ سارے عالم میں ہر انسان اللہ پر فدا ہو جائے۔ اس کی کوشش کی جائے کہ ایک انسان بھی ایسا نہ ہو جو اللہ پر فدا نہ ہو۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا کام قبول کرنا ہے اور ہمارے ارادے کو مراد تک پہنچانا ہے۔ ہمارا کام اچھے ارادے کرنا ہے، ہمارے ارادے کو مراد تک پہنچانا مالک کا کام ہے۔

میری جو خواہش ہے کہ ہم سب اور میری اولاد و احباب ایک سانس بھی اللہ کو ناراض نہ کریں، بتاؤ میرا یہ جذبہ اور میری یہ خواہش اچھی ہے یا نہیں؟ دردِ دل سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری زندگی کی ایک سانس بھی ایسی نہ گذرے جس میں آپ کی ناخوشی کی راہ سے ایک ذرّہ خوشی ہم قلب میں استیراد، درآمد اور امپورٹ کریں، جس سے مالک ناخوش ہو ایسی باتوں سے، ایسے الفاظ سے، ایسے اعمال سے، ایسی حرکات سے، ایسے سکنات سے، ایسے لمحات سے، ایسے اوقات سے، ایسے لحظات سے اللہ تعالیٰ ہم کو محفوظ فرمائے اور جو باتیں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہیں میری اور میری اولاد کی، میرے احباب کی زندگی اللہ تعالیٰ کی انہی خوشیوں پر فدا ہو جائے اور اس کی ناخوشی کی راہوں سے بچنے کی منفی یاد بھی ہم کو نصیب ہو جائے کیونکہ یاد کامل جب ہوتی ہے کہ اپنے مالک کو ہم خوش

کریں اور ان کی ناخوشی سے اپنے کو بچالیں۔ اگر خوشی والے اعمال ہم کرتے ہیں اور گناہوں سے نہیں بچتے تو ہم ذکرِ مثبت کرتے ہیں لیکن اگر ہمارا ذکرِ منفی کمزور ہے تو نیک عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق تو ادا ہوگا، مگر گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوگا۔ نیک عمل اور عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے اور گناہ سے بچنا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا حق ہے۔ بتاؤ اللہ تعالیٰ کی خوشی کا کیا ذریعہ ہے؟ خالی محبت کا حق ادا کرتے رہو؟ حج، عمرہ، ملتزم پر چمٹنا، روضۂ مبارک پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا، تسبیح پڑھنا مگر نافرمانی سے نہ بچنا؟ محبت کا بھی حق ادا کرو، عظمت کا بھی حق ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا جو حق ادا نہیں کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ کا خاص تعلق نصیب نہیں ہوسکتا گو رائیگاں وہ بھی نہیں ؎

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم

یہ مطلب نہیں کہ کوئی نالہ، کوئی فریاد رائیگاں جائے گی، ثواب تو سب پر ملے گا بس ایک نالہ ایسا ہوجائے جو مالک کو قبول ہوجائے، اگر زندگی میں ایک حرکت یا سکوت، فعل یا قول قبول ہوجائے تو اللہ کے یہاں جو مقبول ہوتا ہے تو بِجَمِیْعِ اَجْزَاءِ ہٖ مقبول ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ وقتی طور پر مقبول ہوگیا پھر نامقبول ہوگیا۔ اس کے تمام اعمال واخلاق کی مقبولیت اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، جس کو اپنا بناتے ہیں اس کو بِجَمِیْعِ قُلُوْبِہٖ وَقَوَالِبِہٖ وَ بِجَمِیْعِ اَقْوَالِہٖ وَ اَعْمَالِہٖ وَ اَخْلَاقِہٖ اپنا مقبول بناتے ہیں، اگر وہ گناہ کرنا بھی چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ فرماتے ہیں جیسے چھوٹا بچہ گندی نالی میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو ماں اس کے ایک ہلکا سا تھپڑ لگاتی ہے اور کھینچ کر نالی سے دور کردیتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کی دودھ پیتے بچہ کی طرح گناہوں سے حفاظت فرمائے۔

حدیث اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً الخ کی شرح کی عجیب تمثیل

حدیث شریف کی دعا ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ﴾

(مجمعُ الزوائد)

اگر بچہ نادانی سے کوئی مضر اور نامناسب کام کرنا چاہتا ہے تو ماں پہلا کام یہ کرتی ہے کہ اس کو اس کام سے بچالیتی ہے۔ اسی طرح اے اللہ! اگر ہم کوئی نامناسب فعل کرنے کی جرأت کریں تو ہمیں اپنی رحمت سے کھینچ کر بچالے اور اگر بچہ کوئی غلط چیز زہر وغیرہ کھالے تو ماں اپنی انگلی اس کے منہ میں ڈال کر قے کرادیتی ہے۔ اسی طرح اگر بندہ سے گناہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہاتھ ہمارے گناہوں کو قے کراتا ہے بذریعہ اشکِ ندامت وآہ وزاری اور اشکباری پھر اس کے بعد اپنی یاری کو بحال کردیتا ہے۔ اور اگر زہریلا مادّہ بچہ کے جسم میں آگے بڑھ گیا ہے جہاں تک ماں کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تو ڈاکٹر سے کہتی ہے کہ اس کو دوا دے دیجیے اور قے کرادیجئے، ماں کی انگلی تو صرف حلق تک جاسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تو ہر جگہ پہنچا ہوا ہے، وہ مالک تو ایسے ہیں کہ جسم کے ذرّہ ذرّہ پر قادر ہیں۔ پس جو بندہ گناہوں کے زہر کا عادی ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اس کو روحانی ڈاکٹر یعنی مشایخ کے پاس جانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں تاکہ اس بندہ کے گناہوں کی ظلمات کے پہاڑ اس اللہ والے کے صدقہ میں اور اس کی برکت سے، اُجالے سے، انوار سے بدل جائیں۔

آج صبح کا جو بیان تھا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے نہایت خوش ہوگئے ہوں گے۔ جیسے کسی کے دس بچے ہیں، کچھ لائق ہیں کچھ نالائق ہیں، ایک بچہ سب کو لائق بنانے کی فکر کرتا ہے اور سب کو سمجھاتا ہے کہ دیکھو بھائیو! ابا کو ناخوش کرنا اچھا نہیں ہے، تم سب ابا کا کام تو کرتے ہو مگر ان کی ناخوشی سے نہیں

بچیے۔ دیکھو! ابا جس بات سے خوش ہوں وہی عمل کیا کرو اور جس بات سے ناخوش ہوں اے میرے بھائیو! کتنا بھی مزہ آئے اس کام پر لعنت بھیجو، اپنے باپ اور پالنے والے کو ناراض نہ کرو تو ابا ایسے بچے سے خوش ہوں گے یا نہیں؟ امید ہے کہ اختر کی اس تقریر سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو جائیں گے کہ میرا یہ بندہ میری خوشیوں کے اعمال پر بھی تقریر کر رہا ہے اور میری ناخوشی سے بچنے کی بھی ترغیب دے رہا ہے۔ امید ہے کہ ربا ایسے بندہ سے خوش ہو جائیں گے جو ایک سانس بھی اپنے اللہ کو ناراض نہ کرنے کی تعلیم دے رہا ہو اور سب کو ہر سانس اللہ پر فدا کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہو۔

بعض وقت شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ ہم تو بہت ہی نالائق ہیں ہمارے اوپر اللہ کی رحمت اور فضل کی کیا صورت ہوگی؟ شیطان حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آفتابت برحد شہامی زند
لطفِ عام تو نمی جوید سند

اے خدا! آپ کا آفتاب اور سورج جو دنیا کے آسمان پر چمک رہا ہے یہ جنگل میں گائے اور بھینس کے گوبر پر اور لید اور نجس گندگی پر اثر ڈالتا ہے، اپنی شعاعیں نہیں ہٹاتا کہ تم جیسے خبیث اور لید اور پائخانہ اور گوبر پر میں اپنی پاک شعاعیں کیوں ڈالوں؟ تو اے اللہ! آپ کی رحمت کے آفتاب کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اے آفتابِ کرم اگر آپ اپنی ایک شعاع ہم نالائقوں پر ڈال دیں تو ہماری نجاستیں پاکی سے اور ہمارے اخلاقِ رذیلہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں گے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۲۱ رستمبر ۱۹۹۷ء، جنوبی افریقہ کے جنگل میں حضرت والا کے ارشادات

اللہ کا راستہ، اللہ کا واسطہ، اللہ کا رابطہ دیکھئے! یہ تین قافیہ ہیں جس کو ہم

نے جمع کر دیا۔ بتاؤ! اس جنگل میں یہ خیمہ اور اللہ کی محبت میں اشعار، اللہ کے عاشقوں کی محفل کیا سارے عالم کی سلطنت سے افضل نہیں ہے؟ سلطنت کیا بیچتی ہے، تخت و تاج کیا بیچتے ہیں، سورج اور چاند کی روشنی کیا بیچتی ہے، لیلائے کائنات اپنی نمکیات کو کیا بیچتی ہے، مجانینِ عالم اپنی عشق بازی کیا دِکھاتے ہیں اللہ کے سامنے سب کچھ ہیچ وخوار ہے قیامت کے دن سب ختم ہو جائیں گے نہ سورج ہوگا نہ چاند اور لیلائیں تو اس دنیا میں ہی فانی ہو رہی ہیں قبروں میں جا جا کر اور اہل دولت اپنی دولت چھوڑ کر قبروں میں جا رہے ہیں، دنیا کی مستیاں خواب ہیں، اگر کوئی نعمت باقی ہے اور مست کرنے والی ہے تو وہ اللہ کی محبت ہے۔ اگر فی الحقیقت مستی چاہتے ہو تو اللہ کے دیوانے بن جاؤ۔ اس سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب اس دنیا میں نہیں نہ پاپڑ اور سموسہ کھانے والا نہ تخت و تاج والا نہ زین اور دولت والا بس اگر خوش نصیب ہیں تو خدائے تعالیٰ کے عاشقین ہیں۔

ایک ادنیٰ مثال دیکھ لو، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پیاروں کی غلامی کا شرف بخشا آج اس کے صدقے میں دیکھو جنگل میں اختر بیٹھا ہے اور ہم دوسروں کے خیموں کا مزہ لے رہے ہیں ہمیں اپنے خیمے کی فکر نہیں ہے، بے خیمہ سارا عالم میرا خیمہ ہے سارا عالم میری خانقاہ ہے، مجھے ایک خانقاہ سے محبت نہیں ساری زمین ہماری خانقاہ ہے جہاں بیٹھ جائیں ان شاء اللہ اللہ آپ کو وہاں پہنچائے گا آپ خود نہیں آتے بھیجے جاتے ہیں، آپ اپنے دل میں خود سے کہہ سکتے ہیں۔

میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں
محبت دے کے تڑپایا گیا ہوں
سمجھتا لاکھ اسرار محبت
نہیں سمجھا میں سمجھایا گیا ہوں

میں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، حافظ شیرازی کا وہ شعر یاد آتا ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ حکم بر فلک و ناز بر ستارہ کنم

میں اپنے شیخ سلطان نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا ایک ادنیٰ فقیر ہوں جھاڑو لگانے والا ہوں لیکن جب میں اللہ کے ذکر ومحبت سے مست ہوتا ہوں تو پھر اس وقت مجھے دیکھو کہ میں آسمان پر ناز کرتا ہوں اور ستاروں پر حکومت کرتا ہوں۔ یہ ہے اللہ والوں کی شان اور ان کے نشان، نہ بغل میں چھتری، نہ پیٹ میں مچھلی، نہ سر پر ٹوپی، نہ منہ میں پان یہ ہے اللہ والوں کی شان۔ ایک بہت بڑے محدث حضرت مولانا درخواستی صاحب حافظ الحدیث مشہور تھے ایک لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے جب وہ بنگلہ دیش گئے تو انہوں نے بنگال کے لوگوں کو دیکھا کہ سب مچھلی کے عاشق ہیں، بغل میں چھتری ہے، سر پر ٹوپی اور منہ میں پان ہے، تو وہاں کے ایک عالم نے مجھے بتایا کہ مولانا نے اپنی تقریر میں کہا کہ پیٹ میں مچھلی، بغل میں چھتری، سر پر ٹوپی، منہ میں پان یہ ہیں بنگالی کے چار نشان سب لوگ کہو سبحان اللہ۔ تو میں نے کہا کہ دیکھو آج یہاں اس مجمع میں کسی کے بغل میں چھتری نہیں اور پیٹ میں مچھلی نہیں سر پر ٹوپی ہے مگر منہ میں پان نہیں اور یہ ہے اللہ والوں کی شان کہ دوسروں کے خیمے میں بیٹھے سلطنت کررہے ہیں۔ دیکھئے اب ایک واقعہ سناتا ہوں شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ میرے پیر ومرشد نے فرمایا کہ ہم لوگ سفر کررہے تھے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفاء ومریدین کے ساتھ سفر کررہے تھے تو میرے پیر شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت کے سر پر تیل کی مالش کررہے تھے تو حکیم الامت نے فرمایا کہ اس وقت مولانا عبدالغنی میرے سرپرست ہیں۔ آہ! کیا مزاح ہے اس کے بعد اسٹیشن آیا تو کچا چنا ہوتا ہے ہرا ہرا وہ سب چھیل کے کھانے لگے تو حکیم الامت

نے فرمایا کہ آپ سب کے ہاتھ فارغ ہیں اور آپ لوگ کچا چنا مزہ لے کر کھا رہے ہو اور ہمارے مولانا عبدالغنی کے ہاتھ میری سرپرستی میں مشغول ہیں لہٰذا تم چھیل چھیل کر چنا ان کے منہ میں ڈالو، یہ آپ کا فرض ہے کیونکہ یہ میرا دیوانہ ہے اور دیوانے کی فکر بر سر دیگراں ہے۔ تو اس کے بعد حضرت نے یہ جملہ فرمایا ؎

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند

تم اللہ کے دیوانے بن جاؤ تو تمہارا غم دوسرے اٹھائیں گے اور تم کو کہنا بھی نہیں پڑے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہوگا ؎

حسن کا انتظام ہوتا ہے
عشق کا یوں ہی نام ہوتا ہے

پھر حضرت مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں چونکہ بہت تمبا کو کھاتا تھا تو جب سر کی مالش کرتے وقت منہ قریب ہوا تو حضرت کو بو محسوس ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تمبا کو دماغ کو نقصان پہنچاتا ہے بس اور کچھ نہیں فرمایا، حضرت نے فرمایا کہ وہ دن ہے کہ آج تک میں نے تمبا کو نہیں کھایا اور فرمایا کہ دوسرے لوگ تو تمبا کو کھاتے ہیں لیکن میں بھکوستا تھا یعنی یوں ہتھیلی میں لیا اور منہ بھر کر کھالیا، اتنی عادت تھی مگر اللہ کے لیے شیخ سے محبت تھی، پیر کی محبت پر جو جان دیتا ہے اس کی محبت اللہ پر فدا ہوتی ہے، اسے اللہ ملتا ہے، یہ عجیب راستہ ہے جو پہلے اللہ والے پر فدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ذات پر فدا کرتے ہیں۔ یہ زینہ بزینہ راستہ ہے۔ صحابہ کرام نے پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جان فدا کی تب صحابہ اللہ پر فدا ہوئے۔ اللہ والوں کی محبت فرسٹ ایڈ ہے اس کے بعد پھر اعلیٰ مقام ملتا ہے، اللہ والوں کی صحبت کی برکتوں سے احسانی کیفیت ملتی ہے۔ آپ ایک لاکھ کتابیں پڑھ لیں ایک لاکھ کتابیں پڑھا لیں لیکن آپ کی عبادت میں مزہ اور درد نہیں آئے گا جب تک کسی اللہ والے کی صحبت نہ اٹھائیں

گے۔ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے ساتھ رہوتو آپ کو ایسا درد ملے گا ایسا ایمان ویقین ملے گا کہ تمہاری دو رکعت نماز ایک لاکھ رکعات سے بڑھ جائے گی اور وہ بدھو اور بے وقوفوں کی جماعت ہے کہ جو الگ الگ اپنی عبادت کررہے ہیں لیکن اللہ والوں کی صحبت نہیں اٹھاتے شیطان ان کو الو بنادیتا ہے تکبر اور بڑائی دل میں ڈال دیتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دیہاتی روزانہ تہجد پڑھتا تھا مگر اللہ والوں کی صحبت میں نہیں جاتا تھا، اپنی تہجد پر اس کو ناز تھا۔ ایک دن ایک جاہل اس کی چھت پر چڑھ گیا اور جب یہ تہجد پڑھ چکا تو اس نے کہا میں تمہارا رب ہوں تم تہجد پڑھتے پڑھتے بڈھے ہوگئے اب مجھے رحم آرہا ہے میں نے تمہارا تہجد معاف کردیا دوسرے دن سے اس نے تہجد چھوڑ دیا۔ دیکھا آپ نے اگر یہ اللہ والوں کی صحبت میں ہوتا تو سمجھ جاتا کہ یہ کوئی شیطان ہے۔ اس لیے کہتا ہوں کہ اہل اللہ کی صحبت ایک لاکھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ یہ قول حکیم الامت کا ہے اور مجھے مولانا تقی صاحب نے بتایا کہ میرے والد مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ حکیم الامت نے فرمایا کہ کچھ دیر اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنا ایک لاکھ سال کی عبادت سے افضل ہے تو میرے اور حکیم الامت کے درمیان میں دو راوی ہیں مولانا تقی عثمانی اور مفتی شفیع صاحب بتاؤ کیسی سند ہے۔ بھئی خود دیکھ لو اس وقت ایمان ویقین بڑھ رہا ہے یا نہیں حالانکہ اس وقت تسبیح اور ضربیں نہیں ہیں مگر نفس پر ضرب لگ رہی ہے اور ایمان ویقین بڑھ رہا ہے کہ نہیں؟ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو شمس الدین تبریزی کی صحبت نہ ملتی تو مولانا رومی سے ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار کا ظہور نہ ہوتا اور یہ بھی فرمایا کہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اگر سو برس تک رات بھر تہجد پڑھتے تو وہ ایمان ویقین وہ درد

محبت وہ دردِ دل وہ اللہ کی محبت کی آگ ان کو نہ ملتی جو شمس الدین تبریزی کے سینے سے ملی اس لیے کہتا ہوں دوستو! اپنی تنہائی کی عبادتوں کو اہمیت مت دو، شیطان بھی بہت عبادت کرتا تھا لیکن محض عبادت کچھ کام نہ آئی۔ لہٰذا جو شخص اللہ والوں کی صحبت میں رہے گا گمراہ نہیں ہوگا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا ان شاء اللہ۔ بس اللہ والوں کے ساتھ لگ جاؤ۔ میں نے اللہ کے راستے میں اپنی اٹھارہ سال کی جوانی پیش کی ہے بتوفیق خداوندی اور بفضلِ خدائے تعالیٰ، ہمارا کمال نہیں ہے اٹھارہ سال کی جوانی اور شاعر کا عالم شباب کیسا ہوتا ہے، آپ ایسے نہیں سمجھیں گے، میری جوانی کا پہلا شعر سن لو بلا استاد، شاعری میں میرا کوئی استاد نہیں، دردِ دل میرا استاد ہے دردِ دل کا کیا مقام ہے یہ میں نے دوسرے شعر میں بیان کیا ہے ؎

دوستو دردِ دل کی مسجد میں

درد دل کا امام ہوتا ہے

کسی نے پوچھا کہ مرغا کب بالغ ہوتا ہے تو چڑیوں کے ماہر نے کہا کہ جب وہ ککڑوں کوں لگا دے تو سمجھ لو کہ آج بالغ ہوگیا اور مسلمان اور مومن کب بالغ ہوتا ہے؟ جب اس کے دل میں ایسا درد پیدا ہو کہ بغیر کسی دعوت کے، کسی کو بلائے بغیر آہ وفغاں کررہا ہو اگر کوئی اس کی آہ کا سننے والا نہ ہو تو جنگلوں میں اللہ کو آہ سنائے گا، وہ مجبورِ آہ وفغاں ہوجاتا ہے اور اس کے بالغ ہونے کی دوسری علامت یہ ہے کہ پھر دنیا کی لیلاؤں کی طرف نہیں دیکھتا وہ اللہ تعالیٰ پر فدا رہتا ہے یہ دلیل ہے کہ بالغ ہوگیا۔ کیوں؟ جیسے کہ انسان کے چھوٹے بچہ کو ایک لڈو یا ٹافی دے دو اور ایک کروڑ کا ایک موتی اس سے لے لو وہ خوشی سے دے دے گا اور کہے گا آپ کا بہت شکریہ آپ نے ٹافی کھلا دی، اس کو خبر نہیں کہ اگر میں اس ایک کروڑ کے موتی کو بیچتا تو ٹافی کیا ساری زندگی مرغیاں اڑاتا اور

ٹافی بھی کھاتا۔ ایسے ہی انسان کو شیطان جب کالی یا گوری لیلاؤں کا لڈو پیش کرتا ہے تو وہ پاگل کی طرح سے الو کی طرح سے دیکھنے لگتا ہے اور مولیٰ کے انمول موتی کا اس کو پتا ہی نہیں کہ میں کیا کھو رہا ہوں اور کیا پا رہا ہوں، کیا دے رہا ہوں اور کیا لے رہا ہوں، مولیٰ کو چھوڑ رہا ہوں اور شیطان کا لڈو لے رہا ہوں تو یہ نابالغ ہونے کی علامت نہیں ہے؟ یہ سب امیر الحمقاء نہیں ہیں؟ رئیس الحمقاء، سلطان الحمقاء امیر الحمقاء یعنی احمقوں اور بے وقوفوں کا بادشاہ، یہ لقب میں اعزازی دے رہا ہوں اور سمجھ لو کہ سالک اور مرید کب ولی اللہ ہوتا ہے؟ جب وہ لیلاؤں سے نگاہ بچانے لگے اور مولیٰ کی قیمت اسے معلوم ہو جائے اور قیمت تب معلوم ہوگی جب مولیٰ دل میں آئے گا لہٰذا سمجھ لو جو شخص بدنظری کا ارتکاب کرتا ہے وہ ابھی صاحب نسبت نہیں ہے، بالغ نہیں ہے نابالغ ہے۔ کیونکہ وہ مٹی کے لڈو دیکھ رہا ہے۔ کالی گوری عورتیں کیا ہیں؟ مٹی نہیں ہیں؟ مٹی کا رنگ وروغن اور ڈسٹمپر ہے، قبروں میں جا کر ان کو دیکھ لینا کہ مٹی ہیں یا نہیں۔ تو جو اپنی مٹی کو مٹی پر مٹی کرتا ہے وہ بے وقوف ہے یا نہیں؟ ہم بھی مٹی عورتیں اور امرد سب مٹی تو جو اپنی مٹی کو مٹی پر مٹی کرتا ہے قیامت کے دن خاک ہی پائے گا۔ اسی لیے میرا شعر ہے؂

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

لیکن یہاں تو میری آہ وفغاں کو سنتے ہو لیکن جب سڑکوں پر حسین شکل نظر آئے وہاں ہم کو پاس ہو کر دکھاؤ تب میرا دل خوش ہوگا کہ میرے شاگرد الحمدللہ اس مقام پر پہنچے کہ مٹی کے ڈسٹمپروں کی طرف رخ نہیں کرتے، راہِ پیغمبر اختیار کرتے ہیں۔ تو میرا پہلا شعر کیا ہے؟ سنئے بہت عجیب وغریب ہے نہ کوئی استاد، نہ کوئی اسکول، میں ایک گاؤں کا رہنا والا ہوں لیکن آج میری زبان پر

الحمدللہ لکھنؤ اور دہلی رشک کرتے ہیں، دہلی کا ایک شخص مجھے جدہ میں ملا میں نے اس کو اپنا ایک شعر سنایا ؎

کس درجہ حلاوت ہے مرے طرزِ بیاں میں
خود میری زباں اپنی زباں چوس رہی ہے

تو وہ کہنے لگا اس کی قدر مجھ سے پوچھو میں دہلی کا ہوں، اس شعر کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ تو جب جوانی میں میری زندگی کا پہلا شعر ہوا اور اسی حالت میں میں نے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ جلدی اپنے کو بیچ دو ورنہ مجھ کو کوئی اور خرید لے گا، میں نے سوچا میری جوانی ہے اور شاعر کی جوانی ہے اگر میں نے اپنے کو اللہ والوں کے ہاتھوں نہ بیچا فروخت نہ کیا یعنی بیعت نہ ہوا اور بیعت کے معنیٰ ہیں بیچنا، اگر کسی اللہ والے کے ہاتھ پر میں نے اپنے کو فروخت نہ کیا تو مجھے پتا نہیں کتنے خریدیں گے اور میں کس کس مارکیٹ میں بکوں گا کیونکہ عشق کا مادّہ تھا، ہر حسین خریدنے کے لیے آنکھیں مارتا، چشم زدنی کرتا۔ بالغ ہوتے ہی میری زندگی کا پہلا شعر یہ ہے ؎

دردِ فرقت سے مرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں ایک ماہی بے آب ہے

یعنی ریت جل رہا ہو اور اس میں مچھلی ڈال دو تو تڑپ جائے گی، یہ جذبہ میں نے دیکھا۔ میں نے اپنے ککڑوں کوں کو دیکھا کہ یہ آواز تو خطرناک معلوم ہو رہی ہے مرغا بالغ تو ہو رہا ہے مگر بہت خطرناک ککڑوں کوں لگا رہا ہے تو میں نے جلد راہ لی اور مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اٹھارہ سال کی عمر میں بیعت کی اور آخری وقت تک میں نے اپنے شیخ کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میرے شیخ کی جان میرے سامنے پرواز ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بہت آفتیں اور بلائیں آئیں، مصیبتوں نے مجھ کو پریشان کیا مگر میں نے اپنے شیخ کو

نہیں چھوڑا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ سترہ سال تک میں اپنے شیخ کے ساتھ تھا اور میرے سامنے میرے شیخ کی روح قبض ہوئی۔ حاسدوں نے مجھے ہر طرح سے بھگانے کی کوشش کی کہ اس کو اتنا ستاؤ کہ بھاگ جائے کیونکہ مجھے دیکھ رہے تھے کہ اس کا روز بروز نام بڑھ رہا ہے اور حضرت اس سے بہت محبت کررہے ہیں، بٹیر کا شوربہ پلا رہے ہیں۔ حضرت جب بٹیر کھاتے تھے تو مجھ کو بلاتے تھے تو حاسدوں سے برداشت نہیں ہوسکا کہ اختر بٹیر کا شوربہ پی رہا ہے اور بٹر کھا رہا ہے، مجھے طرح طرح سے ستاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے اپنے شیخ سے بے وفائی نہیں کی، میں کہتا ہوں کہ سارے گناہ ایک طرف اور کسی اللہ والے سے بے وفائی کا جرم ایک طرف۔ یاد رکھو یہ بہت اہم جملہ عرض کررہا ہوں کہ ساری دنیا کے گناہ ایک ترازو پر رکھ دو اور کوئی شخص کسی اللہ والے سے بے وفائی کردے بس سمجھ لو یہ زیادہ عظیم ہے۔ مثال کے طور پر آپ کا ایک نوکر ہے ایک لاکھ غلطیاں کرتا ہے لیکن آپ کے بیٹے کو کبھی ستا دے یہ جرم بھاری ہوگا یا نہیں؟ جتنا آپ کو اپنا بیٹا پیارا ہے اللہ تعالیٰ کو اللہ والے اس سے زیادہ پیارے ہیں۔ لہٰذا ان کے معاملے میں ہوشیار رہو، ان کو کوئی دکھ نہ پہنچے۔ بس جنگل میں اور کوہ کے دامن میں میری آہ وفغاں اب ختم ہوگئی، او ر دیکھو خیمہ اللہ تعالیٰ نے کیسا دیا، یہ سبق لے لو کہ اختر کو جہاں بلاؤ وہاں ایک خیمہ بھی لگاؤ، آج اس خیمے میں مزہ آیا کہ نہیں؟ اگر کسی مکان کے کمرے میں ہوتا تو یہ مزہ آتا؟ ارے مَقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ یہ سب مقصورات بیٹھے ہیں اللہ والے جو ہیں کیا مقصورات سے کم ہیں؟ حوریں اللہ والوں کا انتظار کررہی ہیں۔ ایک خیمہ بھی کم پڑ گیا، دیکھو اللہ نے اپنے کتنے عاشقوں کو اس جنگل میں بھیجا، کوئی اطلاع کی ہم نے؟ کوئی اعلان ہوا ہے؟ بتاؤ کوئی پرچہ چھپا ہوا تقسیم ہوا؟ یہ کیا ہے؟ عالم غیب سے انتظام ہے کہ کہاں کہاں سے کتنے لوگ آگئے ہم تو

جنگل کی تنہائی میں گئے تھے لیکن جنگل میں بھی ایک کمک پہنچ گئی ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اب کہو سب اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ عَلٰی نَعْمَآءِ کُلِّھَا اے خدا! ہم سب کو اپنی محبت نصیب فرما اور محبت بھی معمولی نہیں کاملہ محبت عطا فرما جو آپ اپنے اولیاء صدیقین کی آخری سرحد والوں کو دیتے ہیں وہ محبت ہم سب کو عطا فرمادے اور راختر کی اولاد کو بھی محروم نہ فرما اور میرے احباب حاضرین اور غائبین جو یہاں نہیں ہیں امریکہ اٹلانٹا فرانس بنگلہ دیش وغیرہ میں رہتے ہیں سارے احباب غائبین کے حق میں اختر کی آہ کو قبول فرما اور میرے دوستوں کو اپنے درد دل کی عظیم دولت عطا فرما کہ جس سے ان کو دنیا ہی میں سلطنت معلوم ہو بوریوں پر چٹائیوں پر پہاڑ کے دامنوں میں سلطنت معلوم ہو سلطنت کیا چیز ہے بلکہ رشک تاج سلاطین اور اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی اور خوش ہو جائے اپنی محبت نصیب فرما اور ہم سب کو تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرما ایسا ایمان ویقین عطا فرما کہ اختر ایک سانس بھی آپ کو ناراض نہ کرے اور ہر سانس زندگی آپ پر فدا کرے اور یہ دولت اختر کو میری اولاد کو اور آپ سب کو حاضرین وغائبین جملہ احباب عالم کو عطا فرما۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ

قلندر کسے کہتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے کچھ باتیں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تنہائی میں کی ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا، سوائے حکیم الامت کے اور میرے وہاں کوئی نہیں تھا تو میں نے پوچھا حضرت قلندر کس کو کہتے ہیں؟ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ قلندر اولیاء اللہ کا ایک گروہ ہے جن کی عباداتِ نافلہ زیادہ نظر نہیں آتیں مگر وہ فرض عین میں کبھی مجرم نہیں ہوتے یعنی تقویٰ کے معاملے

ہیں وہ ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کرتے اور قلب میں حرام خوشیوں کی درآمدات، امپورٹنگ اور استیراد سے سخت احتیاط کرتے ہیں، ہر لمحۂ زندگی اپنے مالک پر فدا کرتے ہیں اور ایک لمحۂ زندگی بھی مالک کو ناراض نہیں کرتے۔ اولیاء اللہ کا یہ طبقہ قلندر کہلاتا ہے جن کا باطن ہر وقت باخدا رہتا ہے، ایک سانس بھی ان کا باطن اللہ سے غافل نہیں ہوتا چاہے لاکھوں کے مجمع میں ہوں چاہے دو کے مجمع میں ہوں، اللہ کی حضوری میں ساری کائنات ان کے لیے حاجب نہیں ہے، وہ باخلق ہوتے ہوئے باخالق رہتے ہیں۔ میرا شعر ہے؎

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

مجدد ہونے کے متعلق خود حکیم الامت کی تصدیق

اور دوسری بات میرے شیخ نے یہ پوچھی کہ حضرت لوگ کہتے ہیں کہ آپ مجدد ہیں، اس سلسلے میں آپ مجھے کچھ وضاحت فرمایئے، میرے شیخ حکیم الامت سے سات برس ہی چھوٹے تھے اس لیے بہت بے تکلفی تھی، حکیم الامت میرے شیخ کا اتنا خیال کرتے تھے کہ حضرت جب تھانہ بھون حاضر ہوتے تو حکیم الامت کئی قدم بڑھ کر معانقہ فرماتے تھے اور یہ مصرعہ پڑھتے تھے؎

اے آمدنت باعثِ صد شادیِ ما

آپ کے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی اور جب کبھی حضرت نے لکھا کہ تھانہ بھون میں حاضری کی اجازت چاہتا ہوں تو حضرت حکیم الامت لکھتے تھے کہ اجازت چہ معنیٰ بلکہ اشتیاق جبکہ حضرت کا مزاج نہایت بااُصول تھا، کسی مرید کی تعریف نہیں لکھتے تھے مگر میرے شیخ کو حکیم الامت لکھتے تھے محبی ومحبوبی مولانا شاہ عبدالغنی سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ اور ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ حاملِ علومِ ولایت بھی ہیں اور حاملِ علومِ نبوت بھی ہیں اور دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی کے

لیے انتخاب فرمایا تھا تو حضرت نے پوچھا کہ آپ کیا تنخواہ لیں گے تو میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں چنے چبا کر پڑھا دوں گا فرمایا کہ مجھے آپ سے یہی امید ہے کہ اپنا وعدہ صحیح کر دکھائیں گے۔ غرض حضرت نے پوچھا کہ حضرت کیا آپ مجدد ہیں؟ تو حکیم الامت نے فرمایا کہ ایک بھینس کے بچے نے پوچھا ماں ری ماں پدمنی کسے کہے ہیں تو بھینس نے کہا کہ چپ چپ لوگوں کا خیال میری ہی طرف ہے تو حضرت نے حکیم الامت سے عرض کیا کہ ابھی میری تسلی نہیں ہوئی، آپ مجھے صاف صاف بتلایئے تو فرمایا کہ ہاں میرا بھی خیال یہی ہے کہ اس زمانے کا میں مجدد ہوں اور صرف اس زمانے کا نہیں آنے والی کئی صدیوں کے لیے یہ اشرف علی مجدد ہے، آئندہ میری ہی کتابوں سے مشائخ اپنے مریدوں کی تربیت کریں گے پھر فرمایا کہ ایک خاص بات اور کہتا ہوں کیونکہ آپ میرے خاص ہیں کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے احباب میں دو شخصیتیں بہت اعلیٰ مقام پر پہنچیں، ایک مولانا گنگوہی اور ایک مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما اجمعین لیکن اب میری تحقیق یہ ہے اور میرے قلب میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات وارد فرمادی کہ مولانا اشرف علی ان دونوں سے اونچے گئے۔

جامع المجددین

حضرت کے کارنامے بتاتے ہیں کہ حضرت مجدد تھے۔ حضرت مولانا اصغر میاں دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں حکیم الامت کا مرید نہیں ہوں لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ جامع المجددین تھے، وہ معمولی مجدد نہیں تھے۔ فرمایا کہ ہر صدی میں مجدد کسی ایک فن میں ہوتا ہے کوئی تفسیر میں ہوتا ہے کوئی حدیث میں ہوتا ہے کوئی فقہ میں ہوتا ہے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہر فن میں مجدد تھے ان کا کس فن میں رسالہ نہیں ہے، تجوید میں ان کا رسالہ ہے، منطق میں ان کا

رسالہ ہے، فقہ میں ان کی تصنیف ہے اور حدیث اور تفسیر میں ان کی مستقل تصانیف ہیں تو میرے شیخ فرماتے تھے کہ آہ! مرید تعریف کرے تو کہہ دیتے کہ عقیدت ہے مبالغہ ہے لیکن ایک غیر مرید اور جید عالم ایسی تعریف کر رہا ہے۔

تفسیر بیان القرآن کے بارے میں علامہ کشمیری کا ارشاد

اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک آیت پر مجھ کو خلجان ہوا تو ساری تفسیریں دیکھ ڈالیں حالانکہ ان کی عربی ایسی تھی کہ اردو سے اچھی اور وہ اردو کی کتاب پڑھنا اپنی توہین سمجھتے تھے، ان کو لطف بھی نہیں آتا تھا، ان کا خاص اصول تھا کہ پورے کمرے میں کتابیں رکھی رہتی تھیں تو خود اُٹھ کر جاتے تھے اور کتاب کے پاس بیٹھ کر پڑھتے تھے، کتاب کو اپنے پاس نہیں لاتے تھے، کہتے تھے کتابیں استاد ہیں ہمیں استاد کے پاس جانا چاہیے تو فرمایا کہ میں نے متقدمین کی چودہ پندرہ تفسیریں دیکھیں لیکن میرا اشکال حل نہیں ہوا تو سوچا کہ اردو کی کتابیں تو کبھی نہیں دیکھتا ہوں لیکن آج بیان القرآن دیکھ ہی لوں۔ جب دیکھا تو مسئلہ حل ہوگیا، تب جوش میں آکر فرمایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ تفسیر بیان القرآن صرف اردو دانوں کے لیے ہے مگر آج میرا فیصلہ یہ ہے کہ علماء کے لیے ہے۔

حکیم الامت کے تفسیری کمال اور ترجمہ کی بعض مثالیں

تفسیر میں حضرت کے کمال کی ایک مثال ابھی قلب میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ یہ آیت ہے، اب حکیم الامت کی تفسیر دیکھئے کہ فَاذْكُرُوْنِیْ کے بعد ایک لفظ بڑھا دیا بِالْاِطَاعَةِ تم ہم کو یاد کرو اطاعت کے ساتھ اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر میں ایک لفظ بڑھا دیا بِالْعِنَايَةِ ہم تم کو اپنی عنایت سے یاد کریں گے، ایک لفظ بڑھا دیا اور سارا مسئلہ حل ہوگیا ورنہ اللہ تعالیٰ

پر نسیان کا طاری ہونا محال ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم تم کو یاد کریں گے تو کیا کبھی بھول جاتے ہیں؟ پھر یاد کرنے سے کیا مراد ہے جبکہ بھول چوک اور نسیان اللہ کے لیے محال ہے تو حضرت کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ فَاذْكُرُوْنِىْ بِالْاِطَاعَةِ تم ہم کو یاد کرو فرماں برداری سے اور فرماں برداری کے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، یہ نہیں کہ جماعت ہو رہی ہے اور حجرے میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے ہیں اور ضربیں لگا رہے ہیں، ایسا ذکر قبول نہیں کیونکہ یہ اطاعت و فرماں برداری کے خلاف ہے کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کو واجب فرمایا ہے۔ تو اَذْكُرْكُمْ کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم بھولتے نہیں ہیں لیکن اگر تم ہمیں اطاعت سے یاد کرو گے تو ہم تمہیں اپنی عنایت سے یاد کریں گے۔

میرے شیخ فرماتے تھے کہ حکیم الامت نے فرمایا کہ اگر قرآن اُردو میں نازل ہوتا تو میرے ترجمے پر نازل ہوتا، کچھ مثالیں بھی بتاتا ہوں جیسے عَبَسَ وَ تَوَلّٰى عام مترجمین نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ آپ ترش رو ہوئے، ناراض ہوئے، منہ پھیر لیا، روگردانی کی لیکن حکیم الامت نے ترجمہ کیا کہ آپ چیں بجبیں ہوگئے۔ کیا عاشقانہ ترجمہ کیا جس میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت ظاہر ہوتی ہے۔ اہلِ محبت سے پوچھو کہ چیں بجبیں لغت کس قدر لذیذ ہے کہ آپ کی پیشانی پر بل آگئے اور وَوَجَدَكَ ضَالًّا کا ترجمہ اکثر مترجمین نے کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو گمراہ پایا تو آپ کو راہ بتلائی۔ حکیم الامت نے اس کا ترجمہ کیا کہ اللہ نے آپ کو بے خبر پایا اور باخبر کردیا۔ عظمتِ رسالت کا اس میں کس قدر اہتمام ہے اور ایک آیت میں فرمایا يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ آہ! اس کا ترجمہ قابلِ وجد ہے، اے یوسف اے صدقِ مجسم۔ آہ! کیا ترجمہ ہے، اس کا لطف اہلِ زبان سے پوچھو۔ اور لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ کا ترجمہ عام مفسرین نے کیا تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو آلودگی و نجاست سے پاک کردے اے

اہل بیت اور حضرت حکیم الامت نے کیا ترجمہ کیا اے نبی کے گھر والو تاکہ اللہ تعالیٰ تم سے آلودگی کو دور رکھے، عن مجاوزت کے لیے آتا ہے یعنی آلودگی کو لگنے نہیں دیا دور رکھا، دوسروں کے ترجمے کو دیکھو اور اس ترجمہ کو دیکھو تو فرق سمجھ میں آجائے گا۔

فضلِ ذوالمنن بقدر حسنِ ظن

حضرت سے تعلق رکھنے والے ایک عالم صاحب نے حضرت والا سے بہت حسنِ ظن کا اظہار کیا تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصنیف ہے ضیاء القلوب، میں نے خود اس کا مطالعہ کیا ہے، حضرت نے اس میں لکھا ہے کہ مرید اپنے شیخ سے جتنا زیادہ نیک گمان کرے گا اس کے حسن ظن کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر نازل ہوگی لہٰذا مولانا کا حسن ظن ان کے لیے مفید ہے مگر ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے کو کچھ نہ سمجھیں، جو اپنے کو کچھ سمجھے وہ شیخ نہیں، جو شیخِ کامل ہوتا ہے وہ اپنے کو سب سے حقیر سمجھتا ہے، مولانا شاہ احمد صاحب فرماتے ہیں ؎

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
کچھ ہونا مرا ذلت و خواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

لیکن مرید کو بے وقوف بھی نہیں رہنا چاہیے جیسا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں کچھ نہیں ہوں تو ایک دیہاتی اٹھ کے بھاگا اور کہا کہ جب ان کے پاس کچھ نہیں ہے تو ہمیں کیا ملے گا جبکہ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ان کا یہ فرمانا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں یہی ان کے سب کچھ ہونے کی دلیل ہے، جو اپنے کو کچھ نہ سمجھے یہی ان کے بڑا ہونے کی دلیل ہے مگر خدا بچائے ایسی

دہقانیت سے۔

چند اہم نصائح

ارشاد فرمایا کہ اس وقت چند مزید لیکن مختصر متفرقات و معروضات اور گذارشات کرنی ہیں۔

نماز باجماعت، ڈاڑھی اور ٹخنے کھلے رکھنے کا اہتمام

نمبرا۔ جتنے اہلِ علم حضرات کو اللہ نے مقتداء بنایا ہے کسی مسجد کا خطیب، امام یا کسی ادارے کا مدرس ان کے لیے تین چیزوں کا اہتمام بہت ضروری ہے جماعت کا اہتمام، ٹخنے سے اوپر پاجامہ اور ڈاڑھی شرعی ایک مشت۔ کیونکہ اُمت کو پھر بدگمانی ہوتی ہے کہ عالم بھی ہے، امام بھی ہے اور ٹخنہ چھپائے ہوئے ہے، ڈاڑھی بھی غیر شرعی ہے، ایک مشت ڈاڑھی رکھنا چاروں اماموں کے نزدیک واجب ہے، یہ ایک نصیحت ہوگئی، ٹخنہ سے اوپر پاجامہ، ایک مشت ڈاڑھی اور جماعت کی نماز کا اہتمام۔

گھر سے ٹی وی نکال دیجیے

نمبر۲۔ اپنے گھر میں ٹی وی نہ رکھیں، پاکستان کے تمام علماء کا اجماع ہے کہ ٹی وی دیکھنا حرام ہے۔ آپ کی بیوی اگر کرکٹ دیکھ رہی ہے تو نامحرم مردوں کو دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے یا نہیں؟ اور حاجی صاحب یا مولوی صاحب اگر ٹی وی دیکھ رہے ہیں اور کوئی عورت خبریں سنا رہی ہے تو یہ عورتوں کو دیکھنا حرام ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب یہ تصویر نہیں عکس ہے۔ اگر تالاب یا دریا میں مولانا صاحب وضو کر رہے ہیں اور کوئی عورت پانی بھر رہی ہے اور اس کی شکل نظر آرہی ہے جو تصویر نہیں عکس ہے آپ علماء حضرات جو یہاں بیٹھے ہیں بتائیں کہ اس کا عکس دیکھنا جائز ہوگا؟ اسی طرح بہو بیٹیوں کا

ٹی وی پر نامحرم مردوں کو دیکھنا یہ آنکھوں کا زِنا ہے یا نہیں؟ لہٰذا ٹیلی ویژن اپنے اپنے گھروں سے نکال دیجیے ورنہ آپ اور آپ کی اولاد ضائع ہوجائے گی، ہر وقت آنکھوں کا زِنا ہوگا، کوئی صاحبِ نسبت نہیں ہوسکتا۔ یہاں بیویوں پر آپ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ کا مظاہرہ کریں مگر قوامیت کے ساتھ عاشقیت کا دامن نہ چھوٹنے پائے ان کی لیلائیت قائم رہے اور آپ کی قیسیت بھی قائم رہے اور اس طرح سے کہو کہ دیکھو ٹیلی ویژن سے اخلاق خراب ہوں گے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے، تم مردوں کو دیکھتی ہو تمہاری آنکھوں کا زِنا ہوگا اور ہم عورتوں کو دیکھتے ہیں ہماری آنکھوں کا زِنا ہوگا اور اللہ کا غضب نازل ہوگا تو نہ تم خیریت سے رہوگی نہ ہم خیریت سے رہیں گے، بچے بھی خیریت سے نہیں رہیں گے۔ بتاؤ! جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں وہ آباد رہ سکتا ہے؟ آئے دن مصائب آئیں گے۔ اب رہ گیا یہ کہ میں کنجوس نہیں ہوں، میں اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ غنی ہے تو اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے بھی غنی ہوتے ہیں لہٰذا جتنی قیمت ٹیلی ویژن کی ہے مجھ سے لے لو اور ٹیلی ویژن کو ہم گھر سے نکال دیتے ہیں۔ ٹیلی ویژن جس سے خریدا ہے اس کو بیچنا جائز ہے دوسرے مسلمانوں کو دینا جائز نہیں ہے، ہاں کفار کو دے سکتے ہو کیونکہ مسلمانوں کو دینے سے وہ دیکھیں گے اور آپ اس کا سبب بن جائیں گے اور اگر ہمت ہو تو اسے باہر روڈ پر رکھ کر سنگسار کرو پتھر مارو اور کچھ کاغذ رکھ کر دیا سلائی لگادو۔ اس پر اجرِ عظیم ملے گا اور اپنے گھروں میں کسی کی بھی فوٹو نہ رکھو، نہ پیر کی نہ وزیر اعظم کی نہ صدر کی نہ کتے کی نہ بلی کی، بچوں کو بھی فوٹو نہ رکھنے دیں، لوگ کہتے ہیں ارے ہم تھوڑی رکھتے ہیں چھوٹے چھوٹے معصوم بچے رکھ لیتے ہیں لیکن یاد رکھو بچوں کے جرم میں ابا پکڑا جائے گا، کیونکہ بچہ اس کی زیرِ نگرانی ہوتا ہے، باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچہ کو گناہ سے بچائے۔

بیویوں سے اچھا سلوک کیجیے

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اللہ کی سفارش ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ لہٰذا مولویوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ زیادہ شفقت سے رہنا چاہیے تاکہ محلے میں جو بھی خاتون اس سے ملے وہ اس کے کان میں کہہ دے کہ دیکھ میں ملا کے ساتھ کتنے مزے میں ہوں تو بھی اپنی لڑکیوں کی شادی ملاؤں سے کرنا اور اگر مریدوں اور نمازیوں کے ہاتھ پیر چومنے سے آپ کا دماغ خراب ہوا اور بیوی سے آپ نے چاہا کہ وہ بھی آپ کے ہاتھ پیر چومے تو وہ آپ کی بیوی ہے مرید نہیں۔ یہاں یہ خطابت وامامت نہیں چلے گی، اس کے ناز ونخرے اُٹھاؤ، اگر وہ خفا ہو جائے تو اس کو مناؤ، بیویوں کے تھوڑے سے ناز اُٹھانا ان کے حقوق میں سے ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا اگر وہ خفا ہوں تو ان کے منہ میں ٹافی ڈال کر مناؤ، یہ نہیں کہ وہ منہ پھلائے تو گھونسہ مار کر اس کا منہ پچکا دو بلکہ اگر وہ ناراض ہو جائے اور منہ اُدھر کر کے لیٹ جائے تو اس کو منایئے اور اس کے منہ کی طرف جا کر کہیے کہ بیگم صاحبہ کیا بات ہے، مجھ سے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچ گئی یا آپ کی کسی ڈیمانڈ میں ہم سے بھول چوک تو نہیں ہوگئی تب وہ کہے گی کہ میں نے مرنڈا لانے کو کہا تھا آپ کیوں بھول گئے مجھے مرنڈا کیوں نہیں پلایا؟ لہٰذا اس کی فرمائش ہرگز نہ بھولو رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأُ وَالنِّسْیَانُ تو ہے یعنی بھول چوک معاف تو ہے مگر اپنی بیوی کی فرمائش خاص طور سے نوٹ کر لیا کرو کہ آج بیوی نے مرنڈا منگایا ہے ورنہ ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ میرے شوہر کے دل میں میری محبت نہیں ہے، اگر محبت ہوتی تو بھولتا نہیں۔ اسی طرح اگر بیوی سے کبھی کوئی خطاء ہو جائے مثلاً آپ کے کپڑے استری کرنا بھول گئی تو اس کو ڈانٹو مت کیونکہ وہ بھی آپ کی استری ہے، گجراتی زبان میں بیوی کو استری کہتے ہیں، تو وہ آپ کے کپڑے

استری کرے یا نہ کرے ہر حال میں استری ہے اور آپ اس کے مستری ہیں۔ اگر میری ان باتوں پر عمل کرلیا تو ان شاء اللہ آپ ہمیشہ چین سے رہیں گے، جو اپنی بیویوں کو شفقت وچین سے رکھتا ہے اس کے گھر میں پرسکون زندگی ہوتی ہے اور بچے بھی اس سے سبق لیتے ہیں کہ دیکھو ہمارے ابا اماں کا کتنا خیال کرتے ہیں ورنہ جن لوگوں نے بیویوں پر سختیاں کی ان کی اولاد ان سے باغی ہوگئی کہ ہمارا ابا پ کیسا ظالم قصائی ہے، ہماری ماں کو مارتا پیٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بندیوں کے لیے سفارش نازل کی عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہ ان کے ساتھ اچھے سلوک سے رہنا، یہ بتاؤ کہ اگر شیخ کہہ دے کہ میری بیٹی کا خیال رکھنا، تم میرے داماد بھی ہو اور میرے خلیفہ بھی ہو، اگر تم نے میری بیٹی کو ستایا تو خلافت چھین لوں گا تو بتایئے وہ خلیفہ شیخ کی بیٹی کو ستائے گا؟ وہ تو روزانہ ہاتھ جوڑتا رہے گا کہ اپنے ابا سے کچھ مت بتانا، اگر کبھی خطاء ہو بھی جائے تو اس کو منالے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم نے دوسری شادی کی تو میری بیٹی فاطمہ کو غم ہوگا اور اگر فاطمہ کو غم ہوگا تو مجھ کو غم ہوگا لہٰذا میں حقِ ضابطہ سے نہیں کہتا حقِ رابطہ سے کہتا ہوں کہ تم دوسری شادی مت کرنا۔ معلوم ہوا کہ ہر جگہ قانون بازی نہیں چلتی، خشک ملائیت ٹھیک نہیں ہے، حقِ رابطہ سیکھو اور حقِ رابطہ سے اللہ سے رابطہ ملتا ہے، اللہ کا دین محبت کا راستہ ہے خشک قانون کا راستہ نہیں ہے مگر اہلِ رابطہ اور اہلِ محبت کی صحبت میں رہنے سے یہ خشکی دور ہوجاتی ہے جیسے کسی کو نیند نہیں آتی، دماغ میں خشکی بڑھ جاتی ہے تو اطباء لکھتے ہیں کہ اس کی کشتی دریا میں ڈال دو اور رات بھر وہاں سلاؤ تاکہ پانی کی رطوبت اس کی ناک سے داخل ہوکر اس کے دماغ کی خشکی دور کردے تو اہل اللہ کے دریاؤں کے پاس رہو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے قلب میں جو اللہ کی محبت ہے وہ آپ کے قلب میں منتقل ہوجائے گی۔

اولاد کی تربیت کا انداز

ارشاد فرمایا کہ اولاد کے بارے میں بھی محبت کا معاملہ رکھو، ان کی زیادہ پٹائی مت کرو، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر اولاد سے کسی کام کا کہنا ہے تو یہ کہو کہ یہ میرا مشورہ ہے، یہ مت کہو کہ یہ میرا حکم ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ حکم کی خلاف ورزی کردے جس کی وجہ سے وہ گنہگار ہو جائے۔ اس لیے بزرگوں نے اپنی اولاد سے یہی کہا کہ بیٹا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ایسا کرلو تو اگر مشورے کے خلاف ہوگا تو مشورے کی مخالفت جائز ہے کیونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مغیث سے اپنے اوپر طلاق واجب مت کرو کیونکہ وہ تم پر فریفتہ ہے، تمہارے عشق میں رو رہا ہے۔ حضرت بریرہ نے عرض کیا کہ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ اگر آپ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر، ہم آپ کے حکم پر جان دے دیں گے لیکن اگر مشورہ ہے تو ہمیں اس کا تحمل نہیں ہے، ہماری ان سے مناسبت نہیں ہے لہٰذا باپ کو چاہیے کہ جب اولاد بڑی ہو جائے تو اس سے یہی کہو کہ یہ میرا مشورہ ہے۔

طریقِ اکابر

ارشاد فرمایا کہ ہم اپنے اکابر مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو استعمال کررہے ہیں، جامعہ قاسمیہ، جامعہ رشیدیہ، جامعہ اشرفیہ کے نام پر آج ہم کو چندہ ملتا ہے مگر ان بزرگوں نے جو کام کیا تھا ہم لوگ وہ کام نہیں کررہے ہیں اور ان کا سب سے اہم کام کیا تھا؟ یہ سب حاجی صاحب سے وابستہ تھے لہٰذا ہمیں بھی اپنی مناسبت کے مطابق کسی مربی کا انتخاب کرنا چاہیے۔

نظر بازی کی حرمت کی ایک حکمت

ارشاد فرمایا کہ مقدمۂ زِنا یعنی نظر بازی حرام کیوں ہے؟ کیونکہ حرام کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے اور نظر بازی زِنا کا مقدمہ ہے اس لیے یہ بھی حرام ہے اور عاشقِ مجاز بظاہر تو حسینوں کے گورے گال اور کالے بالوں پر نظر ڈالتا ہے مگر چونکہ اس کا فرسٹ فلور مستلزم ہے اس کو گراؤنڈ فلور تک لے جانے کے لیے لہٰذا جو شخص نظر بازی سے توبہ نہیں کرتا اس کی نظر میں زِنا کے ظلمات محسوس ہوتے ہیں۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص بدنظری کر کے آیا تو آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَّتَرَشَّحُ مِنْ اَعْیُنِهِمُ الزِّنَا کیا حال ہے ایسی قوم کا جس کی آنکھوں سے زِنا ٹپک رہا ہے لہٰذا تقویٰ سے رہو تو ان شاء اللہ آپ کی آنکھوں سے کافر بھی متأثر ہوگا کیونکہ اللہ کا نور جس کے دل میں ہوتا ہے اس کی آنکھوں میں بھی اس نور کا عکس ہوتا ہے کیونکہ آنکھیں ترجمانِ دل ہیں لہٰذا جب دل میں نورِ تقویٰ ہے، اللہ کا نور ہے تو آنکھوں سے وہ نور چھلکنے لگتا ہے۔

نفع کے لیے مناسبت شرط ہے

ارشاد فرمایا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر علماء ومشائخ میں سے تھے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی کے شیخ کا انتقال ہو جائے تو وہ دوسرا شیخ تلاش کرے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تین دن تک سوگ منالو پھر اس کے بعد کوئی دوسرا شیخ تلاش کرو اور اگر کسی کا شیخ زندہ ہے لیکن اس سے مناسبت نہیں ہے تو شیخ وسیلہ ہے مقصود نہیں ہے، مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہ فوراً دوسرا شیخ تلاش کرے جس سے مناسبت ہو اور پہلے شیخ سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کو اطلاع بھی نہ کرو، جس طرح اس سے دعائیں لے رہے تھے دعائیں لیتے رہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے

کسی نے ایک بوتل خون لے لیا ہو مگر ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ خون چڑھانے سے تم مرجاؤ گے کیونکہ یہ تمہارے بلڈ گروپ سے نہیں ملتا اسے فوراً واپس کرو اور اپنے بلڈ گروپ والا خون لو، تو کیا خون واپس کرنے کے فیصلہ سے وہ صاحب ڈاکٹر سے ناراض ہو جائیں گے؟ اسی طرح یہ دیکھو کہ اگر اللہ نہ ملا تو پیر کس کام کا ہوا؟ میں اعلان کرتا رہتا ہوں کہ جس نے غلطی سے جوشِ محبت میں یا میری تقریر سے متاثر ہو کر مجھے شیخ بنالیا ہو اگر اسے کوئی اور شیخ اپنی مناسبت کا ملتا ہو تو میری طرف سے صرف اجازت نہیں بلکہ حکم ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو اور جا کر فوراً اس کو مربی بنالو جس سے مناسبت ہے کیونکہ میں امت کے ایک فرد کو بھی ضائع کرنا جرمِ عظیم سمجھتا ہوں، امت کے ایک مسلمان کو خدا نہ ملے تو میں ایسی پیری کو طلاق دیتا ہوں، میں دعا میں بھی یہ کہتا ہوں کہ اے خدا جن لوگوں کا مجھ سے جڑنا آپ کے علم میں مفید ہے آپ ان کو مجھ سے جوڑ دیجئے اور اگر آپ کے علم میں ان کے لیے خیر نہ ہو تو ان کی مناسبت کا شیخ ان کو عطا فرما دیجیے۔ اب اس سے زیادہ کیا اخلاص پیش کر سکتا ہوں۔

شیخ کے متعلق مختلف ہدایات

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی مثال ایسی ہے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اتنا قوی ہو کہ اس دنیا کے قید خانے میں اس کا جسم تو ہو مگر اس کی روح اس قید خانہ سے بالاتر ہو اور وہ اپنے جسم کو دوسروں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا ذریعہ بنا رہا ہو کیونکہ اگر اس کی روح بھی اس قید خانہ کی قیدی ہوتی تو ایک قیدی دوسرے قیدی کو نہیں چھڑا سکتا۔

کے دہد زندانئے در اقتناص
مرد زندانئے دیگر را خلاص

ایک قیدی دوسرے قیدی کو رِہائی نہیں دِلا سکتا، اسے رِہا کروانے والا قید خانہ

سے باہر ہونا چاہیے تو جو دنیا کے قید خانے میں خود نفس کے غلام ہیں وہ ہم کو کیسے چھڑا سکتے ہیں لہٰذا اللہ والا وہ ہے جو فروخت نہ ہوسکتا ہو، نہ تاج سے، نہ سلطنت سے، نہ وزارت سے، نہ صدارت سے، نہ لیلائے کائنات کی نمکیات سے، نہ مجانینِ عالم سے، نہ پاپڑ اور بریانیوں سے، نہ سموسوں سے تو مولانا فرماتے ہیں کہ جو کنویں میں پڑی ہوئی ڈول کو نکال رہا ہے اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی ڈول تو خود گر جائے گی لہٰذا اب کوئی دوسرا زندہ شیخ تلاش کرو جو کنویں اپنی ڈول ڈال کر کنویں میں گری ہوئی ڈولوں کو نکالے اور اپنی ڈول سے اس کا رابطہ بھی ہو کیونکہ مرنے کے بعد رابطہ ختم ہو جاتا ہے لہٰذا دوسرا زندہ انسان تلاش کرو جو گری ہوئی ڈولوں کو نکالے۔ اگر ڈاکٹر مر جائے تو اس کی قبر سے انجکشن لگوا سکتے ہو؟ بولو بھئی ڈاکٹر اپنی قبر سے آپ کو انجکشن لگائے گا؟ اسی طرح اللہ والا جو زندہ ہوتا ہے وہ ڈانٹ لگاتا ہے، اصلاح کرتا ہے، مشورہ دیتا ہے۔ مردہ شیخ یہ کام کرسکتا ہے؟ اس لیے آٹھ سو برس پہلے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ ہے کہ اگر شیخ کا انتقال ہو جائے تو فوراً دوسرا شیخ تلاش کرو۔

میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے حضرت حکیم الامت کے انتقال کے بعد مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیملپوری مظاہر العلوم سہارنپور کے محدث کو پیر بنایا اور ان کے انتقال کے بعد خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کو اور ان کے انتقال کے بعد حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شیخ بنایا، ان کے انتقال کے بعد شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پیر بنایا، ان کے انتقال کے بعد مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو پیر بنایا۔ آہ! کیا اخلاص کا عالم ہے، میرے شیخ کو اللہ تعالیٰ نے کتنا اخلاص عطا فرمایا جبکہ حضرت حکیم الامت کے خلیفہ بھی تھے اور جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت نے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا تو ایک دعوت میں خواجہ صاحب خلافِ سنت کھانا کھلا رہے تھے،

حضرت وہاں نہیں بیٹھے اور دوسرے کمرے میں اکیلے جا کر بیٹھ گئے، خواجہ صاحب نے پوچھا کہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کہاں ہیں؟ کسی نے بتایا تو ان کے پاس گئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ حضرت یہ فلاں بات جو ہے اس کو میں منبر سے منع کرتا ہوں، اگر میں اس وقت شریک ہو جاؤں تو کس منہ سے منبر پر منع کروں گا؟ خواجہ صاحب کا بھی اخلاص دیکھو فرمایا میں آپ کا شیخ اخلاق میں ہوں مسائل میں نہیں ہوں، آپ عالم ہیں، ہم آپ کے غلام ہیں، اس معاملے میں آپ ہم کو مسئلہ بتایئے ہم اس پر عمل کریں گے۔ یہ ہمارے اکابر اور اللہ والے تھے لہٰذا اپنی اپنی مناسبت کا مربی رکھو ورنہ مربہ نہیں بنو گے۔ یاد رکھو! مربہ سازی کی کتابیں پڑھ کر کوئی مربہ نہیں بن سکتا۔ اسی لیے کسی مربی کو تلاش کرو، اس میں شرماؤ مت ورنہ قاسمیہ رشیدیہ اشرفیہ نام رکھنا بند کر دو، منبروں پر محض چندہ کے لیے ان کا نام مت لو، یہ کیا بات ہے کہ ان کا نام تو لیتے ہو مگر ان کا کام نہیں کرتے ہو۔ ہمارے ان بزرگوں نے حضرت حاجی صاحب کو اپنا مربی بنایا تھا کہ نہیں؟ حالانکہ یہ سب کے سب بہت بڑے عالم تھے اور حاجی صاحب عالم نہیں تھے، آج غیر عالم کو علماء شیخ مل رہے ہیں پھر بھی وہ اعراض کرتے ہیں۔

مولانا قاسم نانوتوی سے کسی نے پوچھا کہ کیا حاجی صاحب عالم تھے فرمایا کہ عالم تو نہیں تھے مگر عالم گر تھے، وہ عالم بنا دیتے تھے اور مولانا گنگوہی سے جب پوچھا گیا کہ آپ بخاری شریف پڑھاتے ہیں آپ حاجی صاحب کے پاس کیا لینے گئے تھے؟ تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے کتابوں میں جو دین کی مٹھائی پڑھی تھی تو ہمارے پاس ان مٹھائیوں کی لسٹ تو تھی مگر وہ کھانے کو نہیں ملی تھیں جب ہم حاجی صاحب کے پاس گئے تو محبت کی ساری مٹھایاں مل گئیں، لسٹ پڑھنے سے مٹھائی منہ میں نہیں جائے گی، اس کے لیے مٹھائی والوں کے پاس جانا پڑے گا، اللہ والوں کے پاس اللہ کی محبت

ومعرفت کی مٹھائیاں ہیں، تو حضرت حاجی صاحب سے تعلق کے بعد ان سب کا رنگ ہی بدل گیا۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ میری اور مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی امت کے یہاں کوئی قدر نہیں تھی مگر جب ہم حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور کچھ اللہ اللہ کیا پھر امت میں مقبولیت حاصل ہوئی لیکن چمکنے کے لیے بیعت نہ ہوں، عزت کے لیے بیعت نہ ہوں کہ دنیا میں عزت ملے گی، رب العزت کے لیے بیعت ہونا چاہیے، اللہ کے لیے اللہ والوں سے ملو، عزت وغیرہ تو لونڈیاں اور غلام ہیں یہ تو خود ہی دوڑ کر آئیں گی مگر لونڈیوں کو مقصود مت بناؤ، اللہ کو مقصود بناؤ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ کی تفسیر دیکھ لو، اہلِ علم حضرات سے کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیضان کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے قیامت تک یہ شرط لگادی، یہ جملہ خبریہ حقیقت میں انشائیہ ہے یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ تم اللہ کا نام لوگے تو اللہ کے نام کی برکت سے نور پیدا ہوگا پھر میرے پیغمبر کے نور سے وہ نور کھنچے گا، جنس جنس کو کھینچتی ہے، کبوتر کبوتر کی طرف اُڑتا ہے تم کچھ نور تو حاصل کرو پھر میرے نبی کا نور تم کھینچ لوگے تو ایسے ہی جو مرید اللہ اللہ کرتا ہے وہ شیخ کے نور کو جذب کر لیتا ہے اور اس کے قلب میں اللہ کی ذات مراد ہوجاتی ہے اور جب اللہ کی ذات مراد ہوجائے تو آدمی جان دے دیتا ہے مگر اپنی مراد نہیں چھوڑتا۔ چند دن خونِ تمنا سے جب آپ کے دل میں نسبت عطا ہوگی اور آپ کی روح بالغ ہوجائے گی تو آپ کو کسی سے کہنا نہیں پڑے گا کہ آج میری روح بالغ ہوگئی، جب آدمی بالغ ہوتا ہے تو اس کا چہرہ، اس کی رفتار، اس کا کردار، اس کی گفتار سب چیزیں بتلاتی ہیں کہ عالمِ شباب اس پر طاری ہے، جب روح بالغ ہوتی ہے، اللہ والی ہوتی ہے یعنی جب کوئی صاحبِ نسبت ہوجاتا ہے تو اس کی رفتار، اس کی گفتار، اس کا کردار سب بدل جاتا ہے، اس کے

چہرے کا، اس کی آنکھوں کا اور اس کے بیان کا طرز الگ ہوجاتا ہے۔ جس نے اللہ کو پالیا، جو لیلاؤں کی عشق بازی کی دنیاوی محبتوں سے پاک ہوگیا اس کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں پر عشق مجازی کی نجاستیں نہیں رہتیں۔

حسد کی بیماری اور علاج

اسی طرح حسد کا بھی عجیب معاملہ ہے، مولوی پر ڈاکٹر کبھی حسد نہیں کرے گا، ڈاکٹر پر ڈاکٹر حسد کرتا ہے، مولوی پر مولوی حسد کرتا ہے مثلاً ایک رئیس کے پاس ایک عالم آیا کہ میرے مدارس کی یہ ضروریات ہیں جب وہ چلا گیا تو دوسرا عالم آیا سیٹھ نے اس کو بتایا کہ ابھی ایک عالم اور آئے تھے، اب وہ عالم صاحب کہتے ہیں کہ ارے آپ نہیں جانتے ان کو اُن کے مدرسے میں کیا پڑھائی ہوتی ہے کچھ بھی نہیں کنڈم مدرسہ ہے خبردار اس کو چندہ نہ دینا۔ یہ مولوی مولوی کا پیر کیوں کاٹ رہا ہے؟ کیونکہ کسی اللہ والے سے اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرائی، حسد کا علاج نہیں کیا۔ ایک ہمارے شیخ کو دیکھئے کہ فیصل آباد میں بہت بڑا ادارہ ہے وہاں کے محدث مہتمم نے بورڈ پر لکھوایا تھا کہ اس مدرسہ کے طلبہ نہایت مستحق ہیں لہٰذا اس مدرسہ میں زکوٰۃ دینا افضل ہے تو حضرت نے فرمایا کہ ایسے مت لکھو، یہ لکھو کہ یہاں بھی مستحقین موجود ہیں آپ اپنے عطیات یہاں بھی دے سکتے ہیں، یہ کیا آپ نے دوسرے اداروں کی توہین کردی کہ اور کوئی صحیح نہیں ہے۔ میرے ہاں جب کوئی بورڈ لگتا ہے تو یہی لکھا جاتا ہے کہ اپنے عطیات صدقات اور زکوٰۃ اور قربانی کی کھال یہاں بھی جمع کرا سکتے ہیں یعنی اجازت ہے ہماری طرف سے ہم مانگتے نہیں ہیں، تمہیں غرض ہو اور اپنی دولت و کرنسی آخرت میں ٹرانسفر کرنا ہو تو ہم بلا کمیشن آپ کی کرنسی وہاں بھیج دیں گے۔ میرے بیٹے کے پاس ایک شخص کا فون آیا کہ مولانا ایک کھال گائے کی رکھی ہوئی ہے کوئی آدمی بھیج دیجئے۔ میرے بیٹے نے مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کی جوتیاں اٹھائی ہیں اور ایک دفعہ عشاء کے بعد حضرت کے سر میں تیل کی مالش کی تو فجر کی اذان ہوگئی اور حضرت سوتے رہے اور وہ وہاں سے ہٹے نہیں۔ ایک بار میں اپنے شیخ حضرت پھولپوری کا پیر دبا رہا تھا اور ریل ہردوئی سے دہلی جارہی تھی اور میں نیچے بیٹھ کر اپنے شیخ حضرت پھولپوری کا پیر دبا رہا تھا تو ایک ہندو بیٹھا تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ ہمارے روحانی پتا جی ہیں گرو ہیں، ہندو مرشد کیا سمجھتا تو اس نے ایک جملہ کہا سیوا کرے تو میوا کھائے یعنی جو اپنے بزرگوں کی خدمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر اسے میوہ کھلاتا ہے مگر میوہ کی نیت سے سیوا مت کرو جو کچھ کرو اللہ کے لیے کرو اخلاص کے ساتھ۔ تو مولانا مظہر میاں نے کیا جواب دیا کہ آپ مجھ سے آدمی مانگ رہے ہو کہ یہاں کھال رکھی ہے تو جناب کیا آپ آدمی نہیں ہیں جو آپ آدمی مانگ رہے ہیں پس وہ بھی ہنسا اور کھال لاکر اپنی موٹر میں پہنچا گیا لہٰذا میں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ عالم ربانی بن جائیے واللہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو مالی معاملات میں در بدر نہیں پھرنا پڑے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کیا آپ اپنے دوستوں کی دروازے دروازے ذلت دیکھ سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور اولیاء کی ذلت کو کیسے گوارا کرے گا آپ کے پاس مالداروں کو بھیجے گا لیکن سفیر او رسفارت یہ سب جائز ہے اگر کوئی مہتمم سفیر بھیجتا ہے تو جائز ہے بشرطیکہ عظمت دین اور عزت نفس کے ساتھ ہو۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک تحریر بھیجی تھی کہ مولانا عبدالغنی صاحب جس سفیر کو اپنے دستخطی خط سے ہندوستان کے شہروں میں بھیجیں تو لوگ سمجھ لیں کہ وہ میرا بھی معتمد ہے۔ لیکن چندہ کے اصول ہیں کچھ تفصیل ہے اس کے متعلق معلومات کرو، میرے شیخ کے پاس سب تفصیلات موجود ہیں۔ تو حسد سے بہت بچو میرے شیخ اول مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔

حسد کی آگ میں کیوں جل رہے ہو
جہنم کی طرف کیوں چل رہے ہو
خدا کے فیصلے پر تم ہو ناراض
کفِ افسوس تم کیوں مل رہے ہو

یہ ہے انداز بیاں ؎

کس درجہ حلاوت ہے میرے طرزِ بیاں
خود میری زباں اپنی زباں چوس رہی ہے

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے بدون استحقاق یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے میرے بزرگوں کی کرامت ہے یہ ورنہ اختر چالیس سال تک پانچ منٹ تقریر نہیں کرسکتا تھا جب میری تقریر مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دل بھی دیا اور زبان بھی دی اور یہ بھی فرمایا کہ چالیس سال تک جو تم کو بولنا نصیب نہیں ہوا وہ مشابہت ہے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات میں لکھا ہے چالیس سال تک اللہ نے مجھ کو بے زبان رکھا اور اس کے بعد زبان عطا فرمائی تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یہ بھی لکھا کہ بولنے میں جلدی مت کرو تقریر جلدی مت کرو پہلے کسی اللہ والے کی صحبت میں رہو اور اپنے دل کا مٹکا بھرو جب جام بھر کر چھلکنے لگے تو امت کو چھلکتا ہوا مال دو اپنا مٹکا نہ خالی کرو مگر آج اس زمانے میں اہل اللہ سے اولیاء اللہ سے اور ان کے غلاموں سے اہل علم بہت دور دور رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کتب بینی تو کرتے ہیں قطب بینی نہیں کرتے اسی کا انجام یہ ہے کہ آج امت میں ان کی عظمت نہیں ہے جس کو دیکھو ارے میاں مولویوں کو چھوڑو گولی مارو ان کی بات میں کوئی مزہ نہیں لیکن اگر کسی اللہ والے سے دوستی کرلو اللہ اللہ کرلو تھوڑا سا اور تمہارے دل میں اللہ کا

رس اور درد آجائے پھر دیکھو کون ہے ظالم جو میری بات نہیں سنتا میں بھگا تا ہوں بعض وقت الحمدللہ میں اپنے اللہ والوں کی غلامی کا صدقہ یہ دیکھتا ہوں۔

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
ہم ہی تھک گئے داستاں کہتے کہتے

ہم ہی کہتے ہیں ہم تھک ورنہ امت یہی کہتی ہے ذرا تھوڑا سا اور کچھ سنائیے یہ کیا ہے یہ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا صدقہ ہے شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا صدقہ ہے شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا صدقہ ہے معمولی بات نہیں میں کہہ رہا ہوں اہل اللہ کی غلامی کو معمولی مت سمجھو ان کی صحبت ایک لاکھ سال کی عبادت سے افضل ہے اس مزہ نہیں جانتے لوگ لیکن پھر یہی کہوں گا کہ اللہ کے لیے ان سے تعلق کرو نیت میں یہ نہ ہو کہ ہم کو لوگ یہاں تک کہ خلافت کی بھی نیت نہ رکھو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ کے پاس دس سال ایک شخص رہا اس نے کہا کہ دس سال تک ہم کو کچھ بھی فیض نہیں ہوا فرمایا کہ فیض سے کیا مطلب کہا کہ آپ خلافت دے دیں گے تو میں بھی اپنی دکان کھول لوں گا آپ نے تو دس سال تک رگڑ ایا مجھ سے وضو کرایا چائے بنوائی چولہے میں لکڑی ٹھکوائی اور خلافت بھی نہیں دی دس سال کے اندر اس نیت سے میں آیا تھا کچھ دن محنت کروں گا آپ خلافت دیں گے میں بھی ایک خانقاہ بناؤں گا تو فرمایا کہ چونکہ تمہاری نیت ہی خراب تھی تم اللہ کے لیے نہیں آئے تھے لہٰذا اس لیے تم کو نفع نہیں ہوا۔

از خدا غیر خدا را خواستند

خدا سے غیر خدا کو چاہنے آیا تھا یہاں اس لیے۔

منصبِ تعلیم نوعِ شہوت است

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خلافت کے منصب کی تمنا رکھنا

شہوت نفسانیہ کا ایک شعبہ ہے بس اب دعا کرلو کہ جو کچھ آیا دل میں پیش کردیا میں ایک بھک منگا اللہ کا ہوں دعا کر کے بیٹھتا ہوں کہ اے اللہ جو مفید ہو امت کے لیے وہ مضمون ڈال دے تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام روحانی وجسمانی بیماریوں سے سلامتی دے اور اللہ والی حیات عطا فرما اور اس زمانے کے اقطاب اور اولیاء سے جڑنے کی توفیق عطا فرما اور ہمارے دل میں ان کی محبت ڈال دے ہم تو نادان ہیں استادوں سے بچے گھبراتے ہیں ان بچوں کی طرح سے ہم بھی پیروں سے گھبراتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو مرشدین صحیح مرشد اور صحیح اقطاب زمانہ سے ہمیں محبت ومناسبت عطا فرما اور اپنا درد دل ہم سب کو نصیب فرما اور درد دل سکھانے والوں کی محبت بھی نصیب فرما اور ان کے ساتھ رہنے کا ایک زمانہ نصیب فرما کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تفسیر خَالِطُوْھُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ ہمیں بھی ان کی صحبت نصیب فرما کہ ہم اپنے بزرگوں جیسے ہو جائیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

علماء کا اکرام

ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اکرام علماء کے ذمہ بھی ہے، عام عالم یہ سمجھتے ہیں کہ علماء کا اکرام عوام کے ذمہ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو علماء جاہ میں مشہور ہوگئے ان کا اکرام کافی نہیں ہے جو علماء مسکین ہیں ان کا اکرام بھی لازم ہے، ورنہ بڑا عالم جو مرسڈیز پر جارہا ہے اس کے پیچھے تو پورا مجمع لگا ہوا ہے اور بے چارے مسکین ملا کو کوئی پوچھتا بھی نہیں، اس کا بھی اکرام کرو، اللہ نے اس کو بھی علمِ وحی سے نوازا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں میرے قریب اہلِ فہم، اہلِ دین، اہلِ علم کھڑے ہوں۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جب

تقریر ہو تو علماء حضرات مقرر کے قریب بیٹھیں۔ اس سے مقرر کو فیض ہوتا ہے، سمجھ دار لوگ سامنے ہوں تو مضامین کی آمد ہوتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے اہلِ علم حضرات کو قریب بیٹھنا چاہیے۔

غیر اللہ سے فرار وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے

ارشاد فرمایا کہ اب بھی ہوشیار ہو جاؤ اپنے ماضی سے توبہ کرلو اور حال کو درست کرلو اور مستقبل کے لیے ارادہ کرلو کہ جان دے دیں گے مگر اللہ کو ناراض نہیں کریں گے ان شاء اللہ آپ کا تینوں زمانہ روشن ہو جائے گا ماضی استغفار و توبہ سے روشن، حال باوفائی سے روشن، اور مستقبل عزمِ وفا سے روشن کہ جان دے دیں گے مگر اللہ کو ناراض نہیں کریں گے بس نظر بچاؤ، دل بچاؤ اور جسم بچاؤ یعنی عیناً وقلباً وقالباً حسینوں سے دور رہو۔ بس اب میں سارے عالم میں ڈنڈا لے کر حسینوں کے خلاف دوڑ رہا ہوں کیوں کہ میں نے دیکھا کہ ان لیلاؤں سے بھاگے بغیر مولیٰ نہیں ملے گا، لیلاؤں سے بھاگو مولیٰ کی طرف پھر مولیٰ ملے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فَفِرُّوْا کے بعد اِلٰی داخل کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ فرار تم کو اللہ تک پہنچا دے گا، یہ غایت تم کو مغیا تک لے جائے گا۔ اِلٰی آتا ہے غایت کے لیے۔ اگر تم نے حسینوں سے فرار اختیار کیا تو تم جا کر اللہ کے پاس قرار پاؤ گے جیسے کوئی دوڑ رہا ہو تو کسی منزل پر جا کر کھڑا ہو کر سانس لیتا ہے۔ اسی طرح تم جب غیر اللہ سے بھاگو گے تو میرے پاس قرار پا جاؤ گے۔ فَفِرُّوْا اِلَی اللہِ کی تفسیر روح المعانی میں اس جملہ سے کی ہے کہ فَفِرُّوْا اِلَی اللہِ عَمَّا سِوَا اللہِ یعنی غیر اللہ سے بھاگو اللہ تک یعنی یہ تمہارا غیر اللہ سے فرار ہماری ذات تک وصول کا ذریعہ ہے اور اگر تم نے ایک سیکنڈ بھی کسی حسین کو دیکھا تو تم نے فرار کے خلاف حرکت کی اور تم نے وہاں قرار پکڑا جب کہ ہم تم کو فرار کا حکم دیتے ہیں اور تم اپنے مولائے پاک کی مرضی کے خلاف وہاں قرار اختیار کرتے ہو، یاد

رکھو تمہاری خیریت نہیں دونوں جہان برباد ہو جائیں گے نہ تم دنیا میں چین سے رہو گے نہ آخرت میں۔ دیکھ لو رومانٹک والوں کو کہ کوئی چین سے نہیں ہے، سب کی کھوپڑی گرم ہے۔ ایک شخص میرے پاس آیا اس نے کہا میرا سر گرم ہے دواخانے میں کوئی ٹھنڈا تیل ہے؟ تو میں نے بہت ہی ٹھنڈا تیل اس کو دیا لیکن میں دیکھتا تھا کہ وہ ایک معشوق بھی ساتھ رکھتا تھا لیکن پھر بھی میں نے اپنا حق ادا کر دیا کہ طبیب کا کام یہی ہے کہ وہ مریض کو مرض کی دوا دے دے مگر وہ دو دن کے بعد آیا اور کہا کہ اتنا ٹھنڈا تیل آپ نے دیا مگر میری کھوپڑی ٹھنڈی ہونے کے بجائے آپ کا تیل ہی گرم ہو گیا یعنی میں نے تیل لگایا تو تیل گرم ہو گیا مگر کھوپڑی ٹھنڈی نہ ہوئی۔ میں نے کہا کہ اصل بات بتا دوں۔ کہا کہ بتائیے۔ میں نے کہا کہ وہ جو معشوق ہے اس کو تم چلتا کر دو، ہوائی جہاز پر بٹھلا کر اس کے وطن روانہ کر دو ورنہ تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے گی، عشق مجازی سے تمہارا ہارٹ فیل ہو جائے گا یا پاگل ہو جاؤ گے اور شلوار اتار کے پھرو گے۔ غرض اس نے میری بات مان لی کیونکہ جب جان پر آبنی تو میری بات ماننی پڑی اور معشوق کو روانہ کر دیا تو دو دن کے بعد ہنستا ہوا آیا کہ اب بغیر تیل کے کھوپڑی ٹھنڈی ہو گئی پس فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ پر جب تک عمل نہیں کرو گے چین نہیں پاؤ گے۔

کعبہ شریف میں ایک بچہ اپنی ماں سے الگ ہو گیا ساری دنیا کی جنوں نے آسٹریلیا کی جن اردن کی جن مصر کی نائجیریا کی الجزائر کی مراکش کی سارے عالم کی ماؤں نے اس کو گود میں لیا لیکن وہ چلاتا رہا قریب تھا کہ مر جاتا پولیس نے اس کو اٹھا کر دکھایا کہ کس کا بچہ ہے اس کی کالی کلوٹی ماں نے جیسے ہی گود میں لیا وہ سو گیا۔ اس پر میرا شعر ہے۔

آتی نہیں تھی نیند مجھے اضطراب سے
ان کے کرم نے گود میں لے کر سلا دیا

میں نے اس سے سبق لیا کہ جس طرح سارے عالم کی مائیں سے اسے چین نہ دے سکیں، یادرکھو سارے معشوق ساری دنیا کی لیلائیں تمہارے قلب کو سکون نہ دیں سکیں گی جب تک اللہ کی رحمت کی گود تم کو نصیب نہ ہوگی۔ یہ عجیب مرض ہے کہ کتنے لوگوں نے تجربہ بھی کرلیا کہ ساری رات بیداریاں اختر شماریاں بے قراریاں آہ وزاریاں کرتے رہے اور ویلیم فائیو کھاتے رہے لیکن ان کو چین نہ ملا، اگر وہ توبہ کر کے اللہ کی طرف نہ آتے تو قریب تھا کہ شلوار اتر جاتی اور پاگل ہوجاتے۔ دنیا میں جتنے پاگل خانے ہیں اُن میں نوے فیصد لیلاؤں اور بدنظری اور عشق بازی کے چکروں میں پڑ کر پاگل ہوئے ہیں کیوں کہ آدمی پاگل ہوتا ہے دماغ کی بے اعتدالی سے اور دماغ میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے نیند کی کمی سے اور نیند میں کمی پیدا ہوتی ہے یبوست اور خشکی سے پھر نیند نہیں آتی۔ اس لیے بس ایک ہی راستہ ہے کہ معشوقوں کی محبت سے دست بردار ہوجاؤ اس میں تکلیف تو بہت ہوگی لیکن پھانسی کے اس تختہ سے گذر کر جلد اللہ کو پالوگے اور پھر ایسا چین نصیب ہوگا جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ؎

آؤ دیارِ دار سے ہو کر گذر چلیں
سنتے ہیں اس طرف سے مسافت رہے گی کم

یہ شارٹ کٹ راستہ ہے کہ اپنی حرام خواہشات کا خون کرو، خون تمنا کی عادت ڈال لو پھر دیکھو کہ کیا ملتا ہے ؎

سارے عالم میں یہی اختر کی ہے آہ وفغاں
چند دن خون تمنا سے خدا مل جائے ہے

دیکھو! دو راستے ہیں، ایک راستہ ہر اخلاق رذیلہ کی اصلاح کا یہ ہے کہ شیخ کو لکھا کہ ہم کو غصہ بہت آتا ہے کچھ دن کے بعد جب وہ قابو میں آیا تو پھر لکھا کہ میرے اندر حسد بہت ہے۔ اس طرح ایک ایک مرض کے علاج میں زمانہ لگ

جائے گا اور دوسرا راستہ کیا ہے؟ کہ اللہ کی محبت سیکھ لو عشق کی آگ لگا لو سارے اخلاقِ رذیلہ جل کے خاک ہو جائیں گے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

عشق سازد کوہ را مانند ریگ
عشق جوشد بحر را مانند دیگ

عشق پہاڑ کو پیس کر ریت کر دیتا ہے تکبر اور جاہ و پندار اور باہ کا اگر پہاڑ بھی ہوگا تو اللہ کا عشق سب کو خاک کر دیتا ہے۔ جاہ کا جیم اور باہ کی ب نکل جائے گی اور صرف آہ رہ جائے گی اور عشق سمندر کو اس طرح جوش دیتا ہے جیسے دیگ میں کھانا پکتا ہے، لہٰذا اللہ کا عشق و محبت سیکھو۔

حکیم الامت کا ایک خاص ارشاد ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو کیونکہ اہل محبت کبھی اللہ سے بے وفا نہیں ہوتے اور اہل عقل بے وفا ہو گئے اور اہل محبت کے بے وفا نہ ہونے کی دلیل:

﴿مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ﴾

مرتدین کے مقابلے میں اللہ نے اہل محبت کا طبقہ پیش کیا ہے اور اگر یہ بھی بے وفا ہو جاتے تو مرتدین کے مقابلے میں اللہ ان کو نہ پیش کرتا مرتدین نے دین اسلام سے بغاوت اور اللہ سے بے وفائی کی، بے وفاؤں کے مقابلے میں بے وفا نہیں پیش کیے جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، بے وفاؤں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ محبت کو پیش کیا کہ اہل محبت میرے وفادار ہوتے ہیں وہ جان دے دیں گے مگر مجھ کو نہیں چھوڑیں گے۔

اہل اللہ کی محبت

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کلیدِ مثنوی میں یہ شعر لکھا ہے ؎

آہِ من گر اثرے داشتے
یار بکویم گذرے داشتے

اگر میری آہ میں کچھ اثر ہے، اگر میری آہ کچھ اثر رکھتی ہے تو میرا دوست ضرور میری گلی میں آئے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں اہل درد محبت کو خوب پار رہا ہوں اور اہل درد بھی مجھے ڈھونڈ رہے ہیں، الفت کا جب مزہ ہے جب دونوں بے قرار ہوں اور دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

پیاسے لوگ اگر جہان میں پانی کو ڈھونڈ رہے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کر رہا ہے۔ دیکھو اللہ والے اپنے عاشقوں سے اپنے طالبین سے اور اپنے احباب سے محبت کرتے ہیں، یہ ہمارے اسلاف کا ورثہ چلا آرہا ہے۔

مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وعدہ کر کے گئے تھے کہ غروب سے پہلے آجائیں گے، اب مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بے چینی سے اپنے شاگرد اور مرید کا انتظار کر رہے ہیں، اتنے میں سورج ڈوب گیا مولانا یحییٰ نہیں آئے تو قطب العالم مولانا گنگوہی نماز پڑھ کر صحن میں بے چینی سے ٹہلنے لگے کہ آہ! اب تک مولانا یحییٰ کیوں نہیں آیا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

او وعدہ فراموش تو مت آئیو اب بھی
جس طرح سے دن گذرا گذر جائے گی شب بھی

یہ تھے ہمارے آبا، جو یک طرفہ ٹریفک نہیں چلاتے تھے کہ مرید بے چارے مرتے رہیں اور شیخ جی اپنے کام میں لگے رہیں۔

تفسیر حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ

آہ! دوستو شیخ پر حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ کی شان ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی کہ میرا نبی تم پر حریص ہے مگر کس بات پر حریص ہے یہ بھی سن لو لِاَنَّ الْحِرْصَ لَا یَتَعَلَّقُ بِذَوَاتِ الصَّحَابَةِ صحابہ کی ذات پر حریص نہیں ہیں بلکہ حَرِیْصٌ عَلٰی اِیْمَانِکُمْ وَصَلَاحِ شَانِکُمْ یعنی ہمارا نبی اس بات کا حریص ہے کہ تم سب کے سب ایمان لاؤ اور تمہارے حالات دونوں جہاں میں اچھے ہو جائیں۔ یہ آیت پوری اُمتِ دعوت کے لیے نازل ہوئی یعنی کفار زیادہ تر اس کے مخاطب ہیں کہ اے کافرو میرا نبی تمہارے ایمان کا حریص ہے لیکن جو ایمان لا چکے ان کے ساتھ میرے نبی کا کیا معاملہ ہے؟ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یعنی صرف ایمان والوں پر آپ کی شانِ رحمت اور رأفت ہے اور رأفت کو شانِ رحمت پر کیوں مقدم کیا؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ رأفت دفع مضرت ہے کہ میری مسلمان امت کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے اور رحمت جلب منفعت ہے اور دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت پر جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے لا الٰہ کو مقدم کیا کہ دیکھو اے ایمان والو! حسینوں سے دل مت لگانا یہ تمہارے لیے مضر ہیں اس لیے ہم دفع مضرت کو مقدم کر رہے ہیں ورنہ تم لیلاؤں کے چکر میں پڑ کر مولیٰ سے محروم ہو جاؤ گے اور لیلائیں تم کو ایک اعشاریہ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں، تمہاری نیندیں حرام کر دیں گی تمہاری صحت خراب کر دیں گی اور خطرہ ہے کہ تم رسوا بھی ہو جاؤ، اگر ان کو ہینڈل کرتے ہوئے کہیں پکڑے گئے تو تمہاری کھوپڑی پر سینڈل پڑیں گے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں جہاں بھی جاتا ہوں میرا مضمون یہی رہتا ہے کہ اے دنیا والو بہت مر چکے دنیا پر، اب ذرا تجربہ کر لو کہ میرے اللہ مولائے کائنات پر مر کر دیکھو تمام لیلائے کائنات تمہاری نگاہوں سے گر جائیں گی، بیوی مستثنیٰ ہے لیکن سڑکوں والی سے بالکل دل مت لگاؤ۔ ذرا دیکھو تو کیا ہے ان کے پاس؟ ان کا فرسٹ فلور تم کو ان کے گراؤنڈ فلور میں داخل

کرے گا لیکن بیوی مستثنیٰ ہے بیوی سے مت کہنا کہ تمہارے گراؤنڈ فلور سے مجھ کو نفرت ہوگئی، بیویوں سے خوب محبت کرو کہ اللہ کا حکم ہے اور ان کے پیٹ سے اولاد اولیاء اللہ پیدا ہوسکتی ہے۔ اس نیت سے ان سے محبت کرو خالی استلذاذاً ان سے تعلق نہ رکھنا چاہیے بلکہ اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ میری نسل میں کوئی ولی اللہ پیدا کردے اور میدانِ قیامت میں میرا بیڑا پار ہوجائے۔ اس لیے دوستو دردِ دل سے کہتا ہوں کہ جتنی محنتوں سے دارالعلوم بناتے ہو جتنی محنتوں سے طلباء کے لباس اور ان کی غذاؤں کا فکر کرتے ہو ان کے دل میں اللہ کا دردِ محبت داخل کرنے کی فکر اس سے بھی زیادہ کرنی چاہیے ورنہ دارالعلوم کا جسم ہوگا روح نہ ہوگی۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم میں حضرت نے یہ شعر پڑھا تھا کہ

دارالعلوم دل کے پگھلنے کا نام ہے
دارالعلوم روح کے جلنے کا نام ہے

اگر اللہ کے عشق میں دل نہیں تڑپتا بس ضرب یضرب کی گردان لگائے جارہے ہو اور علم کا مقصد تن پروری بنا رکھا ہے حالانکہ اللہ کی محبت کی آگ میں روح تڑپ جانی چاہیے، جب تڑپو گے تب تڑپاؤ گے لیکن آجکل لوگ خود نہیں تڑپتے تڑپانا چاہتے ہیں، تو یہ تڑپانا نہیں ہے یہ لوگوں کا مال ہڑپانا ہے یعنی ہڑپ کرنا ہے ان کا نذرانہ اور مال وصول کرنا ہے اور اندر کچھ ہے نہیں، اللہ کی محبت سے دل خالی ہے تو جو تڑپتا ہے وہ تڑپاتا ہے۔ ایک مبلغ اللہ والے عالم نے مجھ کو بتایا کہ اللہ کی طرف بلانا لگانا ہے یعنی اللہ کی محبت کی آگ لگانا ہے مگر لگا وہی سکتا ہے جس کے لگی ہو۔ کیا بات کہی میں دل سے فریفتہ ہوں اس بات پر اس لیے دوستو علمائے کرام طلبائے کرام سے کہتا ہوں پہلے اپنے دل میں لگاؤ، لگنے کے بعد فکر

کرو لگانے کی۔ اپنے لگی نہیں اور لگانے کے لیے بھاگے جارہے ہو۔ آجکل اسی وجہ سے لگ نہیں رہی ہے کیونکہ جس کے خود نہیں لگی وہ دوسروں کو کیا لگائے گا۔ لہٰذا پہلے کسی عاشق حق اللہ والے سے تعلق قائم کرو دل میں اللہ کے دردِ محبت کی آگ حاصل کرو۔ دیکھو شمس الدین تبریزی کے سینے میں جو غم کی آگ تھی وہ آگ ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار کی صورت میں مولانا رومی کی زبان سے نکلی۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ بانسری خود نہیں بجتی اس کا ایک سرا کسی بجانے والے کے منہ میں ہوتا ہے، پھر دیکھو اس بانسری سے کیسی آواز نکلتی ہے۔ ایسے ہی ہماری روح میں اللہ کی محبت کے نغمات موجود ہیں، دردِ دل کی بے شمار امواج ولہریں موجود ہیں لیکن اپنی روح کا ایک سرا کسی اللہ والے کے منہ میں دے دو پھر دیکھو اللہ تعالیٰ تمہاری زبان سے اپنی محبت کے کیسے مضامین بیان کراتے ہیں کہ دنیا حیران رہ جائے گی۔ تو آج جو آپ نے اشعار سنے اس میں میرا مقصدِ حیات ظاہر ہے کہ مجھے پورے عالم میں کچھ آدمی چاہیے خالی آدمی نہیں عاشق بھی ہو اور خالی عاشق نہیں بلکہ دردِ دل کا سرچشمہ اور خزانہ اس کی رگ رگ میں ہو اور اس کی ہر سانس اللہ پر فدا ہو، اس کے جسم کے تمام صوبوں میں کوئی بغاوت نہ ہو، اس کی آنکھیں کان زبان ہاتھ پاؤں اس کے قابو میں ہوں اور اپنے اعضاو جوارح سے اللہ کی نافرمانی نہ ہونے دے، ایسا بندہ مجھے چاہیے جو **بجمیع اعضاءہٖ وبجمیع کمّیاتہٖ وبجمیع کیفیاتہٖ** اللہ تعالیٰ پر فدا ہو جو کماً وکیفاً ایک لمحہ بھی اللہ کو ناراض نہ کرتا ہو، اگر خطاء کا صدور ہو جائے تو استغفار و توبہ میں سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے اس قدر تر کردے کہ فرشتوں میں زلزلہ پیدا ہو جائے کہ یا اللہ یہ کیسا بندہ ہے جو آپ کی نافرمانی پر اتنا غم زدہ ہے کہ روتے روتے سجدہ گاہ کو تر کر دیا، اس کی آوازِ گریہ کو ہم لوگ برداشت نہیں کرسکتے۔ ملائکہ سے یہ آواز نکل جائے تب سمجھ لو کہ اللہ کا عاشق ہے ورنہ یہ کیا

ہے کہ نافرمانی وبدنظری کر کے چائے بھی عمدہ پی رہے ہو اور سموسے بھی ٹھونس رہے ہو، کس منہ سے گرین مرچیں اور ٹھنڈا پانی مانگتے ہو، بے غیرت ہے وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کے بعد استغفار و توبہ سے اپنے رزّاق اللہ کو خوش نہ کرے اور بغیر توبہ کیے اس کا رزق ٹھونسے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو کچھ اپنے عاشقوں کی ایک جماعت عطا فرما جو اختر کے دردِ دل کی ترجمانی کے لیے اپنا کان پیش کریں اور کانوں سے وہ درد دل حاصل کریں اور پھر سارے عالم میں وہ میرا ساتھ دیں اور میں ان کا ساتھ دوں۔ اللہ تعالیٰ غیب سے ایسا خزانہ برسائے کہ سارے عالم میں اختر کی آہ وفغاں اور دردِ دل کے نشر کا شرف عطا ہو اور میری آہ وفغاں کو سارے عالم میں نشر کے لیے اسباب پیدا فرما اور افراد عطا فرما اور الحمد للہ میں پا بھی رہا ہوں محدثین اور علماء ومفسرین اور شیخ الحدیث بھی اللہ مجھے دے رہا ہے اور شاعر بھی دے رہا ہے۔ اور آخر میں جملہ مدارس سے گذارش کروں گا کہ اردو کو لازم کرلیں، اردو پڑھنا فرض ہے۔ حکیم الامت کا فتویٰ ہے کیونکہ ہمارے سارے دین کا خزانہ اردو میں ہے اس لیے اردو پڑھنا ضروری ہے۔ اب آپ کے ہاں ہندوستان، بنگلہ دیش، پاکستان کا کوئی عالم آئے گا تو ہمارے نوجوان بچے اردو جانتے ہی نہیں ترجمہ میں وہ بات کہاں ہے ، ترجمے میں کہاں وہ مزہ ہے جو اصل میں ہے ؎

اگرچہ شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

۶؍ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ مطابق ۲؍ جون ۱۹۹۸ء بروز منگل بعد عصر
در حجرۂ حضرت والا دامت برکاتہم خانقاہ گلشن اقبال کراچی

بدنظری کے چودہ نقصانات

(۱) ارشاد فرمایا کہ بدنظری نصِ قطعی سے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی بعض نگاہوں کو نیچی رکھیں یعنی نامحرم عورتوں کو اور لڑکوں کو نہ دیکھیں۔ پس جو بدنظری کر رہا ہے وہ نصِ قطعی کی مخالفت کر رہا ہے اور نصِ قطعی کی مخالفت کر کے حرام کا مرتکب ہو رہا ہے لہٰذا بدنظری سے بچنے کے لیے یہ استحضار کافی ہے کہ یہ نصِ قطعی کی مخالفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

(۲) اور بدنظری کرنے والا اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دل کے رازوں سے باخبر ہے۔ لفظ خیانت کا نزول بتا رہا ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کے مالک نہیں ہیں، امین ہیں۔ خودکشی بھی اس لیے حرام ہے کہ ہم اپنے جسم کے مالک نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے بطور امانت کے ہمیں یہ جسم عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ امانت ہے اس لیے مالک کی مرضی کے خلاف اس کو استعمال کرنا یا اس کو نقصان پہنچانا یا اس کو ختم کر دینا جائز نہیں۔ اگر ہم اپنے جسم و جان کے مالک ہوتے تو ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوتا کیونکہ مالک کو اپنی ملک میں ہر تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو یہ اختیار نہ دینا دلیل ہے کہ یہ جسم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور مالک کی امانت میں خیانت جرمِ عظیم ہے لہٰذا جو شخص بدنظری کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانتِ بصریہ میں خیانت کرتا ہے اور خیانت کرنے والا اللہ کا دوست نہیں ہوسکتا۔

ولنعم ما قال الشاعر؎

نظر کے چور کے سر پر نہیں ہے تاجِ ولایت\
جو متقی نہیں ہوتا اُسے ولی نہیں کہتے

(۳) اور بدنظری کرنے والا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا مورد ہو جاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ

اِلَیۡہِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناظر اور منظور دونوں پر لعنت کرے یعنی جو بدنظری کرے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو اور جو بدنظری کے لیے خود کو پیش کرے، اپنے حسن کو دوسروں کو دکھائے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو۔ اگر بدنظری معمولی جرم ہوتا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہو کر ایسی بددعا نہ فرماتے۔ آپ کا بددعا دینا دلیل ہے کہ یہ فعل انتہائی مبغوض ہے۔ اور لعنت کے معنیٰ ہیں کہ اللہ کی رحمت سے دوری۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لعنت کے معنیٰ لکھے ہیں اَلْبُعْدُ عَنِ الرَّحْمَۃِ پس جو شخص اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا وہ نفسِ امارہ کے شر سے نہیں بچ سکتا کیونکہ نفس کے شر سے وہی بچ سکتا ہے جو اللہ کی رحمت کے سائے میں ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ نفس کثیر الامر ہے، بہت زیادہ برائی کا حکم کرنے والا ہے۔ پھر نفس کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہو۔ معلوم ہوا کہ نفس کے شر سے بچنے کا واحد راستہ اللہ کی رحمت کا سایہ ہے کیونکہ اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ کا استثنیٰ خود خالقِ اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ نے کیا ہے پس جو اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کے سائے میں آگیا اس کا نفس اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ نہیں رہے گا۔ اَمَّارَۃٌ بِالْخَیْرِ ہو جائے گا۔ اسی لیے یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ کے بعد وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ فرمایا کہ جس نے نگاہوں کی حفاظت کر لی وہ امتثالِ امرِ الٰہیہ کی برکت سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے بچنے کی برکت سے اللہ کی رحمت کے سائے میں آگیا اب اس کی شرم گاہ بھی گناہوں سے محفوظ رہے گی۔ معلوم ہوا کہ غضِ بصر کا انعام حفاظتِ فرج ہے اور اس قضیہ کا عکس کر لیجئے کہ جو نگاہ کی حفاظت نہیں کرے گا اس کی شرم گاہ بھی گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور اس پر جو لعنت برس جائے وہ کم ہے۔

(۴) حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یوں تو

ہر گناہ بد عقلی اور حماقت کی دلیل ہے، جو گناہ کرتا ہے یہ دلیل ہے کہ اس کی عقل میں خرابی ہے کہ اتنے بڑے مالک کو ناراض کر رہا ہے جس کے قبضہ میں ہماری زندگی اور موت، تندرستی و بیماری، راحت و چین، حسنِ خاتمہ اور سوء خاتمہ ہے۔ اگر اس کی عقل صحیح ہوتی تو ہر گز گناہ نہ کرتا لیکن فرماتے ہیں کہ بدنظری تو انتہائی حماقت کا گناہ ہے، ملنا نہ ملانا مفت میں اپنے دل کو تڑپانا۔ دیکھنے سے وہ حسین مل نہیں جاتا لیکن دل بے چین ہو جاتا ہے اور اس کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے اور میرے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایک نیا علم عطا فرمایا کہ مسلمان کو دُکھ دینا حرام ہے تو جو بدنظری کر رہا ہے یہ بھی تو مسلمان ہے، یہ بدنظری کر کے اپنے دل کو دُکھ دے رہا ہے تڑپا رہا ہے جلا رہا ہے لہٰذا جس طرح دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے اسی طرح اپنے دل کو دُکھ پہنچانا، تڑپانا، کلپانا، جلانا کیسے جائز ہوگا۔

(۵) اب اگر کوئی کہے کہ حسینوں کو دیکھنے سے تو دل کو غم ہوتا ہی ہے لیکن نظر بچانے سے بھی تو غم ہوتا ہے اور دل میں حسرت ہوتی ہے کہ آہ نہ جانے کیسی شکل رہی ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھنے سے جو غم ہوتا ہے وہ اشد ہے اور نہ دیکھنے کا غم بہت ہلکا ہوتا ہے کیونکہ اگر دیکھ لیا تو علم ہو گیا کہ اس حسین کے نوک پلک ایسے ہیں، آنکھیں ایسی ہیں، ناک ایسی ہے، چہرہ کتابی ہے تو یہ غمِ حسنِ معلوم اشد ہوگا اور دل کو مضطر اور بے چین کر دے گا اور اگر نظر بچالی تو یہ حسرتِ حسنِ نامعلوم ہوگی، جب دیکھا ہی نہیں تو ہلکی سی حسرت اور ہلکا سا غم ہوگا جو جلد زائل ہو جائے گا اور حسرتِ حسنِ نامعلوم پر قلب کو جو حلاوتِ ایمانی عطا ہوگی، اللہ تعالیٰ کے قرب کی غیر محدود لذت کا جو ادراک ہوگا اس کے سامنے مجموعۂ لذاتِ کائنات ہیچ معلوم ہوگا۔ اس کے برعکس حسینوں کو دیکھنے کے غمِ حسنِ معلوم پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور لعنت برستی ہے جس سے دل مضطر اور بے چین ہو کر ایک لمحہ کو سکون نہیں پائے گا اور زندگی تلخ ہو جائے گی، لہٰذا دونوں

غموں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ایک عالمِ رحمت ہے، ایک عالمِ لعنت ہے۔ دونوں غموں میں ایسا فرق ہے جیسا جنت اور دوزخ میں لہٰذا غضِ بصر کا حکم ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ حسرتِ حُسنِ نامعلوم دے کر شدتِ غمِ حسنِ معلوم سے بچالیا۔ جیسے کسی کو مچھر کاٹ لے اور کسی کو سانپ ڈس لے تو جس کو مچھر نے کاٹا ہے وہ شکر کرے گا کہ اللہ نے مجھے سانپ کے ڈسنے سے بچالیا۔ لہٰذا حسینوں سے نظر بچانے کی حسرتِ حسنِ نامعلوم مچھر کا کاٹنا ہے اور حسینوں کو دیکھنے کا غمِ حسنِ معلوم سانپ سے ڈسوانا ہے۔

(۶) بدنظری سے بار بار اس حسین کا خیال آتا ہے اور دل میں ہر وقت ایک کشمکش رہتی ہے جس سے دل کمزور ہوجاتا ہے۔ بدنظری کی نحوست یہ ہے کہ نظر کے ساتھ ساتھ حواسِ خمسہ اور تمام اعضاء و جوارح حرکت میں آجاتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ کی تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی نے یہ کی ہے کہ بِاِجَالَۃِ النَّظَرِ بدنظری کرنے والا جو نظر گھما گھما کر حسینوں کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہیں اور بِاِسْتِعْمَالِ سَائِرِ الْحَوَاسِ اور اس کے تمام حواسِ خمسہ حرام لذت لینے کی کوشش شروع کردیتے ہیں۔ قوتِ باصرہ یعنی آنکھ اس حسین کو دیکھنا چاہتی ہے، قوتِ سامعہ یعنی کان اس کی بات سننے کی تمنا کرتے ہیں، قوتِ ذائقہ اس کو چکھنے یعنی حرام بوسہ بازی کرنا چاہتی ہے، قوتِ لامسہ اس کو چھونے کی اور قوتِ شامہ اس حسین کی خوشبو سونگھنے کی حرام آرزو میں مبتلا ہوجاتی ہے اور تیسری تفسیر ہے بِتَحْرِیْکِ الْجَوَارِحِ بدنظری کرنے والے کے تمام اعضاء بھی حرکت میں آجاتے ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں وغیرہ اس محبوب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بدنظری کرنے والے کی نظر اور حواس اور اعضاء و جوارح کی ان حرکات سے باخبر ہے اور اس کو خبر بھی نہیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور وَاللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا یَقْصِدُوْنَ بِذٰلِکَ ان حرکات کا جو آخری مقصد

ہے یعنی بدفعلی اللہ تعالیٰ اس سے بھی باخبر ہے اور باخبر ہونے میں سزا دینے کا حکم پوشیدہ ہے کہ میں تمہاری حرکتوں کو دیکھ رہا ہوں، اگر باز نہیں آؤ گے تو عذاب دوں گا۔ پس اس آیت میں اشارہ ہے کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے گی اگر توبہ نہ کی۔ بدنظری بدفعلی کی پہلی منزل ہے اور آخری اسٹیشن بدفعلی کا ارتکاب ہے جہاں شرم گاہیں ننگی ہو جاتی ہیں اور آدمی دونوں جہان میں رسوا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے گناہ کی پہلی منزل ہی کو حرام فرما دیا کیونکہ بدنظری ایسا آٹومیٹک یعنی خودکار زینہ ہے کہ جس پر قدم رکھتے ہی آدمی سب سے آخری منزل میں پہنچ جاتا ہے۔ جس فعل کی ابتداء ہی غلط ہو اس کی انتہا کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ اس پر میرا شعر ہے؂

عشقِ بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گناہ پر
جس کی ہو ابتداء غلط کیسے صحیح ہو انتہا

چونکہ بدنظری کرنے والے کے حواسِ خمسہ اور اعضاء وجوارح متحرک ہو جاتے ہیں اور قلب بدفعلی کے خبیث قصد سے کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے لہٰذا بدنظری کرنے والے کا قلب اور قالب دونوں کشمکش میں مبتلا ہو کر کمزور ہو جاتے ہیں۔

(۷) بدنظری کا ایک طبی نقصان یہ بھی ہے کہ غدودِ مثانہ متورم ہو جاتے ہیں جس سے بار بار پیشاب آتا ہے۔

(۸) بدنظری سے چونکہ شہوت بھڑک جاتی ہے اور مادہ منویہ تک گرمی پہنچ جاتی ہے جس کی وجہ سے منی رقیق ہو جاتی ہے جس سے سرعتِ انزال کی بیماری ہو جاتی ہے اور ایسا شخص بیوی کے حقوق صحیح طور سے ادا نہیں کر سکتا جس کی وجہ سے میاں بیوی میں باہمی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور گھریلو زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔

(۹) بدنظری سے ناشکری پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب مختلف شکلوں کو

دیکھتا ہے تو اپنی بیوی بری معلوم ہوتی ہے اور ناشکری میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ مجھے حسین بیوی نہیں ملی اور اگر حسین ہے تو کہتا ہے کہ حسین تر نہیں ملی کیونکہ جو عورت اس کو زیادہ حسین معلوم ہوتی ہے تو اپنی حسین بیوی بھی اسے اچھی نہیں لگتی۔ اس طرح نعمت کی ناشکری کرتا ہے اور جو متقی ہوتا ہے وہ جب کسی دوسری کو دیکھتا ہی نہیں تو اسے اپنی چٹنی روٹی بھی بریانی معلوم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کرتا ہے۔

(۱۰) بدنظری سے بینائی کو بھی نقصان پہنچتا ہے کیونکہ آنکھوں کا شکر غضِ بصر ہے اور شکر سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم شکر کروگے تو تم کو اور زیادہ دوں گا اور بدنظری کرنا ناشکری ہے، کفرانِ نعمت ہے جس پر عذابِ شدید کی وعید ہے وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

(۱۱) اور حفاظتِ نظر کا سب سے بڑا انعام اللہ تعالیٰ کا قرب و معیتِ خاصہ ہے۔ لیلیٰ سے نظر بچانا سببِ حصولِ مولیٰ ہے کیونکہ نظر بچانے سے دل اندر اندر خون ہوجاتا ہے اور جب قلب کے آفاقِ اربعہ خونِ آرزو سے لال ہوجاتے ہیں تو دل کے ہر اُفق سے قرب ونسبت مع اللہ کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ میرے اشعار ہیں۔

وہ سرخیاں کہ خونِ تمنا کہیں جسے
بنتی شفق ہیں مطلعِ خورشیدِ قرب کی

داغِ حسرت سے دل سجائے ہیں
تب کہیں جا کے اُن کو پائے ہیں
اِن حسینوں سے دل بچانے میں
میں نے غم بھی بڑے اٹھائے ہیں

منزلِ قرب یوں نہیں ملتی

زخمِ حسرت ہزار کھائے ہیں

اور بدنظری سے اللہ تعالیٰ سے اس قدر دوری ہوتی ہے جس کا اِدراک ہوجائے تو آدمی کبھی بدنظری نہ کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جو دل حفاظتِ نظر کی برکت سے ہمہ وقت نوے ڈگری سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اور نوے ڈگری سے حق تعالیٰ کے محاذاتِ قرب میں ہے اگر بدنظری کر لی تو اللہ تعالیٰ سے اس کا ۱۸۰ ڈگری انحراف ہوتا ہے۔ اور اس کا رُخ حق تعالیٰ سے ہٹ کر اس حسین کی طرف ہوجاتا ہے اور ہر وقت اس مرنے گلنے والی لاش کا خیال دل میں رہتا ہے جس سے دل کا ستیا ناس ہوجاتا ہے اور بہت سوں کا خاتمہ بھی بدنظری کی نحوست سے خراب ہوگیا۔

(۱۲) اور بدنظری سے دل میں انجائنا ہوجاتا ہے کیونکہ بدنظری سے دل کشمکش میں پڑجاتا ہے۔ حسن اپنی طرف کش کرتا ہے اور اللہ کا خوف مکش کرتا ہے۔ اس کشمکش سے انجائنا ہوجاتا ہے کیونکہ کشمکش سے دل کا سائز بڑھ جاتا ہے۔ اگر نظر کی حفاظت کرتا تو یہ کشمکش نہ ہوتی اور انجائنا نہ ہوتا۔ میں نے ایک شعر کہا تھا ؎

ایک سلمیٰ چاہیے سلمان کو

دل نہ دینا چاہیے انجان کو

انجان کو دل دینے سے انجائنا ہوجاتا ہے لیکن اس کے دوسرے اسباب بھی ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو انجائنا میں مبتلا دیکھا تو بدگمانی کرنے لگے کہ انہوں نے بدنظری کی ہوگی خصوصاً نیک بندوں کے معاملہ میں اور زیادہ احتیاط اور حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے اور ہر مسلمان سے حسنِ ظن رکھنے کا حکم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دوسروں سے بدگمانی نہ کرے بلکہ خود کو بدنظری سے بچانے کے لیے اس نقصان کو سامنے رکھے کہ بدنظری سے انجائنا ہوجاتا ہے۔

(۱۳) بدنظری سے شہوت بھڑک جاتی ہے۔ جس حسین کو دیکھ کر گرم ہوا اس کو اگر نہیں پاتا تو شہوت کی آگ کو بجھانے کے لیے غیر حسین سے منہ کالا کر لیتا ہے۔ گرم ہوا کہیں اور ٹھنڈا ہوا کہیں۔ گرم ہوا حسین سے اور ٹھنڈا ہوا غیر حسین کالی کلوٹی صورت سے۔ بدنظری کی تھی حسن کی لالچ میں اور منہ کالا کیا ایسی بدصورت سے جس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں تھا۔ یہ ایسا خبیث فعل ہے کہ گناہ کی آخری منزل پر پہنچا کے چھوڑتا ہے اور پھر خوبصورت اور بدصورت کو بھی آدمی نہیں دیکھتا۔ بدنظری کرنے کے بعد شرم گاہ کا محفوظ رہنا محال ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے بعد فوراً وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ نازل فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جس کی نگاہ محفوظ رہے گی اس کی شرم گاہ بھی محفوظ رہے گی اور جس کی نگاہ محفوظ نہ رہے گی اس کی شرم گاہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

(۱۴) بدنظری سے منی اپنی جگہ سے سرک جاتی ہے یعنی تھیلی سے باہر آجاتی ہے اور منی کی خاصیت یہ ہے کہ واپس نہیں جاسکتی جس طرح کار ریورس (Reverse) ہو جاتی ہے، منی ریورس نہیں ہوسکتی اور جیسے بکری کے تھن میں دودھ دوبارہ نہیں جاسکتا کیونکہ تھن میں نکلنے کا راستہ تو ہے واپس جانے کا راستہ نہیں ہے اسی طرح منی بھی اپنی جگہ سے آگے آکر پھر واپس نہیں جاسکتی لہٰذا اب کسی نہ کسی صورت سے باہر نکلے گی چاہے حرام محل میں نکلے۔ بدنظری کی نحوست ہے کہ پھر حلال و حرام کا ہوش نہیں رہتا لہٰذا یا تو کسی لڑکی سے منہ کالا کرے گا یا کسی لڑکے سے بدفعلی کر کے ذلیل ہوگا اور اگر کچھ نہ ملا تو ہاتھ سے منی خارج کرے گا کیونکہ منی Reverse نہیں ہوسکتی جس طرح لڑکیوں اور لڑکوں سے بدفعلی حرام ہے اور جملہ محرمات حرام ہیں اسی طرح مشت زنی بھی حرام ہے جو نئی نسل میں عام ہوگئی ہے۔ حدیث پاک میں اس پر بھی سخت وعید ہے کہ جو ہاتھ سے منی خارج کرے گا قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں حمل ہوگا اور ناکح الید

یعنی ہاتھ سے نکاح کرنے والے یعنی ہاتھ سے منی ضائع کرنے والے پر حدیثِ پاک میں لعنت آئی ہے۔ لہٰذا حرام مواقع میں شہوت پوری کرنا تو حرام ہے ہی لیکن حلال کو بھی زیادہ حلال نہ کرو ورنہ صحت بھی خراب ہو جائے گی اور ذکر وعبادت میں مزہ نہیں آئے گا، اور اولاد بھی کمزور پیدا ہوگی اس لیے بزرگوں کی نصیحت ہے کہ منی کو بچا کر رکھو۔ کبھی پندرہ دن یا ایک ماہ کے بعد جب شدید تقاضا ہو تو ضرورت پوری کرلو۔ دیکھو شیر سال میں ایک بار صحبت کرتا ہے اور اس سے شیر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ دیر سے صحبت کرتے ہیں ان کے تندرست اور بہادر بچہ پیدا ہوتا ہے لہٰذا بیوی سے صحبت میں اعتدال ضروری ہے ورنہ کثرتِ جماع جان لیوا بھی ہوسکتی ہے۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا کہ ایک عالم تھے، بیوی بہت خوبصورت تھی جب گھر میں چلم بھرنے یا کسی کام سے داخل ہوتے بی بی کو دیکھ کر بے قابو ہو جاتے۔ اتنی صحبت کی کہ چھ مہینہ کے بعد منی کے بجائے خون آنے لگا، پھر حرارت رہنے لگی یہاں تک تپ دق ہوگیا، بخار ہڈی میں اُتر گیا اور آخر جنازہ نکل گیا۔ حسن نے جان لے لی۔ اس لیے کہتا ہوں کہ حلال میں بھی اعتدال رکھو اور حرام کے تو قریب بھی نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)۔

۱۰ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۹۹ء بروز اتوار، بوقت ساڑھے آٹھ بجے صبح بمقام حجرۂ حضرت والا دامت برکاتہم در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سندھ بلوچ سوسائٹی گلستان جوہر کراچی

آیت كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ کے متعلق ایک علم عظیم

ارشاد فرمایا کہ ایک بڑے عالم نے جو جنوبی افریقہ میں بخاری شریف پڑھاتے ہیں مجھ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم، واجب الوجود ہے لیکن قرآن پاک کی آیت كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ سے ذاتِ حق

کا قدیم نہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جدید شان کا پیدا ہونا حدوث پر دلالت کرتا ہے اور اللہ کے لیے فنا وحدوث ناممکن ہے اور ایسا عقیدہ کفر ہے تو قدیم ذات سے جدید شان کا پیدا ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس وقت اگر اللہ میری مدد نہ کرتا تو اس کا جواب آسان نہیں تھا کیونکہ نہ مجھے کبھی یہ اِشکال ہوا تھا اور نہ اس کا کسی تفسیر میں نظر سے گذرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور قلب میں فوراً یہ جواب عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر وقت جو ایک نئی شان ہے وہ باعتبار وجود کے نہیں ہے باعتبار ظہور کے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری صفات اور ساری شانیں ازلاً ابداً اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں، ان کی کوئی صفت فنا نہیں ہوتی، ہر صفت کا وجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن باعتبار ظہور کے ہر وقت ایک نئی شان ہے کیونکہ صفات کا وجود اور ہے، ظہور اور ہے جیسے کسی مالدار کی جیب میں ہزار ہزار کے ہزاروں نوٹ موجود ہیں لیکن چُھپے ہوئے ہیں تو ان نوٹوں کا وجود تو ہے ظہور نہیں ہے لیکن جب وہ جیب سے نکال کر دِکھاتا ہے اس وقت ان نوٹوں کا ظہور ہوتا ہے، وجود تو پہلے ہی سے تھا۔ اسی طرح ماں کے پیٹ میں بچہ کا وجود ہے لیکن ظہور نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ کی ہر صفت اس کی ذات کے ساتھ موجود ہے مگر اس کا ظہور ہر لمحہ ہر لحظہ ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ ظہور سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا وجود نہیں تھا۔

بتایئے! یہ کتنا عظیم الشان علم ہے اور کتنا علمی جواب ہے، کسی کتاب میں شاید ہی آپ یہ جواب پائیں گے۔ ایسے اِشکالات کتابوں سے حل نہیں ہوتے، اللہ والوں کی غلامی سے یہ علوم عطا ہوتے ہیں، مبدأ فیاض سے عطا ہوتے ہیں، فضلِ آسمانی اور رحمِ رحمانی سے عطا ہوتے ہیں۔ اس کی قدر علماء سے پوچھو جو منطق اور فلسفہ سے واقف ہیں۔ جس عالم نے یہ سوال کیا تھا انہوں نے کہا کہ زندگی بھر مجھے یہ اِشکال تھا لیکن اس کا جواب نہ میں نے اپنے

استادوں سے سنا تھا، نہ کسی کتاب میں دیکھا تھا۔ آج تشفی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا پیارا جواب عطا فرمایا کہ کوئی مست ہو یا نہ ہو، اس علم کی حلاوت سے میں خود مست ہو رہا ہوں۔

تلوین اور تمکین

اسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے شرفِ تلوین پر استدلال کیا ہے وَاسْتَدَلَّ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ الشَّيْخُ مُحِيُّ الدِّيْنِ ابْنُ الْعَرَبِيُّ عَلٰى شَرْفِ التَّلْوِيْنِ تلوین اور تمکین تصوف کی اصطلاحات ہیں۔ تلوین کے معنیٰ ہیں رنگ بدلنا، نئے نئے حالات میں آنا، ہر وقت نئی نئی صفت ظاہر ہونا اور تمکین کے معنیٰ ہیں ایک حالت پر قائم رہنا، ایک صفتِ محمودہ پر مستقیم رہنا اور تصوف کی اصطلاح میں تمکین افضل ہے تلوین سے۔ اسی کو استقامت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے لیکن شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہ ہر تلوین مذموم ہے نہ ہر تمکین افضل ہے۔ مثلاً ایک آدمی نوے ڈگری ترقی پر متمکن ہے تو اگر وہ ننانوے ڈگری پر ترقی کر جائے تو کیا یہ مذموم ہے؟ اگرچہ یہ تلوین ہے لیکن چونکہ ترقی کے ساتھ ہے اس لیے یہ تلوین اس تمکین سے افضل ہے جس میں ترقی نہیں ہو رہی ہے۔ پس کسی اچھی حالت پر قائم و دائم رہنا محمود ہے لیکن اگر انسان اس سے اعلیٰ حالت پر پہنچ جائے، ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کے مقامِ قرب میں اور ترقی عطا فرما دیں، اس پر اور زیادہ تجلیاتِ الٰہیہ منکشف ہونے لگیں تو یہ تلوین مذموم نہیں بلکہ یہ اس تمکین سے افضل ہے جس میں استقامت ترقی پذیر نہیں بلکہ ایک حالت پر قائم ہے۔ لہٰذا خوب سے خوب تر مقامِ قرب پر پہنچنا، قربِ ادنیٰ سے قربِ اعلیٰ پر فائز ہونا شرفِ تلوین کا ثبوت ہے جس کا استدلال حضرت شیخ ابن عربی نے آیتِ مذکورہ

سے کیا ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین یہ دعا سکھاتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اپنا تعلق اور قرب متزائد، متصاعد، متبارک عطا فرما یعنی عطاءِ نسبت بھی ہو، بقائے نسبت بھی ہو اور ارتقائے نسبت بھی ہو۔ مراد یہ ہے کہ وہ نسبت ترقی پذیر ہو، ہمیشہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام کی طرف بڑھتی رہے۔

۱۹/ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۹/مارچ ۱۹۹۹ء بروز منگل چھ بج کر چالیس منٹ بوقت سیرِ صبح در پارک سندھ بلوچ سوسائٹی گلستان جوہر، کراچی۔

حدیث اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہِ الخ کی ایک جدید اور نادر تشریح

ارشاد فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اَلْـخَلْقُ عَیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے۔ جو اس کی عیال کے ساتھ بھلائی اور احسان کرتا ہے۔ اور اللہ کی مخلوق میں کسی کو بُری نظر سے دیکھنا یا دل میں اس کے لیے بُرے خیال لانا بتایئے! کیا یہ مخلوق کے ساتھ احسان ہے؟ اگر کسی کے اہل وعیال کو کوئی بُری نظر سے دیکھے تو کیا اس کو اچھا لگتا ہے۔ یا اگر اس کا بس چلے تو اس کو کچا چبا جائے گا۔ میرے ایک دوست نے بتایا کہ ایک شخص میری بیٹی کو جو برقعہ میں تھی بار بار دیکھ رہا تھا تو میرا جی چاہتا تھا کہ اس کو گولی ماردوں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ جو کسی کو بُری نظر سے دیکھتا ہے۔ اللہ کا غضب اس سے زیادہ کسی فعل پر نازل نہیں ہوتا۔ جب ایک باپ اپنی اولاد کو بُری نظر سے دیکھنے والے کو اپنا دوست نہیں بنا سکتا تو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ماں باپ سے زیادہ تعلق ہے وہ ایسے شخص کو اپنا دوست کیسے بنائیں گے۔ چنانچہ جس لمحہ، جس سیکنڈ، جس ساعت میں بدنظری ہوتی ہے اسی لمحہ اور اسی سیکنڈ میں دل معذب ہو جاتا ہے۔ بدنظری کا نقطۂ آغاز اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نقطۂ آغاز ہے۔ کیونکہ

جیسے ہی نظر ناپاک ہوتی ہے ویسے ہی دل پلید ہو جاتا ہے اور مقامِ لید پر خیال پہنچ جاتا ہے، پھر اس کو اللہ کے قرب کی عید کیسے مل سکتی ہے اور اگر توبہ نہیں کرے گا تو ساری زندگی مُعذَّب رہے گا۔ اسی لیے حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عشقِ مجازی عذابِ الٰہی ہے۔ وہ انتہائی ظالم گدھا اور بیوقوف ہے، جو غیر اللہ کے نمک پر مرتا ہے وہ عذابِ الٰہی خریدتا ہے۔ دنیا کی مارکیٹ دو قسم کی ہے۔ اسی دنیا کی مارکیٹ میں لوگ مولیٰ کو یاد کر کے، اشکبار آنکھوں سے گناہوں سے توبہ کر کے ولی اللہ بن رہے ہیں اور جنت خرید رہے ہیں اور اسی دنیا میں بعض لوگ غیر اللہ پر مر کر دوزخ خرید رہے ہیں۔ یہی دنیا ولی اللہ بننے کی مارکیٹ بھی ہے اور دوزخی زندگی خریدنے کی مارکیٹ بھی ہے۔

نوٹ: یہ ملفوظات حضرت والا نے حسبِ عادتِ شریفہ بوقتِ سیر ارشاد فرمائے اور فرمایا کہ یہ چلتی پھرتی خانقاہ اور چلتا پھرتا مدرسہ ہے یا نہیں؟ ہمارے سبق کا کوئی وقت مقرر نہیں کیونکہ میرا سبق تابع ہے مالک کے کرم کا اور اللہ کی رحمت کا کوئی موسم نہیں ہوتا۔ دنیاوی بارش کا تو موسم ہے اللہ کی رحمت کا کوئی موسم نہیں۔ ان کی رحمت کی بارش ان کے ارادہ کے تابع ہے، جب چاہیں برسا دیں۔

ترجمانِ دردِ دل

ارشاد فرمایا کہ یہ زبان ترجمانِ دردِ دل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے بہ فیضِ دعائے بزرگاں اختر کو دردِ دل بخشا، پھر دردِ دل کی ترجمانی کے لیے زبان بخشی اور زبان کو ترجمانِ دردِ دل بنایا۔ اب ضرورت ہے کان کی۔ جو اللہ اپنے کرم سے اپنے بندے کو دردِ دل دے سکتا ہے۔ وہ کان بھی دے سکتا ہے۔ اور آپ لوگوں کو کان بنا کر یہاں بھیجا گیا ہے۔ پس آپ آئے نہیں لائے گئے ہیں۔ اور یہیں نہیں سارے عالم میں جہاں جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو میرے پاس بھیج دیتا ہے۔ مولانا رومی نے فرمایا۔

مرز باں را مشتری جز گوش نیست

زبان کا خریدار سوائے کان کے اور کوئی نہیں ہے۔ زبان کی قسمت سے کان ملتے ہیں اور کان کی قسمت سے زبان ملتی ہے۔

۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۹/ مارچ ۱۹۹۹ء بروز منگل باغ سندھ بلوچ سوسائٹی
بوقت سیر بعد نماز فجر پونے سات بجے صبح

اہلِ محبت کی قیمت

ارشاد فرمایا کہ ہجرت کو فرض فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے عاشقوں کی قیمت بیان کر دی کہ کفارِ مکہ ہم سے دور ہیں کیونکہ ہمارے نبی کے ناقدرے ہیں، یہاں کعبہ تو قریب ہے مگر میرا نبی میرے عاشقوں کے پاس نہیں ہے اور کعبہ سے زیادہ قیمتی عاشقین ہیں۔ ان کی صحبت کی برکت ہی سے دنیا پر کعبہ کی عظمت واضح ہوگی ورنہ جب گھر والے ہی سے دوستی نہیں ہے تو گھر میں کیا مزہ آئے گا۔ لہٰذا اے صحابہ میرے نبی کے ساتھ تم سب میرے عاشقوں کے پاس جاؤ، کعبہ چھوٹتا ہے تو چھوٹنے دو، میرا گھر چھوٹتا ہے تو گھبراؤ مت کیونکہ گھر والا تمہارے ساتھ ہے۔ کعبہ تو چھوٹ جائے گا لیکن کعبہ والا تمہیں مل جائے گا ورنہ میری نافرمانی سے کعبہ میں رہتے ہوئے تم مجھ سے دور رہو گے، گھر میں رہ کر گھر والے سے دور رہو گے۔ لہٰذا میرا گھر چھوٹنے کی فکر نہ کرو، میری خوشی تمہارے لیے ہزاروں کعبہ سے بہتر ہے۔ اپنے عاشقوں کی خاطر میں اپنے نبی سے اپنا گھر چھڑا رہا ہوں۔ اس سے میرے عاشقوں کی قیمت پہچانو۔

حضرت والا دَامَتْ بَرَکَاتُہُمْ وَطَالَتْ حَیَاتُہُمْ کی زندگی کا ایک ورق

حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں دن رات شیخ کی خدمت میں رہتا تھا،

میرا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا۔ تین دفعہ دواخانہ کھولا اور تینوں دفعہ بغیر قیمت نیلام کرکے شیخ کے پاس آ گیا۔ میرے بعض بزرگوں نے کہا کہ شیخ کے بعد تمہارا کیا حشر ہوگا، تمہارے بیوی بچے کہاں سے کھائیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں شیخ کو چھوڑ کر دواخانہ کھول کر حکیمی کروں۔ ان کی بھی محبت تھی، ان کے خلوص میں کوئی کمی نہیں تھی، لیکن میں نے سوچا کہ میں ساری زندگی شیخ کے ساتھ رہا، اب آخر عمر میں ان کو چھوڑ کر چلا جاؤں اور دواخانہ کھولوں تو حضرت کیا سوچیں گے کہ زندگی بھر ساتھ رہا، اب جب میرا یہاں کوئی نہیں ہے اور میں صاحبِ فراش ہوں، بچے ہندوستان میں ہیں، ایسے وقت میں یہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا، بے وفا نکلا۔ میں نے کہا کہ میرا جو حال ہو سو ہو لیکن بے وفائی کا داغ میں اپنے سر نہیں لے سکتا۔ بے وفائی سے مجھے انتہائی بغض ہے اور پھر ایک اللہ والے کے ساتھ بے وفائی! اور وہ بھی اپنے شیخ کے ساتھ بے وفائی! اللہ کی توفیق سے جب سے شیخ کا دامن پکڑا از اوّل تا آخر شیخ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سولہ سال تک دن رات شیخ کی خدمت میں رہا اور شیخ کی روح میرے سامنے پرواز ہوئی۔ میں مجبورِ محبت تھا، شیخ کی جدائی پر قادر ہی نہیں تھا حالانکہ شیطان نے میرے دل میں بھی وسوسہ ڈالا کہ واقعی بات ہے حضرت کے انتقال کے بعد تم کہاں جاؤ گے تو میں نے شیطان کو جواب دیا کہ شیخ کا انتقال ہو جائے گا لیکن جس مولیٰ کے لیے میں اپنے شیخ پر مر رہا ہوں وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا، وہ مجھے سنبھال لے گا۔ پھر شیطان نے کہا کہ مگر دنیا تو دارالاسباب ہے، جب تمہارے پاس کچھ ہوگا ہی نہیں تو کھاؤ گے کہاں سے؟ میں نے کہا کچھ نہیں تو چنے تو مل ہی جائیں گے وہی بھنوا کر چبالوں گا، پھر اس نے کہا کہ کپڑے کہاں سے لاؤ گے؟ کیا ننگے

پھرو گے؟ اور جوتے تک تمہارے پاؤں میں نہیں ہوں گے تو کیا کرو گے؟ میں نے کہا ناف سے گھٹنے تک ستر ہے۔ ایک تہبند باندھ لوں گا، ستر چُھپ جائے گی اور نماز بھی ہوجائے گی اور جوتے نہ ملے تو کھڑاؤں (لکڑی کے چپل) پہن لوں گا اور کھڑاؤں بھی نہ ملی تو ننگے پیر پھروں گا۔

جو میرے ہمدرد تھے وہ تو ہمدردی میں یہ مشورہ دیتے تھے لیکن جو حاسدین تھے وہ پوری زندگی طعنہ دیتے رہے کہ شیخ کے ساتھ مالٹا چوستا ہے اور مرغی کھاتا ہے، شیخ کے بعد دیکھیں گے کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔ آج ان حاسدوں نے حشر دیکھ لیا کہ شیخ کے بعد بھی میں مالٹا چوس رہا ہوں اور مرغی کھا ہی نہیں رہا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے میرے دسترخوان پر برکت نازل فرمائی ہے کہ دوسروں کو مرغی کھلانے کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ اللہ والوں کی خدمت کو رائیگاں نہیں فرماتے۔ ہماری ساری عبادات میں اعتراض لگ سکتا ہے لیکن اللہ والوں کی خدمت میں ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی اعتراض نہیں لگتا جیسے کسی فیکٹری مالک کا ایک ہی پیارا بیٹا ہو اور کوئی شخص اس بیٹے کی خدمت کررہا ہے تو سب کے کاموں میں وہ مالک اعتراض کرسکتا ہے کہ یہ کیوں کرتے ہو اور وہ کیوں کرتے ہو لیکن اس کے پیارے بیٹے کی جو خدمت کررہا ہے اس پر اعتراض نہیں کرے گا۔ اللہ والوں کی خدمت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی کی اولاد کے ساتھ محبت اور خدمت کررہا ہو۔ ساری مخلوق اللہ کی اہل وعیال ہے اور مخلوق میں جو خاص بندے ہیں وہ اللہ کے اہل وعیال کی سب سے اعلیٰ قسم ہے لہٰذا ان کی خدمت اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

۹/ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۸/مارچ ۱۹۹۹ء بروز اتوار، دس بجے صبح،
حجرۂ حضرت والا دامت برکاتہم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سندھ بلوچ سوسائٹی،
گلستانِ جوہر، کراچی

انبیاء علیہم السلام کے علمِ غیب کی نفی کی انوکھی دلیل

آج صبح ناشتہ کے بعد حضرت والا نے سب لوگوں کو جو صبح کی سیر کے لیے حضرت والا کے ساتھ آئے تھے، اپنے حجرہ میں طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا کہ آج کچھ لوگ عرفہ کا روزہ رکھنے والے تھے اس لیے مجھے آپ لوگوں کو وہ حدیث سنانی ہے کہ اگر کھانے کے وقت کوئی روزہ دار سامنے بیٹھا ہو تو کیا دعا پڑھنا سنت ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے بلال آؤ! ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ حضرت بلال نے عرض کیا کہ اِنِّیْ صَائِمٌ یَارَسُوْلَ اللہِ۔ اے اللہ! کے رسول میں تو روزہ سے ہوں۔ اسی سے معلوم ہوا کہ نبی کو علمِ غیب نہیں ہوتا۔ اگر آپ کو علمِ غیب ہوتا تو آپ کبھی ان کو کھانے کے لیے نہ بلاتے۔ بلانا دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے روزہ کا علم نہ ہونے کی اور یہی دلیل ہے نبی کے عالم الغیب نہ ہونے کی۔ اس حدیث سے انبیاء کے علمِ غیب کی نفی کا ثبوت شاید ہی کسی محدث نے بیان کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے شاید مجھے اس علم میں خاص فرمایا۔ بتایئے! علمِ عظیم عطا ہوا ہے یا نہیں؟ جو محدثین کرام یہاں موجود ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ اس حدیث سے علمِ غیب کی نفی آپ نے کسی سے سنی تھی یا کسی کتاب میں دیکھی تھی یا جن استادوں سے آپ نے پڑھا ہے ان سے کبھی سنی تھی؟ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج سارے عالَم کے بڑے بڑے علماء اس فقیر کی باتوں پر وجد کرتے ہیں اور اس فقیر کی باتیں نوٹ کرتے ہیں۔ اس علمِ عظیم سے آج دل مست ہو رہا ہے۔ بتایئے انبیاء کو علمِ غیب نہ ہونے کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے۔

اور ھُد ھُد نے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں آپ کے لیے ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں ہے یعنی بلقیس کی حکومت کی میں خبر لایا ہوں اور اس خبر سے آپ بے خبر ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علمِ غیب کی ھُد ھُد نفی کر رہا ہے۔ یہ ھُد ھُد تو بہت پرانا وہابی نکلا۔

کیا کہیں لوگ قرآن شریف نہیں دیکھتے، جگہ جگہ انبیاء کے علمِ غیب کی نفی ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾

(فتحُ الباری، کتابُ النکاح، ضرب الدف فی النکاح والولیمة)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر میں علمِ غیب جانتا تو اپنے لیے تمام خیر جمع کر لیتا۔ میں کہتا ہوں کہ نبی کو اللہ کے برابر کیوں کرتے ہو، کیا اللہ میں اور پیغمبر میں فرق نہیں ہونا چاہیے؟ نبی کو اللہ کے برابر کرنا یہ حماقت واضحہ ظاہرہ کالشّمس البازغہ ہے۔ بتائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ تو سجدہ کرنے کی حالت میں آپ ساجد ہوئے یا نہیں اور اللہ تعالیٰ مسجود ہوئے تو ساجد اور مسجود کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ جس کا سر سجدہ میں اللہ کی عظمتوں کے قدموں میں پڑا ہو تو اس ساجد اور مسجود کو بعض حمقاء برابر کرنا چاہتے ہیں اور اس عقیدہ سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرتے ہیں۔ پیغمبر کو اللہ کے برابر کرنا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ساتھ بے ادبی و گستاخی ہے۔ نبی نبی ہے اللہ اللہ ہے۔ ہاں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے، نہ کوئی نبی آپ کے برابر ہے، نہ کوئی فرشتہ آپ کے برابر ہے، نہ عرش و کرسی آپ کے برابر ہیں۔ اللہ کے بعد ساری کائنات میں آپ ہی بڑے ہیں لیکن نبی کو اللہ کے برابر کرنا غلو فی الدین اور

تجاوز عن الحدود ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے۔

تو جب حضرت بلال نے عرض کیا کہ میں روزہ سے ہوں تو آپ نے فرمایا نَاْکُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلَ رِزْقِ بِلَالٍ فِی الْجَنَّۃِ ہم تو اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال کا رزق جنت میں جمع ہو رہا ہے۔ یہاں آپ نے حضرت بلال کا نام لیا تاکہ ان کو مزہ آجائے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر میرا نام آیا ورنہ آپ ضمیر پر بھی اکتفا فرما سکتے تھے کہ فَضْلَ رِزْقِکَ فِی الْجَنَّۃِ لیکن حضرت بلال کی طیبِ خاطر کے لیے آپ نے ان کا نام لیا اور اس جملہ میں ان کے جنتی ہونے کی بشارت بھی مل گئی۔

معلوم ہوا کہ اگر کھانے کے وقت کوئی روزہ دار سامنے بیٹھا ہو تو اس وقت یہ جملے کہنا سنت سید الانبیاء ہے کہ میں اپنا رزق کھا رہا ہوں اور تمہارا رزق جنت میں جمع ہو رہا ہے اور یہ ایک قسم کی دعا ہے کہ تمہارا رزق اللہ جنت میں جمع کر دے یعنی جنتی بنا دے۔ یہ جنتی ہونے کی دعا ہے اور اس سنت کا علم کم لوگوں کو ہے۔

ذوقِ عاشقانۂ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم

۲۲ رذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۰ راپریل ۱۹۹۹ء بروز ہفتہ بعد فجر ساڑھے چھ بجے بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال بلاک نمبر ۲، کراچی۔

ارشاد فرمایا کہ اگر دوامِ تقویٰ کی نعمت حاصل نہیں ہے تو حسنِ تقریر اور حسنِ تحریر اور مخلوق کی تعریف سے دھوکا نہ کھاؤ، کسی کی تعریف سے کیوں مست ہوتے ہو۔ یہ دیکھو کہ ہمارا کوئی لمحہ ایسا تو نہیں ہے جو اللہ کی ناراضگی میں گذرتا ہو۔ اسی غم میں جیو اور اسی غم میں مرو کہ قیامت کے دن اللہ ہم سے خوش ہوگا یا نہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْھَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ قیامت کے دن جب میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو آپ اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لیں۔ یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانِ پاکِ نبوی کے ذوقِ عاشقانہ کی غماز ہے۔ اگر کسی کے ماں باپ بیٹے کو دیکھ کر اپنا منہ پھیر لیں تو اس بیٹے کو جو اپنے ماں باپ کا عاشق ہے کس قدر غم ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف وغم ہونا ذوقِ عاشقانۂ نبوت ہے۔

یہ دعا سرورِ عالم سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کے خوف کو ظاہر کرتی ہے باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ کی ناراضگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ممتنع اور محال ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا رَبِّ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فِیْهِ خَوْفُ الْاَنْبِیَآءِ مَعَ عِصْمَتِهِمْ وَ اِمْتِنَاعِ الْکُفْرِ عَلَیْهِمْ فَکَیْفَ یَصِحُّ لِغَیْرِهِمْ اَنْ یَّغْتَرَّ بِصَلَاحِهٖ اس دعا میں انبیاء علیہم السلام کے خوف کا ظہور ہے باوجود اس کے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور کفر اُن پر ممتنع اور محال ہے پھر بھی وہ ڈرتے رہتے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جن پر حق تعالیٰ کی جلالت وعظمتِ شان منکشف ہوگئی ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت لرزاں وترساں رہتے ہیں)۔ پس غیر نبی کے لیے کیسے جائز ہوگا کہ وہ اپنی صالحیت کے دھوکے میں مبتلا ہو۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ دعا مانگ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو تعلیم دے دی کہ حق تعالیٰ کی عظمتِ شان کو پہچانو اور قیامت کے دن اللہ کے چہرہ پھیر لینے یعنی ناراضگی حق سے پناہ مانگو۔

لفظ مُبَشِّر کا نزول

ارشاد فرمایا کہ یہ آیت اِنَّـآ اَرْسَلْنٰـکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا

وَ نَذِیْرًا پر زندگی میں پہلی بار ذہن منتقل ہوا کہ بشارت دینے کے لیے لفظ مبشر آیا ہے، بَشِیْرًا بھی نازل ہوا ہے مگر مبشر میں رحمت کا ظہور زیادہ ہے اور قرآنِ پاک میں اگر ایک جگہ بھی کوئی لفظ مستزاد ہے اور دوسری جگہ اس کا متبادل لفظ آئے جو مستزاد نہ ہو تو اس کے معانی مستزاد سے مقید ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں بشیر نازل ہوا ہے وہ معنیٰ میں مبشر کے ہوگا۔ قاعدہ ہے اِنَّ کَثْرَۃَ الْمَبَانِیْ تَدُلُّ عَلٰی کَثْرَۃِ الْمَعَانِیْ جب بناء میں حروف زیادہ ہو گئے تو معانی کی کثرت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا مبشر کے الفاظ کی بناء میں تعدد فرما کر اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ظہور میں تعدد فرمایا کہ ہماری تبشیر انذار سے زیادہ ہے۔ اس لیے مبشر نازل ہوا ہے کہیں مُنَذِّرًا نازل نہیں ہوا جو دلیل ہے کہ ہماری رحمت زیادہ ہے ڈرانے سے۔ اس کی مؤید یہ حدیث قدسی بھی ہے:

﴿سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ﴾

(صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ بل ھو قراٰن مجید، ج: ۲، ص: ۱۱۲۷)

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ تو لفظ مُبَشِّرًا بتاتا ہے کہ ہماری رحمت کی خوشخبری کو انذار پر غالب رکھو۔ اس لیے مبلّغِ دین کو چاہیے کہ رحمت کی خوشخبری کو زیادہ بیان کرے بہ نسبت ڈرانے کے ورنہ بعض لوگ زیادہ ڈرانے سے اعتدال سے نکل گئے اور ذہنی مریض ہو گئے۔

ظاہر و باطن کو وفاداری کی تعلیم

ارشاد فرمایا کہ یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ میں تعلیم ہے کہ حسینوں کو دیکھ کر آنکھوں سے ہماری نافرمانی نہ کرو اور دل میں گناہوں کے خیال پکا کر حرام لذت نہ حاصل کرو۔ اس میں سبق ہے کہ ہماری وفاداری اور فرماں برداری کے تم پر آثار رہیں۔ تمہارا ظاہر بھی ہمارا وفادار ہو اور تمہارا باطن بھی ہمارا وفادار ہو۔ ایک آدمی آپ کا معتقد بنا ہوا بیٹھا ہے،

آپ کے پاؤں دبا رہا ہے، سر میں تیل مالش کر رہا ہے اور دل میں آپ کے خلاف منصوبے بنا رہا ہے تو آپ بھی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے جس کا باطن آپ کا یار اور ہمنوا نہ ہو لہٰذا ہماری فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ بات پسند نہیں کہ ہمارا ظاہر و باطن ان کا وفادار نہ ہو۔ مثلاً نگاہِ چشمی کو تو ہم نافرمانی سے بچالیں لیکن نگاہِ قلبی میں گناہ کے خیالات سے حرام لذت اُڑائیں۔ لہٰذا ظاہری طور پر بھی عورتوں سے اور امردوں سے بچو اور باطن کو بھی ان کے خیالات سے پاک رکھو۔ بعض لوگوں کو عورتوں سے شدید مجاہدہ ہوتا ہے، بعض کو امردوں سے شدید مجاہدہ ہوتا ہے، عورتوں سے کم ہوتا ہے اور بعض کو دونوں سے ہوتا ہے۔ یہ تین قسمیں ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کی نافرمانی اور حرام لذت کشی سے ظاہر کو بھی بچاؤ اور باطن کو بھی بچاؤ۔ ظاہر و باطن دونوں کو اللہ کا فرماں بردار رکھنے کی اس آیت میں تعلیم ہے۔

۲۷/ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۵/اپریل ۱۹۹۹ء بروز جمعرات، بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سندھ بلوچ سوسائٹی گلستان جوہر بلاک ۱۲ کراچی۔

حضرت اقدس مدظلہم ودامت برکاتہم صبح کی چہل قدمی کے بعد خانقاہ تشریف لائے اور نمازِ اشراق ادا فرمائی۔ حضرت والا نے عربی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا جس سے حضرت والا کی وجاہت و جمال میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ نماز کے بعد مندرجہ ذیل ملفوظ ارشاد فرمایا۔ (جامع)

ایک علمِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ جب میں نے نیت باندھی تو میرے قلب میں اللہ تعالیٰ نے ایک علمِ عظیم عطا فرمایا کہ تمہاری پیدائش کی بنیاد نطفۂ ذلیل مَاءٍ دَافِقٍ اور مَاءٍ مَّھِیْن سے ہے یعنی ایک ذلیل پانی جس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ دل میں یہ آیا کہ تم ایک ناپاک پانی کے قطرے سے کھنچے ہوئے ہو۔ اپنے باپ کی پشت میں تم

ایک ناپاک قطرہ تھے میں نے اسی نطفۂ ناپاک کو جو مردہ منی تھی تمہارا جسم بنا دیا اور ناپاک اسٹر کچر کو کتنے جمال سے بنایا کہ ہاتھ پیر کان ناک سب تناسب اعضاء کے ساتھ بنائے۔ اَلْبَارِی کے معنی ہیں اَلَّذِیْ یَخْلُقُ بِتَنَاسُبِ الْاَعْضَآءِ جو اعضا کو تناسب سے پیدا کرے جیسے ناک کے دونوں سوراخ برابر ہیں ورنہ اگر تناسب کے ساتھ نہ پیدا فرماتے کہ ایک سوراخ چھوٹا سا اور دوسرا تین فٹ چوڑا ہوتا تو کتنا برا لگتا اور کبوتر اُڑتے اُڑتے اس میں پھنس جاتا اور پھر اس اسٹر کچر پر کیا عمدہ فنشنگ کی کہ ہمارے گوشت، خون اور ہڈیوں پر کیا عمدہ جلد لگا دی اور تمام عیب کو چھپا دیا اور پھر حواسِ خمسہ ناطقہ، باصرہ، سامعہ، شامہ اور لامسہ عطا فرمائے کہ وہ ناپاک نطفہ آج بول رہا ہے، دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، سونگھ رہا ہے، چھو رہا ہے۔ حواسِ خمسہ کے ساتھ مزید انعام یہ بخشا کہ عقل وفہم عطا فرمایا اور ایمان سے مشرف فرمایا کہ آج تم زبان سے سبحان اللہ کہہ رہے ہو۔ کیا اس نطفۂ ناپاک کو یہ کمالِ عروج نہیں عطا ہوا کہ جو ناپاک ہو وہ اللہ کی پاکی بیان کرے، ایک ناپاک کی زبان سے پاکیِ خالق بیان ہو رہی ہے، ایک ناپاک مادّہ اللہ کی پاکی بیان کرنے کا اہل قرار دیا جا رہا ہے۔ ناپاک نطفہ سے سبحان اللہ کا نکلنا یہ اللہ تعالیٰ کا تاجِ عزت اور فضلِ عظیم ہے کہ تم ناپاک تھے لیکن اب میری پاکی بیان کرنے کا شرف تم کو عطا ہو رہا ہے۔

آج اس علمِ عظیم سے مجھ کو وجد آ گیا کہ جب میں نے نیت باندھی تو میرے دل میں یہ پورا فیچر آ گیا کہ اے نطفۂ ناپاک تو اپنے ابتدائی مادّہ مَاءٍ مَّهِيْن کو یاد کر کہ تو ایک نطفۂ ناپاک تھا، میں نے تجھے قوت بینائی، گویائی، شنوائی عطا فرمائی کہ جس سے تو دیکھ رہا ہے، بول رہا ہے، سن رہا ہے اور تیرے اسٹر کچر کو فنشنگ دے کر اور کرتا پاجامہ اور جبہ پہنا کر اور سجا کر اپنے سامنے کھڑا کیا ہوا ہے اور ایک مادّہ ناپاک کو اس مقام کا شرف بخشا کہ آج تو میری پاکی بیان کر رہا ہے اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہہ رہا ہے۔ پھر ارشاد

فرمایا کہ لباس پہننے کی نیت ہر شخص کی الگ ہوتی ہے۔ یہی جبہ اگر فخر اور تفاخر کے لیے ہو تو حرام ہے اور یہی شکرِ نعمت کا سبب ہے اگر یہ سمجھیں کہ ہم تو اس قابل نہیں مگر آپ کے کرم نے بخشا ہے تو آپ کی نعمت کو استعمال کرتا ہوں تا کہ آپ خوش ہو جائیں۔ کیا شان ہے آپ کی کہ آپ نے ایک نطفۂ ناپاک کو جبہ پہنا کر سجایا ہوا ہے جیسے کوئی ابا اپنے بچے کو خوب عمدہ عمدہ کپڑا پہنا کر پیار کر لے تو اللہ تعالیٰ کا پیار اور ان کی شانِ کرم محسوس کی اختر نے ورنہ پچاس سال پہلے بھی تو میں جبہ پہن سکتا تھا لیکن میں نے زندگی میں کبھی نہیں پہنا اور اب جب بالکل بڈھا ہو گیا تو اس عمر میں یہ تقاضا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ چار بار استخارہ بھی کیا یعنی اٹھائیس رکعات پڑھیں کہ اگر آپ کو میرا جبہ پہننا پسند ہے تو مجھ کو توفیق عطا فرمائیے اور اگر آپ خوش نہیں ہیں تو ایک کروڑ جبے آپ پر فدا ہیں۔ جبہ کیا چیز ہے مجھے تو آپ کو خوش کرنا ہے۔ میں اکثر نماز جبہ اتار کر پڑھتا ہوں لیکن آج میں نے کہا کہ اس جبہ میں اپنے مولیٰ کو دکھاؤں گا تا کہ آپ دیکھیں کہ آپ نے اس نطفۂ ناپاک کو کیسا سجایا ہوا ہے۔ میں تو خریدتا بھی نہیں ہوں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہدیہ بھیج دیتا ہے۔ ایک جبہ میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب کو اور یہ جبہ مجھ کو ہدیہ دینے والا مدینہ منورہ کا ایک عالم ہے جس کی ڈیوٹی روضۂ مبارک پر ہوتی ہے۔ جن بزرگوں نے جبہ پہننے سے احتیاط کی ہے یہ ان کی احتیاط ہے لیکن ہر زمانہ اور ہر مکان اور ہر شخص کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں۔ شاہ ابرار الحق صاحب نے بھی اسی مسجد میں جبہ پہنا اور فرمایا کہ آج میں نے جبہ پہنا ہے اور اختر بھی پہنے گا۔

ہمیں مخلوق سے کیا غرض، ہمیں تو اللہ کو دِکھانا ہے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا کہ ایک بزرگ نابینا تھے انہوں نے جمعہ کو سرمہ لگایا۔ بیوی نے کہا کہ آپ اندھے ہیں، اندھی آنکھ میں سرمہ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ فرمایا کہ مجھے تجھ کو دکھلانا نہیں ہے، مسجد جا رہا ہوں اپنے مولیٰ کو

دکھلاؤں گا۔ بینا ہونا میرے اختیار میں نہیں تھا مگر سرمہ لگانا تو میرے اختیار تھا اس لیے اللہ کو دکھاؤں گا کہ میں آپ کے نبی کی سنت لے کر آیا ہوں۔

تربیتِ اولاد کا پیارا انداز

صاحبزادے حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم کو اس ارشاد کے شروع میں طلب فرمایا لیکن وہ مدرسہ کے کسی ضروری کام میں مصروف تھے اس لیے آنے میں ذرا تاخیر ہوگئی۔ مولانا موصوف کے تشریف لانے پر ارشاد فرمایا کہ اوّل تو میں احتیاط کرتا ہوں لیکن اگر بلایا تو سب کام چھوڑ کر وہاں پہنچو اور آئندہ کے لیے وعدہ کرو کہ فوراً آؤ گے۔ اگر کوئی ضروری کام ہے تو کہوا بابہت ضروری کام ہے، دس منٹ لگیں گے۔ ورنہ موقع نکل جائے گا۔ بعضے ایسے کام بھی ہوتے ہیں کہ مہتمم کو ان کو اسی وقت کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اگر چند قدم آ کر خود کہہ دے کہ دس منٹ میں آ رہا ہوں تو تمام لوگوں پر اس کا اثر پڑے گا، نفع متعدی ہوگا، لوگ سمجھیں گے کہ دیکھو باپ کا کتنا ادب کیا ہے اس بچے نے کہ خود جا کر اطلاع کی اور اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں بھی کیا طغیانی آئے گی کہ اس نے اپنے باپ کا کیسا ادب کیا ہے۔ یہ نہ سوچو کہ ارے ابا تو بہت پیارے ہیں وہ تو کچھ نہیں کہیں گے، اس لیے اچھا ہے دیر سے جاؤ مگر پیار اور کرم کا شکریہ یہ ہے کہ زیادہ اطاعت کرو کیونکہ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ تھے انہوں جب یہ آیت پڑھی مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ تم کو ربِّ کریم سے کس نے دھوکہ میں ڈالا ہے تو اس بزرگ اللہ والے نے کہا کہ کَرَمُكَ يَا رَبِّي اے رب آپ کے کرم سے ہی تو ہم لوگ آپ سے غافل ہو گئے ورنہ ہم کو اگر ڈنڈے پڑتے تو پھر پتہ چلتا جیسے کوئی بدنظری کر رہا ہے تو ایک فرشتہ آسمان سے ایسا جوتا یا طمانچہ لگاتا کہ چکر آ جاتے لیکن اللہ تعالیٰ انتہائی کریم مالک ہیں جس سے ہماری جسارت بڑھ گئی مگر یہ جسارت محمود نہیں، مذموم ہے، ہماری نالائقی ہے

آپ کے کرم کے ساتھ تو ہمیں آپ پر اور فدا ہونا چاہیے تھا۔ ایک شفیق باپ ہے تو اس باپ پر اور زیادہ فدا ہونا چاہیے بہ نسبت ڈنڈے والے باپ کے۔ ایسے اللہ تعالیٰ پر زیادہ فدا ہونا چاہیے کہ جو ہمیں بدنظری کے وقت نابینا کرنے پر قادر ہے لیکن پھر بھی ہماری بینائی کو سلب نہیں کرتا تو ایسے مالک پر فدا ہونا چاہیے یا نہیں؟ کچھ شرافت ہے یا نہیں؟ یا خباثت اور کمینہ پن کی حد ہے۔ علم کی نعمت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم کمینہ پن سے نہ رہیں، اللہ والے بن کر رہیں اور خاندانی عزت وشرافت ہمیں مجبور کرتی ہے جیسے کسی کو نسبت عزتِ سادات حاصل ہے کسی کو نسبتِ بزرگاں حاصل ہے تو ہمیں اور زیادہ چوکس اور مستعد رہنا چاہیے۔

۱۱؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۸؍اپریل ۱۹۹۹ء بروز چہارشنبہ بعد نماز فجر
بمقام سندھ بلوچ سوسائٹی گلستان جوہر بلاک ۱۲، کراچی

خاموش عبادت

آج صبح سیر کے بعد حضرت والا دام ظلہم العالی نے مدرسہ جدید سندھ بلوچ سوسائٹی کے میدان میں چٹائی بچھوائی اور وہیں پر استراحت فرمائی۔ تقریباً ایک گھنٹہ حضرت والا کے ساتھ ہم لوگ وہیں رہے۔ ایک گھنٹہ بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ اتنی دیر سے یہاں بیٹھے ہیں، نادان آدمی کہے گا کہ ان صوفیوں کا عجب حال ہے، نہ ذکر کر رہے ہیں، نہ تلاوت، نہ تہجد، خاموش بیٹھے ہوئے وقت ضائع کر رہے ہیں لیکن اس کو خبر نہیں کہ یہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی عبادت کر رہے ہیں۔ کُوْنُوْا امر ہے، یہ تعمیلِ امر کر رہے ہیں، فرشتہ ان کے اعمال نامے میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا ثواب لکھ رہا ہے۔ کُوْنُوْا میں کسی عبادت کا حکم نہیں ہے۔ اس میں خاموش صحبت کی بے زبانی بھی قبول ہے کیونکہ اس پر کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ صادق ہے۔ قرآن پاک کے حکم پر عمل ہو رہا ہے کہ صادقین کے پاس رہ پڑو، پھر اس سے بڑھ کر اور کون سا

تصوف ہوسکتا ہے۔

۲۰ ؍ جمادی الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۲ ؍ ستمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعرات

اختلافِ ائمہ حضور ﷺ کی محبوبیت کی دلیل ہے

مصر کے ایک عالم نے متحدہ عرب امارات کے شہر العین کی جامع مسجد میں مجھ سے کہا کہ ائمہ کا اختلاف اُمت کے لیے فتنہ ہے۔ چار اماموں کی کیا ضرورت تھی۔ حدیث کافی ہے، اگر امام نہ ہوتے تو سب اہلِ حدیث ہوتے اور کوئی اختلاف نہ ہوتا اس کا جواب اللہ نے دل کو یہ عطا فرمایا کہ ائمہ اربعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کی حفاظت کے ضامن ہیں۔ کیونکہ تمام سنتیں چاروں اماموں میں تقسیم ہوگئیں جس امام کو جو روایت صحیح اسناد سے پہنچی اس نے اس کو لے لیا، دوسرے امام کے پاس دوسری حدیث پہنچی اس نے اس کو بیان کر دیا اور ہر ایک نے اپنی اپنی روایت کے مطابق مسائل کا استنباط کیا۔ اب اگر کوئی کہے کہ ایک ہی امام تمام سنتیں کیوں نہیں بیان کرتا تو جواب یہ ہے کہ جو روایت جس امام کو پہنچی ہے اسی پر اس کو فتویٰ دینا ضروری ہے اور اس کے خلاف کرنا امانت کے خلاف ہے جیسے امام ابو حنیفہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پہنچی کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے اور دوسرے ائمہ کو دوسری روایت پہنچی انہوں نے دوسری سنت پر عمل کیا۔ اس طرح چاروں اماموں کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتیں تقسیم ہو کر زندہ ہوگئیں۔ تو ائمہ کا اختلاف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میرے نبی کی ہر سنت ہر ادا قیامت تک محفوظ ہو جائے اور قیامت تک لوگ میرے نبی کی ہر ادائے سنت کی اتباع کرتے رہیں۔ ورنہ اگر ائمہ میں اختلاف نہ ہوتا تو بعض سنتیں متروک ہو جاتیں لہٰذا چاروں امام محافظ ادائے سنتِ پیغمبر ہیں اور محافظِ سنتِ پیغمبر کو غیر ضروری اور حقیر سمجھنا نادانی ہے۔

۱۱رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۶راپریل ۲۰۰۰ء بروز اتوار بعد نماز مغرب حجرۂ حضرت والا در خانقاہ گلشن اقبال بلاک نمبر۲، کراچی۔

اللہ تعالیٰ کی دو عظیم الشان نشانیاں

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آج ایک علمِ عظیم عطا فرمایا کہ کسی زبان کو دل سے حقیر سمجھنا یا زبان سے ظاہر کرنا اس میں خوفِ کفر ہے۔ چنانچہ تھانہ بھون میں حضرت تھانوی نے ایک شخص کا خط پڑھا جو بنگال سے آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ ہم بہت ہانستا ہے اس کا علاج بتائیے۔ حضرت کی مجلس میں ایک صاحب نے کہا کہ یہ بنگالی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے اس جملے سے حقارت کی بو آرہی ہے کہ تم نے اہلِ بنگال اور ان کی زبان کو حقیر سمجھا لہٰذا تم جا کر دوبارہ کلمہ پڑھو اور دو رکعات نمازِ توبہ پڑھو۔ لہٰذا زبان کو حقیر سمجھنا اس لیے حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَ اَلۡوَانِکُمۡ اے دنیا والو! تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف میری نشانی ہے اور نشانی سے جان پہچان ہوتی ہے یعنی تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف میری معرفت کا ذریعہ ہے۔ میں افریقہ کے ملک ملاوی میں تھا۔ ایک صبح کتے بھونک رہے تھے۔ میں نے دوستوں سے عرض کیا کہ جانوروں کی زبان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا ذریعہ نہیں بنایا اس لیے دنیا بھر کے جانوروں کی ایک ہی بولی ہے۔ کتا چاہے پاکستان کا ہو یا افریقہ کا ہو یا امریکہ اور برطانیہ کا ہو بھوں بھوں ہی کرے گا اور بلی چاہے کسی ملک کی ہو میاؤں ہی کہے گی لیکن انسانوں کی زبانیں مختلف ہیں کیونکہ ان کو اپنی نشانی اور معرفت کا ذریعہ بنانا تھا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں کہ واہ کیا شان ہے آپ کی کہ کتنی زبانیں آپ نے پیدا فرمادیں۔ لہٰذا کسی زبان کو یا کسی رنگ کو مثلاً کالوں کو حقیر سمجھنا اس میں اندیشۂ کفر ہے۔ ایک شخص کسی

بونے کو دیکھ کر ہنسنے لگا تو اس نے کہا کہ پیالے پر ہنس رہے ہو یا کمہار پر۔ پیالہ پر ہنسنا، پیالہ بنانے والے پر ہنسنا ہے، کسی کی بنائی ہوئی چیز کا مذاق اُڑانا گویا کہ بنانے والے کا مذاق اُڑانا ہے۔

اس آیت کے ذیل میں مُجدِّدِ زمانہ حکیم الامت کا مذکورہ بالا عمل ہماری تائید کرتا ہے۔ ہر انسان خواہ کسی رنگ کا ہو اور کسی زبان کا ہو اس میں ولی اللہ بننے کی صلاحیت موجود ہے، ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کرے ولی اللہ ہو گیا لہٰذا عقلاً بھی کسی کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔ لیکن زبانوں کے بارے میں غیر شعوری طور پر شیطان حقارت ڈال دیتا ہے۔ اس کا خاص دھیان رکھنا چاہیے۔ کہ کسی کی حقارت دل میں نہ آنے پائے۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آ جائے
حریمِ دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا

۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸؍اپریل ۲۰۰۰ء بروز منگل بعد نماز فجر
درخانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

حدیث یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ الخ کی انوکھی شرح

فرمایا کہ دعا مانگنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ﴾
(سورۃ الغافر، اٰیۃ: ۶۰)

مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ ﴾
(سنن الترمذی، کتاب الدعوات)

جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اس لیے خوب مانگو، بغیر مانگے نعمتوں کا انتظار نہ کرو جیسے کوئی کریم کہے کہ میری کھڑکی کو کھٹکھٹاؤ تو میں عطا

کروں گا۔ پھر اگر کوئی نہیں کھٹکھٹاتا تو یہ نعمت کی ناقدری ہے اور کریم سے استغناء ہے پھر محروم رہے تو کیا تعجب ہے اور اس اعتبار سے ایک مثال اللہ تعالیٰ نے ابھی دل میں عطا فرمائی کہ جیسے اس زمانہ میں کارڈ ملتا ہے کہ بینک میں ڈالو اور پیسہ لے لو ایسے ہی دعا کا کارڈ ڈالو اور قبولیت کا پیسہ لے لو۔

اور یہ بھی نہ سوچو کہ ہم تو بہت گنہگار ہیں، ہماری دعا کیسے قبول ہوگی۔ بس ایک بار دل سے خوب توبہ کر کے پھر گناہوں کو یاد بھی نہ کرو کہ ہمارا پالا ارحم الراحمین سے ہے، اس کی رحمت سے امید رکھو، گناہوں کو اور گناہوں کی تباہ کاریوں کو یاد نہ کرو کہ۔

مصر بودیم و یکے دیوار ماند

ہم دین کا ایک شہر تھے، گناہوں سے ہم نے پورے شہر کو تباہ کرلیا، اب ہم صرف ایک دیوار رہ گئے۔ اے اللہ اگر یہ دیوار بھی گر گئی تو ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر شیطان وہ دیوار بھی گرادے تو اے اللہ آپ دوبارہ شہر آباد کرسکتے ہیں۔ شیطان کی منتہائے تخریب کو آپ اپنے ارادۂ تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست فرماسکتے ہیں لہٰذا مایوس نہ ہو، اُن کی چوکھٹ باقی ہے ہماری پیشانی باقی ہے، ان کا در باقی ہے ہمارا سر باقی ہے۔

بڑھ کے مقدر آزما سر بھی ہے سنگِ در بھی ہے

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ فَاغْفِرْلِيْ مَالَا يَضُرُّكَ وَهَبْ لِيْ مَا يَنْقُصُكَ﴾

(شعبُ الایمان لِلبیهقی)

پکارنے کا کیا پیارا انداز ہے اور پکارنے والا بھی کیسا پیارا ہے اور جس کو پکارا جارہا ہے وہ بھی کیسا پیارا ہے کہ پیاروں کا پیارا ہے۔ اے وہ ذات جو اپنی ذات

وصفات میں غیر محدود ہے، اس لیے ہمارے گناہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ نقصان ہمیشہ محدود میں ہوتا ہے، غیر محدود میں نقصان نہیں ہوتا اور ہمارے گناہ خواہ کتنی ہی اکثریت میں ہوں محدود ہیں کیونکہ ان پر عدد کا اطلاق ہوسکتا ہے اور جس چیز پر عدد کا اطلاق ہو جائے وہ معدود ہے اور ہر معدود محدود ہے اور غیر محدود معدود نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس پر عدد کا اطلاق اور فٹنگ نہیں ہوسکتی۔ پس ہمارے محدود گناہ آپ کی عظمتِ غیر محدود کو کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ہماری طاقتِ محدود آپ کی طاقتِ غیر محدود تک پہنچ بھی نہیں سکتی جبکہ آپ کی ایک ادنیٰ مخلوق سورج پر اگر ساری دنیا مل کر تھوکے تو تھوک الٹا ان کے منہ پر آئے گا، سورج کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ جب آپ کی مخلوق کا یہ حال ہے تو آپ کی شان تو فہم وادراک سے بالاتر ہے **فَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَ تَعَالٰی شَانُہٗ عُلُوًّا کَبِیْرًا** اور مضارع استعمال فرمایا کہ حالاً نہ استقبالاً ہمارے گناہ آپ کو مطلق نقصان رساں نہیں ہوسکتے اور الذنوب میں الف لام استغراق کا ہے کہ گناہ کا کوئی فرد اس سے خارج نہیں یعنی گناہ کے جملہ انواع واقسام آپ کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ اور اے وہ ذات جو ہمارے گناہوں کی محدود اکثریت کو اگر معاف فرمادے تو اس کے غیر محدود خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آسکتی اور لا داخل ہونا دلیل ہے کہ مغفرت لامحدود ہے، یہاں بھی عدد فٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ کمی اور نقصان مستلزم ہے عدد کو اور معدود مستلزم ہے محدود کو جیسے اگر کسی جھیل میں نو کروڑ ٹن پانی ہے اور اس میں سے دس ہزار ٹن پانی نکال لیا تو کہتے ہیں کہ جھیل میں پانی کم ہوگیا۔ تو جس طرح کسی چیز پر عدد کا فٹ ہوجانا دلیل ہے کہ وہ محدود ہے اسی طرح جس چیز پر منفی اور مائنس لگ جائے وہ بھی محدود ہے، غیر محدود پر کمی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت پر نہ عدد فٹ ہوسکتا ہے، نہ منفی اور مائنس اور کمی کا اطلاق ہوسکتا ہے کیونکہ غیر محدود ہے۔ اسی

طرح حق تعالیٰ کی جملہ صفات غیر محدود ہیں مثلاً صفتِ رزّاقیت۔ جب بابا آدم علیہ السلام اور مائی حوا علیہا السلام دنیا میں آئے تو روئے زمین پر دو انسان تھے اور ان کے لیے چار روٹیوں کا اللہ تعالیٰ انتظام فرماتے تھے اور آج ارب ہا ارب آدمی ہیں اور سب کو رزق مل رہا ہے اور ہر زمانے میں رزق کی کوئی کمی نہیں ہوئی اس لیے فیملی پلاننگ والے بے وقوف ہیں جو رزق کی کمی کے ڈر سے آبادی کم کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں دو بچے سب سے اچھے۔ یہ سب احمق ہیں۔ جب سے دنیا قائم ہے اللہ تعالیٰ سب کو رزق دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾

(سورۃ الذاریات، اٰیۃ: ۲۲)

تمہارا رزق آسمانوں میں ہے۔ تو چونکہ اللہ کی ہر صفت غیر محدود ہے اور ہماری ہر صفت محدود ہے اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں فَاغْفِرْلِیْ مَا لَا یَضُرُّکَ اے اللہ! ہمارے گناہ اگرچہ کثیر ہیں لیکن محدود ہیں اور آپ کی ذات غیر محدود ہے۔ پس ہمارے گناہوں کی محدود اکثریت آپ کی غیر محدود ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی لہٰذا ہمارے ان گناہوں کو بخش دیجئے جو آپ کو نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے وَهَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُکَ اور ہمیں اپنی وہ مغفرت بخش دیجئے جو غیر محدود ہے اور ہمارے محدود گناہوں کو بخشنے سے جس میں کوئی کمی نہیں آتی۔

لیکن شیطان گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے خزانۂ مغفرت سے بڑا دِکھا کر مایوس کرتا ہے کہ تم تو گناہوں کی آلودگیوں اور گندگیوں میں مبتلا ہو، تم اللہ کے قرب کی فالودگیوں کو کیسے پا سکتے ہو، تم اللہ کے راستے کے قابل ہی نہیں ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے غیر محدود راستہ ومنازل ومسالک کے قابل کون ہوسکتا ہے۔ قابل تو وہ ہی ہوسکتا ہے جو غیر محدود ہو اور اللہ کے سوا کوئی غیر محدود

نہیں۔ انبیاء بھی محدود ہیں، مخلوق ہیں۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ﴾

(تفسیر ابی سعود)

اے اللہ! ہم آپ کو پہچان نہ سکے، جیسا کہ آپ کو پہچاننے کا حق تھا اور آپ کی عبادت نہ کر سکے جیسا کہ آپ کی عبادت کا حق تھا کیونکہ آپ کا نبی بھی مخلوق ہے اس لیے محدود ہے اور محدود غیر محدود ذات کی معرفت وعبادت کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے۔ پس اللہ کے راستہ کے قابل کون ہو سکتا ہے۔ اللہ کا راستہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور ان کے جذب سے طے ہوتا ہے۔

یہ کرم ہے اُن کا اختؔر	جو پڑا ہے ان کے در پر
کوئی زخم ہے جگر پر	غمِ شام ہے سحر پر
میری زندگی کا منظر	ذرا دیکھنا سنبھل کر
مرا غم خوشی سے بہتر	مرا خار گل سے خوشتر
مری شب قمر سے انور	غمِ دل ہے دل کا رہبر

غمِ رہنما کا منظر

ذرا دیکھنا سنبھل کر

لہٰذا ہرگز مایوس نہ ہوں، یہ راستہ مایوسی کا نہیں ہے، امیدوں کے سینکڑوں آفتاب یہاں روشن ہیں۔ جس دن جذب عطا ہوگا آپ اپنے ارادوں کی پستیوں، ہمتوں کی بربادیوں اور گناہوں کی تباہ کاریوں کو بھول جائیں گے۔ پھر آپ کو خود تعجب ہوگا کہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے کہ دنیا بھر کی دلکشیاں اور رنگینیاں مجھے اپنی طرف نہیں کھینچ پا رہی ہیں۔ غیر محدود طاقت کا کھینچا ہوا سارے عالم کی محدود طاقت اور محدود جذب اور محدود دلکشیوں سے کیسے کھنچ سکتا ہے۔ جذب

جاذب کے اختیار میں ہے مجذوب کے اختیار میں نہیں ہے، کھینچے ہوئے کے اختیار میں کھنچنا نہیں ہوتا لہٰذا یہ نہ کسی اور طرف کھنچ سکتا ہے اور نہ کسی اور کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ اللہ کا کھینچا ہوا اللہ ہی کا ہو کر رہتا ہے۔ بس کوشش کرو، اللہ کا ہونے کے لیے جان کی بازی لگا دو اور رو رو کے اللہ کا جذب مانگو۔

لہٰذا کیسی ہی حالت ہو، اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رہو۔ ناامیدی اسی لیے کفر ہے کہ اس شخص نے حق تعالیٰ کی غیر محدود ذات وصفات کو اپنی احمقانہ عقل کے دائرہ میں محدود سمجھ کر عظمت غیر محدود کی ناقدری کی اور حق تعالیٰ کے دائرہ مغفرت کی غیر محدودیت کو اپنے محدود گناہوں کی اکثریت سے چیلنج کیا کہ میرے محدود گناہوں کی اکثریت کو معاف کرنے پر آپ کی مغفرت نعوذ باللہ قاصر ہے حالانکہ ہر محدود اپنی اکثریت کے باوجود غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے اور دنیا کے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق بھی کسی اقلیت کو حق نہیں کہ اکثریت کو چیلنج کرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ناامیدی کو کفر قرار دیا کہ یہ شخص اپنے گناہوں کی محدود اکثریت سے اللہ تعالیٰ کی غیر محدود صفتِ مغفرت کو للکار رہا ہے اور غیر محدود مغفرت کو اپنے محدود گناہوں کے لیے ناکافی سمجھ رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ لَا تَقْنَطُوْا فرما رہے ہیں اور میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ناامیدی کو کفر قرار دینے میں بھی حق تعالیٰ کی انتہائی رحمت پوشیدہ ہے کہ ڈرا دھمکا کر اور دوزخ کا ڈنڈا دکھا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنا رہے ہیں جیسے بچہ اگر باپ سے ناامید ہو کر بھاگنے لگے تو باپ اس کو پکڑ کر کہتا ہے کہ نالائق کہاں بھاگتا ہے میں تیرا باپ ہوں مجھ سے کیوں ناامید ہوتا ہے۔ اگر ناامید ہوا تو میں ڈنڈے سے تیری پٹائی کروں گا۔ پس حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ خبردار میری رحمت سے مایوس نہ ہونا ورنہ دوزخ میں ڈال دوں گا۔ بتاؤ کیا یہ رحمت نہیں ہے؟ اگر سزا دینے میں اللہ تعالیٰ کو دلچسپی ہوتی تو ناامیدی

کو کفر قرار نہ دیتے بلکہ فرماتے کہ اچھا مرنے دو، مجھے کیا سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا لیکن نا امیدی کو کفر قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی رحمتِ بے پایاں سے نوازا ہے۔

احکامِ شریعت کی محبت سے تعمیل طریقت ہے

حضرت والا نے دورانِ گفتگو فی البدیہہ یہ شعر فرمایا۔

دامن پہ گریباں پہ بھی تو ہاتھ نہیں ہے
رہتے ہیں ساتھ ساتھ مگر ساتھ نہیں ہے

پھر اس کی تشریح بھی فرمائی کہ دامن سے مراد تقویٰ ہے اور گریباں سے مراد عشق و مستی ہے۔ بعض لوگ تقویٰ سیکھتے ہیں عشق و مستی نہیں سیکھتے یعنی کتب بینی سے تقویٰ سیکھتے ہیں لیکن اللہ والوں سے رجوع کر کے عشق و مستی حاصل نہیں کرتے اس لیے خشک محض ہوتے ہیں اور اکثر کبر وعجب میں مبتلا ہو جاتے ہیں لہٰذا تقویٰ ہو مگر عشق و مستی کے ساتھ ہو۔

اسی طرح بعض لوگ تقویٰ کے ساتھ عشق و مستی سیکھنے کے لیے اہل اللہ کے ساتھ رہتے ہیں لیکن بوجہ عدم اتباع اور عدم اجتناب عن المعاصی باوجود ساتھ رہنے کے بھی گویا ساتھ نہیں ہیں۔ اس لیے صحبتِ اہل اللہ کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اتباعِ شیخ اور گناہوں سے اجتناب نصیب ہو۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تفسیر علامہ آلوسی نے فرمائی خَالِطُوْهُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَهُمْ یعنی ساتھ رہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان ہی جیسے ہو جاؤ۔ غرض اِتَّقُوا اللّٰهَ شریعت ہے اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ طریقت ہے۔ مراد یہ ہے کہ شریعت و دین و تقویٰ سیکھو لیکن میرے عاشقوں سے سیکھو تاکہ تمہارا تقویٰ عشق و مستی کے ساتھ ہو ورنہ تقویٰ کی صورت ہوگی حقیقتِ تقویٰ سے بے خبر رہو گے۔ میرا شعر ہے

مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یا رب
ترے عاشقوں سے سیکھا ترے سنگِ در پہ مرنا

اور حقیقی تقویٰ معیتِ صادقین سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ۔

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہوکر تیرے دیوانے گئے

آخر میں فرمایا کہ حق تعالیٰ ہر وقت نئے نئے علوم نوازش فرمارہے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

نہ اللہ تعالیٰ کے حسن کی کوئی انتہاء ہے نہ سعدی کے سخن کی انتہا ہے۔ میرا سخن اگرچہ محدود ہے لیکن یہ علوم عالم بے انتہا سے آرہے ہیں اور عالم بے انتہا سے جو چیز عالم انتہا میں آتی ہے تو وہ انتہا بھی بے انتہا ہو جاتی ہے اس لیے حق تعالیٰ کے حسن وجمال کے بیان میں میرے علوم بھی بے انتہا ہورہے ہیں یہ برکت فیضانِ رحمتِ خداوندی اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے استسقا کا مریض پانی پیتے پیتے مرجاتا ہے لیکن دریا جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ اس لیے کتنا ہی حق تعالیٰ کی صفاتِ غیر محدود بیان کرو لیکن ان کا احاطہ محال ہے۔

۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹/اپریل ۲۰۰۰ء بروز بدھ بعد فجر
بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

دعا کا ایک عجیب مضمون

ارشاد فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب مضمونِ دعا عطا فرمایا کہ اے اللہ آپ ہماری نیک آرزوں، نیک تمناؤں، نیک خواہشوں اور نیک خوشیوں کو پورا فرما کر ہمیں خوش کردیجئے اگرچہ ہم اپنی نالائقی سے آپ کو خوش نہیں

کر سکے جس پر ہم شرمندہ ہیں اور آپ سے معافی چاہتے ہیں لیکن آپ ہمیں خوش کر دیجئے کیونکہ آپ ہماری خوشیوں سے بے نیاز ہیں اور ہم آپ کی طرف سے عطاءِ خوشی کے محتاج ہیں اور آپ خوشی عطا نہ فرمائیں تو ہم کبھی خوش نہیں ہو سکتے۔ آپ کی شان اَلْمُسْتَغْنِیُ عَنْ کُلِّ اَحَدٍ وَالْمُحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ ہے۔ سارے عالم کا ہر ذرّہ آپ کا نیازمند ہے اور آپ ہر ذرّہ عالم سے بے نیاز ہیں۔

۷ارمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۳ راپریل ۲۰۰۰ء بروز اتوار، صبح سات بجے،

سندھ بلوچ سوسائٹی گلستان جوہر کراچی

جو نفس کا دشمن نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں

فرمایا کہ حدیث پاک میں ہے:

﴿اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ فِیْ جَنْبَیْکَ﴾

تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ جس نے نفس کو دشمن نہیں سمجھا وہ اللہ کا دوست بھی نہیں ہے، بتائیے! کیسا جملہ ہے یہ؟ اچھا جملہ وہ ہے جو خود دل میں گھر کر لے، اچھے جملہ کی تعریف یہ ہے کہ سننے والا وجد میں آجائے، اصل تعریف وہ ہے جو خود منہ سے نکل جائے، یہ تھوڑی کہ دوسروں سے فرمائش کی جائے کہ بھئی! میری بات کی کچھ تعریف کر دو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ بس جو اپنے نفس کا دشمن نہیں ہے وہ اللہ کا دوست بھی نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کو دشمن قرار دیا ہے تو جب نبی کے فرمان پر ہم عمل نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان گویا ہم نے توڑ دیا، فرمانِ خدا میں اور فرمانِ نبی میں فرق مت کرو، نبی سفیر ہوتا ہے خدا کا جیسے ہر ملک کا سفیر اپنے ملک کے سلطان کا ترجمان ہوتا ہے۔

اپنی عزت کو خاک میں نہ ملاؤ

اب ایک بات اور بتاتا ہوں کہ اللہ جس کو جتنی عزت دے وہ اور زیادہ

اللہ کا شکر ادا کرے اور اپنے نفس کی اور زیادہ دیکھ بھال کرے کیونکہ جب معزز آدمی ذلیل ہوتا ہے تو اس کی رسوائی کا بہت چرچہ ہوتا ہے۔ ایک آدمی سے کسی نے کہا کہ ہم تجھ کو بے عزت کردیں گے، اس نے کہا حضور میرے پاس تو عزت ہے ہی نہیں آپ مجھے کیا بے عزت کریں گے، عزت ہوتی تب بے عزت کرتے، میں تو پہلے ہی بے عزت آدمی ہوں لیکن جس کو خدائے تعالیٰ نے بین الاقوامی عزت دی ہو اسے کسی نامناسب موقع پر شلوار نہیں کھولنی چاہیے ورنہ خودکشیاں تک کرنا پڑیں گی، ہارٹ فیل ہوجائے گا، ایسی عالمی رسوائی ہوئی کہ بعض لوگوں کا ہارٹ فیل ہوگیا، کیونکہ وہ عالمی محترم تھے، عالمی طور پہ عزت حاصل تھی لیکن ذلیل کام کرنے سے پہلے سوچ لو، بعد میں تم شرمندہ ہوتے ہو، پہلے ہی نفس کو کیوں نادم نہیں کرتے، بعد میں کہتے ہو اس کی شکل بڑی ڈراؤنی تھی، نفس وہ ظالم ہے کہ ڈراؤنی شکل سے بھی بدفعلی کرلیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے امکانِ رسوائی پر بھی پابندی عائد کردی کہ نظر ہی مت ڈالو یعنی گناہوں کی فرسٹ ایڈ ہی تمہارے نفس دشمن کو نہ ملے، نفس مردہ اور ذلیل وخوار پڑا رہے، اس میں تمہارے مقابلے کی اور تم سے دشمنی کرنے کی طاقت ہی نہ رہے لہٰذا نظر بچاؤ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ پر عمل کرو، نظر کی حفاظت کرو، یہ حق تعالیٰ کا نہایت کرم ہے، اللہ کو عزیز ہے کہ میرے بندے عزت سے رہیں، جو اپنے کو خبیث حرکتوں سے ذلیل کرتا ہے سمجھ لو کہ اللہ کا انتہائی مبغوض ہوتا ہے، خدائے تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں کہ اس خبیث نے اپنی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں کیا لہٰذا اسی سے سمجھ لو کہ اللہ کا کتنا عظیم کرم ہے جنہوں نے پہلی ہی نظر کو منع کردیا کہ دیکھو ہی مت تاکہ تمہارے نفس کو گناہوں کی فرسٹ ایڈ نہ ملے۔ اور نظر بچاتے وقت یہ بھی نہ سوچو کہ اس میں کوئی خاص حسن نہیں ہے، اس سے کیا نظر بچائیں، یاد رکھو! لوگ بھنگن تک کے عشق میں مبتلا ہوگئے ہیں، جب

چوہا گرم ہوتا ہے تو پھر بل کا حسن نہیں دیکھتا کہ بل کالا ہے یا سفید۔ اس پر میرا ایک شعر سن لو۔

بے کسی اے میر اس چوہے کی دیکھا چاہیے
بلیوں کی میاؤں ہو اور پاس کوئی بل نہ ہو

بتائیے! کیسا شعر ہے؟ اگر کوئی نواب ہوتا تو ابھی ایک لاکھ روپیہ دے دیتا، بلیاں جب میاؤں میاؤں کرتی ہیں تو چوہے کی دوڑ شروع ہو جاتی ہے، گھبراہٹ میں بھاگتے ہوئے وہ اُلٹ پلٹ ہو جاتا ہے اور پھر وہ یہ نہیں دیکھتا کہ بل ماربل کا ہے یا مٹی کا، جیسا بھی ہو اس میں گھس جاتا ہے۔

بس پوری دنیا کا حاصل، پوری کائنات کا حاصل، پوری زندگی کا حاصل صرف ایک جملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائیں، بس مالک کو خوش کرنے کا غم حاصل کرلو، اللہ کے نام پر، مجھ پر، میرے بڑھاپے پر رحم کرو، جو لوگ مجھ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے کہتا ہوں کہ مجھ پر ظلم مت کرو، اپنی زندگی غیر اللہ پر ضائع کر کے میری محنتوں اور آہوں کو رائیگاں مت کرو۔ بس آج سے عزم کرلو کہ زندگی کی ہر سانس اللہ کو راضی رکھیں گے اور ایک بھی سانس خدا کی نافرمانی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

ایک مختصر اِستخارہ

ارشاد فرمایا کہ آج ایک حدیث کا درس دیتا ہوں، جس کی آئے دن ہم کو ضرورت پڑتی ہے۔ بعض دفعہ کسی کام کے بارے میں تردُّد ہوتا ہے کہ یہ کام کریں یا نہ کریں، حدیث پاک میں ہے ایسے وقت میں استخارہ کرلو، استخارے کا ایک بڑا نفع یہ ہے کہ تَرَدُّدُ بَیْنَ الْاَمْرَیْنِ سے نجات مل جاتی ہے، یعنی دو چیز کا تردد ہو تو ایک چیز دل میں جم جائے گی، لیکن بعض وقت استخارے کے لیے دو رکعت پڑھنے کا وقت نہیں ہوتا اور فیصلہ جلدی کرنا ہوتا ہے، تو حکیم

الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ہمارے دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ایک مختصر استخارہ عطا فرمایا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی جب جلدی فیصلہ کرنا ہوتا ہے تو میں بھی اس پر عمل کرتا ہوں وہ یہ ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ خِرْ لِیْ وَ اخْتَرْ لِیْ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات)

یعنی اے اللہ! آپ کے علم میں میرے لیے جو کام خیر ہو وہ آپ میرے دل میں ڈال دیجیے۔ اسے سات دفعہ پڑھ لیں۔ جب کوئی فیصلہ جلدی کرنا ہو اور دو رکعت نمازِ استخارہ پڑھنے کے لیے وقت نہ ہو یا کسی کو بے حد ضعف ہے، بیماری ہے، کمزوری محسوس ہو رہی ہے، دو رکعات پڑھنے اور پھر دعا مانگنے کا وقت نہ ہو تو اس مختصر استخارہ کو پڑھ لے، کوئی کام دماغ میں ہو تو چلتے پھرتے بھی اس کو پڑھ سکتے ہیں۔ استخارہ کے یہ الفاظ حدیث سے ثابت ہیں، جو دعا زبانِ نبوت سے نکلی ہو اس کی قبولیت میں کیا شک ہے۔ ایک بڑے پیارے نے بڑے پیارے کی زبان سے جو دعا اپنے بندوں کو سکھائی وہ کتنی پیاری ہوگی۔

اور استخارہ محتاجِ اشارہ نہیں ہے، نہ کوئی رنگ نظر آنا ضروری ہے، نہ کوئی خواب دیکھنا ضروری ہے، نہ دل میں کوئی آواز آنا ضروری ہے، جو خیر ہوگا وہ دل میں جم جائے گا، آپ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتے، آپ مجبور و مقید ہو جائیں گے، مجبورِ خیر ہو جائیں گے۔ یہ ہے اصل چیز۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ کوئی خواب تو نظر آیا نہیں، نہ کوئی آواز آئی، نہ کوئی ہرا بھرا رنگ نظر آیا، نہ باغات وغیرہ نظر آئے بلکہ اگر بلی یا اُلو وغیرہ نظر آ گیا تو سمجھتے ہیں کہ یہ خطرناک بات ہے، اُلو اور بلی سے استخارہ مت نکالو مثلاً اگر بیٹی کے لیے کوئی اچھا رشتہ آتا ہے اور اس میں خوبیاں ہیں، دیندار ہے، روزی ہے، مکان ہے، سب کچھ دے سکتا ہے، اخلاق بھی اچھے ہیں تو استشارہ اور استخارہ دونوں کام کرو، دونوں

کام ضروری ہیں، استخارہ بھی کرو اور مشورہ بھی کرو اور مشورہ کے بعد پھر ظاہری حالات جیسے ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرو، استخارہ برکت کے لیے کریں، کچھ نظر آئے یا نہ آئے ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ دل اس طرف کردیں گے جس میں خیر ہوگی، اور یہ دعا بھی مانگ لو کہ اے اللہ! آپ کے علم میں ہمارے لیے جو خیر ہو وہی ہمارے دل میں جمادیجئے۔

حدیث پاک کی دو دعاؤں کی عجیب تشریح

اب ایک دعا اور بتاتا ہوں، یہ برابر پڑھتے رہو:

﴿اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَ لَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ﴾

گناہ ہمارا راستہ کھوٹا کرنے والے ہیں۔ گناہ ایسی خبیث چیز ہے جو اللہ اور ہمارے درمیان فاصلہ کرتا ہے، تو بجائے اس کے کہ ہم گناہ کر کے حرام لذت حاصل کریں، اس گناہ سے فاصلہ مانگ لو۔ اور کتنا فاصلہ مانگو؟

﴿اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب ما یقرأ بعد التکبیر، ج: ۱، ص ۱۰۳)

جتنا مشرق و مغرب میں ہے، اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں میں اتنی دوری کردے جتنی دوری مشرق اور مغرب میں ہے یعنی اے اللہ! میرے گناہوں میں مشرق اور مغرب جتنا فاصلہ کردیجئے۔ کیا مشرق کبھی مغرب سے مل سکتا ہے؟ جتنا مشرق کی طرف جاؤ گے مغرب سے اتنا ہی فاصلہ بڑھتا جائے گا، مغرب کی طرف جاؤ گے مشرق سے فاصلہ بڑھتا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو گناہوں سے بچانے کے لیے ایسا بلیغ مضمون عطا فرمایا۔

اور اللہ نے ایک علم عظیم عطا فرمایا کہ مباعدت بابِ مفاعلة ہے جس میں دونوں طرف سے فعل صادر ہوتا ہے یعنی اے اللہ! مجھے اسبابِ گناہ سے دور کردیجیے اور جتنے اسبابِ گناہ ہیں ان کو مجھ سے دور کردے تاکہ گناہ میرے

پاس آئیں ہی نہیں، ایک اللہ والے کا شعر ہے ۔

الٰہی پیار سے دیکھے نہ پھر گناہ مجھے

تو **مباعدت** کا مطلب ہے کہ گناہ ہم سے بھاگیں اور ہم گناہوں سے بھاگیں، جب دونوں طرف سے فرار ہو، تب سمجھو دعا قبول ہوگئی، یہ **مباعدت** کا ترجمہ ہے کہ دونوں طرف سے دوری ہو، یعنی گناہ ہم سے بھاگ رہے ہوں اور ہم گناہ سے بھاگ رہے ہوں۔ دیکھو یہ کیسا نکتہ ہے! یہ ہے گرامر کہ نفس کو گرا دے اور نفس مر جائے پھر گرامر فائدہ دیتی ہے۔ اور دوسری دعا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَ لَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ﴾

اے اللہ مجھ پر وہ رحمت نازل فرمایئے جس سے میں گناہوں کو چھوڑ دوں اور اپنی نافرمانی سے مجھے بدنصیب نہ کیجئے۔ یہ کون سِکھا رہا ہے؟ رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سِکھا رہے ہیں۔ **وَلَا تُشْقِنِیْ** اور معصیت سے ہم کو شقی اور بدنصیب نہ کیجیے **لا** اس وقت داخل ہوتا ہے جب اندیشۂ اثبات ہو۔ معلوم ہوا کہ گناہ میں بدنصیب بنانے کی خاصیت ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے جان کی بازی لگا دو، اللہ کے غضب اور قہر کے اعمال میں اپنے کو مبتلا مت کرو، خود کو ذلیل نہ کرو، تم خود اپنے کو ذلیل کرتے ہو اور پھر شیطان مزید تم کو تباہ کرتا ہے کہ میری قسمت ہی خراب معلوم ہوتی ہے جو میری اصلاح نہیں ہورہی حالانکہ خود اپنے ارادے سے گناہ کرتے ہو۔

بریانی اور پلاؤ کھا کر یہ مت سمجھو کہ ہم بہت مزے میں ہیں، یہ دیکھو کہ تم گناہ کتنے کرتے ہو؟ اگر تم گناہ سے بچ گئے تو اب سمجھو کہ تم رحمت کا سایہ پا گئے، تمہیں اللہ کا پیار مل گیا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ **اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ** بکثرت پڑھتے رہو تا کہ آسمان والے سے رابطہ قائم رہے، کاروبار کرتے ہوئے بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد اللہ کا ذکر کرتے رہو، **سُبْحَانَ اللہِ**،

اللہ اکبر پڑھتے رہو، گاہک آگیا فوراً کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو، ہماری بندگی کے دائرے کو سراپا بندگی بنا دیا کہ میرے بندے کو جب نعمت ملے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھیں اور جب کوئی مصیبت آجائے یا کوئی تکلیف پہنچ جائے تو فوراً اِنَّـا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہیں، کوئی تعجب کی بات ہو تو سُبْحَانَ اللہ کہیں، اوپر چڑھ رہے ہوں تو اللہ اکبر کہیں، نیچے اتریں تو سُبْحَانَ اللہ پڑھیں، بس انہوں نے ہر وقت ہمیں اپنی یاد کے دائرے میں بند کر دیا کہ تم ہم کو چھوڑتے ہو لیکن ہم تم کو ہر وقت اپنی بندگی کے دائرے میں رکھتے ہیں، کوئی بھی حالت پیش آئے تم میرا نام لیتے رہو۔

تقدیر کے متعلق ایک اِشکال کا جواب

بعض لوگوں کو شیطان اُلو بناتا ہے کہ ہماری قسمت میں تصوف نہیں ہے، شاید میں بدنصیب ہوں، میری قسمت ہی خراب ہے، اپنے کرتوت، اپنی نالائقیوں کو تقدیر کے حوالے کرتے ہو، یاد رکھو! تقدیر علمِ الٰہی کا نام ہے امرِ الٰہی کا نہیں ہے یعنی اللہ نے تم کو حکم نہیں دیا کہ تم یہ کام کرو بلکہ جو کام ہم اپنے ارادے سے کرنے والے ہیں اس کو اللہ نے لکھ دیا، ایسا نہیں کہ نعوذ باللہ، اللہ لکھتا ہے کہ تم اب زِنا کرو تب ہم زِنا کرتے ہیں یا اللہ چاہتا ہے کہ تم جھوٹ بولو تب ہم جھوٹ بولتے ہیں بلکہ یہ سب ہماری بدمعاشیاں اور خباثتِ طبع ہے، سب کمینے، بے غیرت اور جاہل لوگ ہیں جو اپنے عیب کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، اس کا نام کوششِ ناکام ہے، احمقانہ کوشش ہے، لیکن اس سے نقصان کیا پہنچتا ہے؟ جب آدمی اپنی برائیوں کو تقدیر پر ڈال دیتا ہے تو پھر اس کو استغفار و آہ وزاری کی توفیق نہیں ہوتی، کہتا ہے کہ ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا اب کس چیز کی توبہ کریں؟ یاد رکھو! یہ بہت خطرناک شیطانی مرض ہے، اس کی وجہ سے ایک تو شیطان تم کو اللہ والوں سے بدگمان کر دے گا کہ ان کے پاس خانقاہ میں اتنے دن رہے پھر

بھی قسمت نہ بنی اور دوسرے استغفار و آہ وزاری کی توفیق بھی نہیں ہوگی۔

گناہ پر مجبور نہ ہونے کی دلیل

اچھا! اگر تمہاری قسمت میں ہے، تم مجبور ہو تو برا فعل کرنے کے بعد تم کو ندامت کیوں ہوتی ہے؟ تم شرمندہ کیوں ہوتے ہو؟ یہ ندامت دلیل ہے دو چیزوں کی۔ ایک تو یہ کہ یہ کام برا ہے، اچھے کام پر ندامت ہوتی ہے؟ آپ لوگ یہاں دینی مجلس میں آئے ہیں کیا کسی کو ندامت ہے کہ ہم یہاں کیوں آئے؟ سب کا دل خوش ہے یا نہیں؟ تو ندامت علامت ہے دو چیزوں کی، نمبر ایک یہ کام برا ہے، نمبر دو تم نے اپنے اختیار سے کیا ہے، اس لیے تم اندر سے شرمندہ ہو کہ میں نے یہ کام کیوں کیا، کاش میری بات ظاہر نہ ہوتی اور میرے بڑے اس سے واقف نہ ہوتے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے واقف نہ ہوتے کہ تم میرے امتی ہو کر ایسا کر رہے ہو۔

جس کا کھانا پینا، چائے سب عمدہ ہے مگر اس سے گناہ نہیں چھوٹتے تو بہت بڑی رحمت سے محروم ہے، اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ سے یہ ظالم مشرف نہیں ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی ہے وَلَا تُشْقِنِیْ اور اپنی نافرمانی سے ہم کو بدنصیب اور شقی اور بد بخت نہ کیجئے، معلوم ہوا کہ نافرمانی میں یہ خاصیت ہے کہ انسان کی قسمت تباہ ہو جاتی ہے، نصیب بگڑ جاتا ہے، جب قسمت ساز کو ناراض کرو گے تو قسمت کیسے سازگار رہے گی؟ واہ! ماشاء اللہ! کیا جملہ اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا ہے، میں سوچتا نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ الفاظ ہی ایسے عطا فرما دیتے ہیں، جب اپنے ارادے سے قسمت ساز کو ناراض کرو گے تو پھر تمہاری قسمت کیسے سازگار رہے گی؟ دیکھو! ایک خاص بات بتاتا ہوں، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں گناہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں، عادت غالب آ جاتی ہے تو یاد رکھو! تم بالکل غلط کہتے ہو، تم مجبور نہیں ہوتے ہو، تم کو بدبختی کی

عادت ہے، تم اپنا نصیبہ خراب کرنے والے پرانے کہنہ مشق نالائق ہو، بعض نالائق ہوتے ہیں، مگر کہنہ مشق نہیں ہوتے اور بعض ایسے خبیث ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کی مستقل عادت پڑی ہوتی ہے، اگر تم مجبور ہو تو اپنے فعل پر نادم کیوں ہوتے ہو؟ جیسے کسی کا ہاتھ مسلسل ہل رہا ہے، اس مرض کا نام ہے رعشہ تو اس کو کوئی ندامت ہوتی ہے؟ وہ بیچارہ تو بیمار ہے، دیکھنے والے بھی کہتے ہیں کہ بیمار ہے، معذور ہے، مجبور ہے، ہر مجبور معذور ہوتا ہے اور ہر معذور ماجور ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ معذور وہ ہے جس کو کام کرنے کی قدرت ہی نہ ہو اور جس کو کسی کام کے کرنے کی بھی قدرت ہو اور اس کو نہ کرنے کی بھی قدرت حاصل ہے وہ معذور نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آدمی گناہ پر مجبور نہیں ہے اپنے اختیار سے گناہ کرتا ہے۔

فناء الفناء کے معنیٰ

ارشاد فرمایا کہ نفس کو اتنا مٹاؤ کہ مٹنے کا بھی احساس نہ ہو، تصوف کی اصطلاح میں اس کا نام فناء الفناء ہے یعنی اپنے کو ایسا مٹاؤ کہ یہ احساس بھی نہ رہے کہ ہم نے اپنے کو بہت مٹایا ہے، اگر یہ احساس باقی ہے تو ابھی نفس زندہ ہے، اگر احساسِ فنائیت ہے تو ابھی نفس نہیں مٹا اور یہ بھی تکبر میں داخل ہے اور بڑائی ابھی نہیں نکلی، لہٰذا نفس کو ایسا مٹانا کہ مٹنے کا احساس بھی نہ رہے۔ اس کی ایک ایسی عجیب مثال اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو عطا فرمائی کہ آپ لوگ بھی کہہ اٹھیں گے کہ۔

پسلی پھڑک گئی نظرِ انتخاب کی

جب آدمی گہری نیند سو رہا ہوتا ہے تو اسے سونے کا احساس نہیں رہتا، اگر سونے کا احساس ہے تو اس کا مطلب ہے کہ نیند اچھی نہیں ہے، ناقص ہے، اگر اس کو احساس ہے کہ میں سو رہا ہوں تو سویا ہوا کہاں ہے، وہ تو جاگ رہا ہے۔ نیند اس

کا نام ہے کہ آدمی سو جائے اور سونا اس کا نام ہے کہ سونے کا احساس بھی نہ ہو۔ اسی طرح مٹنا وہ پسندیدہ ہے کہ مٹنے کا بھی احساس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتنا مٹادے جتنا مٹنے سے وہ خوش ہو جائیں۔

خانقاہ کا مقصد

ارشاد فرمایا کہ ہمارے ہاں خانقاہ میں لکھا ہوا ہے کہ یہاں سیاسی گفتگو ممنوع ہے۔ یعنی خالص اللہ ہو، اللہ تعالیٰ کی خالص محبت ہو، آپ خالص دودھ چاہتے ہیں یا پانی کی ملاوٹ والا دودھ پسند کرتے ہیں؟ تو خانقاہ کو آہ کے لیے خالص رکھو۔ میرا شعر ہے۔

اہلِ دل کے دل سے نکلے آہ آہ
بس وہی اخترؔ ہے اصلی خانقاہ

خانقاہ وہ جگہ ہے جہاں آہ میں باہ نہ ملائی جائے، نہ جاہ ملاؤ، خانقاہ نام ہے خالص آہ کا، جس میں نہ جاہ ہو نہ باہ ہو یعنی شہوتِ نفسانی نہ ہو، بدنظری نہ ہو اور جاہ نہ ہو۔ یہی دو بڑی بیماریاں ہیں، جاہ اور باہ۔ اگر جاہ سے جیم نکل جائے اور باہ سے با نکل جائے تو خالص آہ رہ جائے گی، اب آہ میں اور اللہ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے، انہی دو بیماریوں کی اصلاح کے لیے شیخ بنایا جاتا ہے، شیخ روحانی ڈاکٹر ہے، شیخ منع کرتا ہے کہ دیکھو نظر کی حفاظت کرنا ورنہ اگر تم رسوا ہوئے تو ہماری ذمہ داری نہیں، اب اگر چھپ چھپ کر شیخ کی تعلیمات کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو بتاؤ! شیخ کی کیا ذمہ داری ہے، یہ خود اپنے پیر پر کلہاڑی مار رہا ہے۔ اسی طرح دوسری بیماری جاہ ہے، تکبر نہ کرو، اکڑ کر مت چلو، اگر موبائل سننا ہے تو کمر کو ٹیڑھی مت کرو، ذرا تواضع سے رہو جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ شریف جب فتح فرمایا تو آپ جھک گئے اور اتنا جھکے کہ ڈاڑھی مبارک کجاوے سے لگ گئی۔ ایک انگریز مؤرخ کافر ہو کر لکھتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا یہ

پیغمبر سچا نہ ہوتا، اگر یہ بادشاہ ہوتا تو اس وقت تکبر آ جاتا اور اکڑ کے چلتا، آنکھیں لال ہوتیں کہ تم لوگوں نے مجھے بہت ستایا تھا، آج میں نے تمہارا ملک فتح کرلیا ہے، اب تمہاری خیر نہیں، اب تمہاری اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اکڑفوں کے تواضع سے جھکتے چلے گئے، آپ عظمتِ الٰہیہ سے دب گئے یہاں تک کہ ڈاڑھی مبارک کجاوے سے لگ گئی۔ جو عظمتِ الٰہیہ سے دبا ہوتا ہے وہ کیسے گناہ کرے گا؟ وہ کیسے بدنظری کرے گا؟ جو لوگ گناہ کرتے ہیں یہ غافلین کی جماعت ہے گو صورتاً یَقْظَان لوگ ہیں لیکن صورت بنانے سے کام نہیں چلتا، سیرت بھی بناؤ، سیرتِ اولیاء میں کارِ شیطانی مت کرو۔ میر تقی کا ایک پرانا شعر ہے۔

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار

اب اس زمانے میں تو سید لوگ بھی عمامہ نہیں باندھتے، تبلیغی جماعت میں جو لگ گئے وہ مستثنیٰ ہیں۔ تو میں نے اس شعر کی ترمیم کردی۔

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیے شلوار

کیونکہ اب دستار خطرہ میں نہیں شلوار خطرہ میں ہے اور ویسے بھی اب دستار نہیں باندھی جاتی۔ اب دیکھئے! یہ میر صاحب ہیں، یہ بھی دستار نہیں باندھتے، نگینے کے بہترین سید ہیں، آلِ رسول ہیں، ان کے بارے میں ہم سب کو نیک گمان کرنا چاہیے کہ ان کے خون میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون ہے، جیسے جب تک کوئی شرعی دلیل نہ ہو ہر چیز پاک ہوتی ہے مثلاً جنگل میں حوض ملا، یا گڑھا ملا جس میں پانی تھا، تو شریعت کا قاعدہ ہے کہ اگر وہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو تو جدھر نجاست نظر نہ آئے وہاں سے وضو کرسکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دس ہاتھ

چوڑا اور دس ہاتھ لمبا ہو۔

شک سے یقین زائل نہیں ہوتا

ایک مرتبہ صحابہ کرام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگل سے گذر رہے تھے کہ پانی کا تالاب نظر آیا، حضرت عمر نے فرمایا یہ پانی پاک ہے، اس سے وضو وغیرہ کرلو، صحابہ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہاں بھڑیئے، کتے وغیرہ پانی پیتے ہوں گے، تو فرمایا کیا تم نے انہیں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے؟ ہر چیز کو پاک سمجھو جب تک اس کی ناپاکی یقینی نہ معلوم ہو جائے۔ ایسے ہی بعض لوگوں کو ہر وقت وضو کا شبہ رہتا ہے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک قسم نہ کھالو کہ خدا کی قسم میرا وضو ٹوٹ گیا تب سمجھو کہ ٹوٹا ہے ورنہ شک وشبہ ہے اور محض شک وشبہ سے وضو نہیں ٹوٹتا، وضو تو یقینی کیا اور یقین شک سے نہیں ٹوٹتا، لوہے کو لوہا کاٹے گا، جب اتنا یقین ہو جائے کہ قسم کھالو کہ خدا کی قسم میرا وضو نہیں رہا، اب بے شک وضو کرو، ورنہ شیطان وسوسہ ڈالتا رہے گا۔ ایسے ہی بعض لوگوں کو شیخ کے بارے میں وسوسہ ہوتا ہے کہ شیخ آج کل ناراض ہے، تو میرے شیخ نے مجھے لکھا کہ جب تک قسم نہ کھا سکو کہ خدا کی قسم شیخ ناراض ہے تب تک سمجھو کہ شیخ راضی ہے۔

جنت کی نعمتوں کی شان

ارشاد فرمایا کہ جنت میں جب جنتی لوگ جائیں گے تو ان کی ہر سانس سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نکلے گا، وہاں ذکر کے لیے ارادہ نہیں کرنا پڑے گا، ہر سانس میں ڈھلا ڈھلایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نکلے گا اور وہاں کی نعمتیں خود ہمارے پاس آئیں گی، یہاں تک کہ خیمے میں جو حوریں ہیں تو آپ کو ان کے خیموں تک جانا نہیں پڑے گا۔ ایک مفسر عظیم لکھتا ہے کہ حوریں جن خیموں میں رہیں گی وہ خیمے

حوروں کو لے کر خود اس جنتی کے پاس آئیں گے، جنت میں خیمہ چلے گا فَاِنَّ الْخِیَامَ تَسِیْرُ بِھِنَّ اِلٰی اَزْوَاجِھِنَّ اپنے اپنے شوہروں کی طرف وہ خیمے بمع حوروں کے چلیں گے کیونکہ خیمہ اگر خالی ہوتا تو شوہروں کی آہ نکل جاتی۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نہ نکلا

کہ ہم تو سوچ رہے تھے کہ خیمہ ہماری حور کو لا رہا ہے اور جب خیمہ میں جھانکا تو سب غائب۔ لیکن جنت میں یہ نہیں ہوگا، وہاں ہر نعمت موجود ہوگی وہاں حسرت کا نام نہیں۔ اس لیے مفسرین لکھتے ہیں کہ اپنے اپنے شوہروں کی طرف خیمے حوروں کو لے کر چلیں گے، خالی نہیں آئیں گے اور یہ کب آئیں گے؟ عِنْدَ اِرَادَتِھِمْ اہلِ جنت جب ارادہ کریں گے، یہ تھوڑی ہے کہ ہر وقت سر پر خیمہ چڑھا ہوا ہے اور جب قریب آجائے گا تب خیمہ رُک جائے گا فَاِنَّ الْحُوْرَ تَنْزِلُ مِنَ الْخِیَامِ پھر اپنے اپنے خیموں سے وہ نزول کریں گی یعنی اوپر سے نیچے اُتریں گی، لبِ بام سے اترنے کا بھی الگ مزہ ہے۔ اب میر صاحب سے لبِ بام کا شعر سن لو۔

ہم خاک نشیں تم سخن آرائے لبِ بام
پاس آ کے ملو دور سے کیا بات کرو ہو
دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

دنیا میں اہل اللہ نفس کو ایسے ہی قتل کرتے ہیں، یہ ان کی ہر وقت کی کرامت ہے، ہر ولی اللہ کو ہر وقت استقامت حاصل ہے جو ہزار کرامت سے افضل ہے بلکہ ان کے غلاموں کو بھی اللہ یہ صفت دے دیتا ہے، جنہوں نے اللہ والوں کی غلامی کی ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی صاحبِ استقامت اور صاحبِ کرامت بنا دیتے ہیں،

ان کی آنکھوں سے، ان کی گفتگو سے حق تعالیٰ کی تجلیاتِ ہدایت نشر ہوتی رہتی ہیں جیسے چنبیلی کے پودے کی طرف سے ہوا آرہی ہے تو اس کی خوشبو آپ تک بھی پہنچے گی لہٰذا اللہ والوں کی صحبت میں رہو۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے شیخ کے پاس بیٹھنا چاہیے، ان کے دائرۂ نظر میں رہو، اگر ان کے ٹارگٹ میں رہو گے تو مارگریٹ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، اگر شیخ کی نظر کے ٹارگٹ میں رہو گے تو کوئی پھٹیچر تمہاری ٹیچر نہیں ہو سکتی، نہ تم کو اپنا فیچر دِکھا سکتی ہے۔

سورۃ التین کی تفسیر

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اللہ تعالیٰ نے وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ وَ ھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ طور سینین اور مکہ شریف یعنی تجلیاتِ کعبہ کی قسم بعد میں کھائی اور انجیر اور زیتون کی قسم پہلے کھائی۔ سوال ہوتا ہے کہ انجیر اور زیتون تو پیٹ کی چیز ہے پھر اللہ نے اپنی تجلیات، عظیم نعمت کا ذکر بعد میں کیوں کیا؟ بڑی چیز کو، بڑی نعمت کو تو پہلے بیان ہونا چاہیے تھا، تو اس کا جواب حق تعالیٰ نے میرے قلب کو یہ عطا فرمایا کہ یہ اَلتَّرَقِّیُ مِنَ الۡاَدۡنٰی اِلَی الۡاَعۡلٰی ہے یعنی کم درجے سے اعلیٰ درجے کی طرف ترقی ہو رہی ہے، کیونکہ اگر انجیر اور زیتون نہ ملے اور پیٹ میں کچھ نہ ہو تو جلوہ بھی نظر نہیں آئے گا کیونکہ روٹیوں سے آنکھ کی روشنی قائم ہے، اب شریف بندے روٹی کھا کر آنکھ کی روشنی کو صحیح استعمال کرتے ہیں، اور غیر شریف بندے روٹی کھا کر اس روشنی کو غلط استعمال کرتے ہیں، میں غیر شریف کو خبیث نہیں کہتا، یہ میرا ادب و اکرام ہے، آخر وہ گنہگار مسلمان تو ہے، اس کو کمینہ نہ کہو، غیر شریف کہو، یعنی وہ شریف نہیں ہے تو کیا ہے؟ کمینہ ہی ہے لیکن بزرگوں نے الفاظ میں رعایت سکھائی ہے، جیسے کوئی عالم نہ ہو اس کو یہ مت کہو او! جاہل یہاں بیٹھو بلکہ

یہ کہہ دو کہ غیر عالم ادھر بیٹھ جائیں اور جو عالم ہیں وہ ادھر بیٹھ جائیں تو غیر عالم سے جاہل کو برا نہیں لگتا اور جاہل کہہ دو تو برا لگتا ہے، حالانکہ غیر عالم جاہل ہی ہوتا ہے۔ ایسے ہمارے شیخ ہندوستان کے ہندو کافروں کو فرماتے ہیں کہ غیر مسلم ادھر بیٹھیں، انہیں کافر نہیں کہتے حالانکہ جو غیر مسلم ہو وہ کافر ہی ہے لیکن ہندو اس لفظ سے چڑتا ہے کہ ہم کو کافر کہہ دیا یہ سب دعوت الی اللہ کے نسخے ہیں۔

ایک صاحب نے پوچھا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا یعنی اس کی قد و قامت، اس کی ناک کان جو بنایا ایسا کسی مخلوق کو نہیں دیا چاہے کتنا ہی بڑا جانور ہو، ہاتھی انسان سے دس گنا بڑا ہے مگر اس کے پاس انسانیت کی ہئیت نہیں ہے، تو انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ پھر اس کو نہایت ہی گھٹیا درجے میں پہنچا دیا اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ کر دیا، کیسے؟ بڑھاپا آ گیا، اعضاء کی فنکشنگ ختم ہو گئی، یہاں تک کہ بعض کا اسٹرکچر بھی خراب ہو گیا، کبڑے ہو کر چلتے ہیں۔ تو ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے جو استثناء ہے تو کیا بوڑھے ہو کر مومنین اور صالحین کا اسٹرکچر نہیں بگڑتا؟ کیا ان کی شکل نہیں بگڑتی؟ تو یہ اِلَّا کا استثناء صحیح ہوا؟ چلو کافر کو تو ہم نے مانا کہ وہ بڈھا ہو گیا، کھوسٹ بندر ہو گیا، شکل خراب ہو گئی، لیکن مسلمانوں کی شکل بھی کچھ نہ کچھ بدل جاتی ہے، لیکن اہل اللہ جو اللہ کے راستے میں بہت زیادہ غم اُٹھاتے ہیں، نفس کتے کا گلا گھونٹے ہوئے رکھتے ہیں، مجال نہیں کہ نفس ان پر غالب آ جائے، غمِ تقویٰ کی بدولت بڑھاپے میں وہ اور چمکا دیئے جاتے ہیں، ان کے چہرے سے تابانی نہیں جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا استثناء کرنے کے بعد خود جواب عطا فرما دیا فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو مسلمان ہیں، مومن ہیں،

صالحین ہیں، جوانی کے زمانے میں، صحت کی حالت میں جتنا عمل کررہے تھے اب بڑھاپے میں کمزوری سے ان اعمال میں جو کمی آگئی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ جتنے اعمال یہ جوانی میں کررہا تھا، طاقت کی حالت میں کررہا تھا اس کے لیے اتنا ہی ثواب لکھتے رہو، کیونکہ اب بڈھا ہوگیا لہٰذا اس کو پنشن ملے گی، دنیا والے تو آدھی پنشن دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پوری پنشن دیتے ہیں، پورا ثواب ملتا ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ پورا ثواب ملتا ہے اور بعض راویات میں ہے کہ دُگنا ثواب ملتا ہے فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ باوجود کمزور ہوجانے کے ثواب کا سلسلہ منقطع نہ ہونا یہی دلیل ہے کہ یہ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ نہیں ہوئے، کافروں اور عاشقوں میں یہی فرق ہے، کافر کا عمل تو کفر کی وجہ سے پہلے ہی سے خراب ہے، لیکن ہمارے عاشق جب بڈھے ہوجاتے ہیں، تو اگرچہ فنشنگ میں کمی آگئی، رنگ وروغن کم ہوگیا اور آنکھوں پر گیارہ نمبر کا چشمہ لگ گیا، کبڑا بھی ہوگیا، لاٹھی لے کر چلنے لگا اگرچہ میرا بندہ کمزور ومعذور ہوگیا ہے لیکن اس کے اعمال کا حکم یہ ہوگا کہ جتنا یہ طاقت وصحت کی حالت میں کررہا تھا، اے فرشتو! سب لکھتے رہو اگرچہ اس نے یہ اعمال کیے نہیں ہیں لیکن تم بغیر کیے لکھتے رہو، یہ ہے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اس کا جواب فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ میں ہے۔ یہ فرق ہے کافروں کے اسٹرکچر اور فنشنگ میں اور ہمارے عاشقوں میں کہ کافروں کے پاس کفر ہی کفر ہے اور عاشقوں کو کچھ نہ کرنے پر بھی ثواب مل رہا ہے، سبحان اللہ! بڑھاپے میں اعمالِ صالحہ کم ہوجاتے ہیں، تلاوت جو پہلے پانچ پارے کرتا تھا اب ایک یا آدھا پارہ کرتا ہے یا اتنا بھی نہیں کرپاتا، اسی طرح ذکر ونوافل بھی نہیں کرپاتا لیکن حالتِ صحت میں جتنے اعمال کررہا تھا اب بیماری یا بڑھاپے یا ضعف کی وجہ سے یہ اعمال نہیں کررہا لیکن ان سب کا ثواب لکھا جائے گا۔ دیکھو! اس وقت تفسیر بھی

ہوگئی۔

سالکین کی استعداد کے مطابق شیخ کو مضامین کا القاء ہونا

ارشاد فرمایا کہ اللہ تو رب العالمین ہے، ماں باپ سے بچوں کو جو کھانا ملتا ہے وہ رزق اللہ تعالیٰ ہی تو ماں باپ دیتے ہیں، بچے کہاں سے کمارہے ہیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ اس بچے کو کیا غذا مفید ہوگی؟ ہم نے اُس کو بادشاہ بنانا ہے، اس کو عالم بنانا ہے تو مفید غذاؤں کا انتظام ماں باپ کو دیا جاتا ہے، اسی طرح طالبین کے لیے جو روحانی غذا شیخ کے قلب میں آئے یعنی اللہ تعالیٰ جو مضامین دل میں ڈالیں سمجھ لو کہ اس وقت ہماری تربیت کے لیے یہی غذا مفید ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ ربُّ الابدان بھی ہیں اور ربُّ الارواح بھی ہیں، بدن کی تربیت بھی کرتے ہیں کہ ماں باپ کو روٹی دیتے ہیں اور روح کی تربیت بھی کرتے ہیں کہ مرشد کو مضامین عالیہ دیتے ہیں۔

لہٰذا شیخ جب کوئی مضمون بیان کررہا ہو تو لقمہ نہ دو کہ حضرت فلاں وقت آپ نے یہ بھی بیان کیا تھا۔ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بھی بعض مرتبہ ایسی باتیں ہوتی تھیں کہ کسی وقت کچھ بیان ہوا، کسی وقت کچھ بیان نہیں ہوا لیکن ہم لوگ خاموش رہتے تھے، ایک دفعہ یاد دلایا تو ڈانٹ پڑ گئی، فرمایا کہ بولا مت کرو! جو اوپر سے آئے، اس میں دخل اندازی مت کرو، جو آئے اسے پی لو، جو جام و مینا اُس میکدۂ ازل سے، اُس عالمِ غیب سے آئے اُس جام و مینا کو پی لو، اس وقت یہ مت کہو کہ پہلے آپ نے یہ پلایا تھا، اس کی یاد بھی مت دلاؤ! اگر اعلان کیا جائے کہ دس بجے سے گیارہ بجے تک فلاں سبق ہوگا، تو اس کا مزہ الگ ہے اور ایک یہ ہے کہ کوئی مضمون مقرر نہیں ہے، چلتی پھرتی درسگاہ، چلتا پھرتا مدرسہ، چلتی پھرتی خانقاہ، تو یہ خانقاہ انتظام و ترتیب کے تابع نہیں ہوتی، اس کا

مزہ الگ ہے، اس زمین کا خاص تعلق اوپر سے ہوتا ہے۔ جب آجائے بیان کردیا جب نہیں آئے کچھ بیان نہیں کرتا، آسمان کی گرم گرم زیادہ مزیدار ہوتی ہے۔

طریقِ عشق تمام تر محبت و ادب ہے

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے ابی ابن کعب! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے سُوْرَۃ بَیِّنَۃ کی تلاوت کروں، تو انہوں نے فوراً سوال کیا، اے اللہ کے رسول! جب اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ مجھے سُوْرَۃ بَیِّنَۃ سنائیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام بھی لیا تھا؟ اَ اَللّٰہُ سَمَّانِیْ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نَعَمْ اَللّٰہُ سَمَّاکَ ہاں اللہ نے تیرا نام بھی لیا تھا فَذَرَفَتْ عَیْنَاہُ یہ سن کر آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ محدثین لکھتے ہیں کہ یہ خوشی کے آنسو تھے کہ کہاں میں اور کہاں میرا مولیٰ میرا نام لے۔

میں اسی سے ثابت کرتا ہوں کہ اسلام اصل میں عشق کا نام ہے، اگر ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ عشق سے ناآشنا ہوتے تو کبھی نہ روتے۔ اسلام عاشقوں کو ملتا ہے اور عشق نام ہے سراپا ادب کا اَلْعِشْقُ کُلُّهَا اَدَبٌ عشق کا راستہ سر سے پیر تک ادب کا راستہ ہے۔ جو باادب ہوگا وہ باحیا بھی ہوگا، بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حیا عطا فرمادیں تو بہت سے گناہ شرم کی وجہ سے آدمی نہیں کرتا، چاہے اس کو خدا کا اتنا خوف نہ ہو مگر طبعی شرم سے بعض لوگ گناہ سے بچ جاتے ہیں اور جتنی دفعہ گناہ کی تعداد بڑھے گی حیا ختم ہوتی چلی جائے گی۔ اسی لیے پہلے گناہ پر پسینے آجاتے ہیں اور دوسرے گناہ پر پسینے کی مقدار کم ہوجاتی ہے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے گناہ پر پسینے کم ہوتے ہوتے ایک دن پسینہ آتا ہی نہیں، شرمندگی کا نام بھی نہیں رہتا۔ اسی لیے قیامت

کے قریب سڑکوں کے کنارے زِنا ہونے لگے گا، کثرتِ زنا سے شرم وحیا ختم ہوجائے گی، اس لیے خانقاہوں کا وجود بہت بڑی نعمت ہے، جہاں اللہ کی محبت سکھائی جائے، جہاں سے مولیٰ ملے دنیا میں اس سے بڑی کوئی جگہ نہیں ہے، جس خانقاہ سے، جس عمارت سے ہم کو مولیٰ ملتا ہے اس عمارت کی حفاظت اور سلامتی پر جان بھی دے دو، مال کیا چیز ہے؟ مال تو ضرورت کے لیے ہوتا ہے۔

اور ضرورت کی کیا تعریف ہے؟ ایک صاحب مکہ شریف کے بازار میں گئے، واپس آکر مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا حضرت میں مکہ شریف کے بازار میں گیا تھا کہ کوئی ضرورت کی چیز مل جائے تو لے لوں مگر وہاں کوئی چیز غیر ضروری نہیں تھی، ہر چیز ضروری معلوم ہورہی تھی، جو چیز دیکھتا تھا دل چاہتا تھا اس کو بھی خریدلوں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ ہر چیز کو ضروری مت سمجھو، اب ضروری کی تعریف سن لو! اگر کوئی پوچھے کہ کیا چیز ضروری ہے، کیا چیز غیر ضروری ہے تو اس کی تعریف میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم کو بتائی تھی کہ ضروری وہ چیز ہے جس کے نہ ہونے سے ضرر ہو۔

مولانا گنگوہی کے ارشاد کی دلنشین تمثیل

ارشاد فرمایا کہ حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، بابا فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محی الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے بڑے اولیاء بیٹھے ہوں اور اولیاء ہی نہیں علمائے ربانیین بھی ہوں مگر میری نظر حاجی صاحب پر رہے گی، میں کسی کو

نہیں دیکھوں گا بس اپنے حاجی صاحب کو دیکھوں گا، وہ جانے ان کے بڑے جانیں مگر میری نظر حاجی صاحب پر رہے گی کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ملنے کا ذریعہ، دروازہ اور دریچہ میرے شیخ ہیں لہٰذا میری نظر اپنے شیخ پر ہی رہے گی۔

اس پر ایک مثال دل میں آئی کہ کسی کی ایک لاکھ نانی بیٹھی ہوئی ہیں اماں کی اماں کی اماں ہیں، ایک گھنٹہ تک اماں کی اماں کی گردان کرتے رہو تو بھی شاید پورا نہ ہو، اماں کی اماں نانی ہوئی اور نانی کی اماں پڑنانی ہوئی اور پڑنانی کے بعد نگڑنانی ہوئی اور نگڑنانی کے بعد سگڑنانی ہوئی وغیرہ وغیرہ لیکن اپنی اماں جب سامنے ہو تو بچہ کس کو دیکھے گا؟ کیونکہ جانتا ہے کہ دودھ تو اماں کا پی رہا ہوں، اماں کے دودھ سے پل رہا ہوں، دوسری نانیوں کو کیوں دیکھوں؟ ہاں اگر نانی مہمان ہو جائے تو چائے پانی پلادو کہ نانی اماں ہیں۔ ایسے ہی اگر شیخ کا شیخ آجائے تو ظالم ہے وہ مرید جو اپنے شیخ کے شیخ کو چائے بھی نہ پلائے، یہ کیسا مرید ہے؟

تو نانی والی مثال سے مولانا گنگوہی کے ارشاد کی اختر نے شرح کردی کہ جیسے بچہ اپنی ماں ہی کو دیکھتا ہے اسی طرح کتنے ہی بڑے اولیاء بیٹھے ہوں لیکن مرید کی نظر اپنے مرشد ہی پر رہنی چاہیے لیکن عظمت سب کی رہے، کسی ولی اللہ کی حقارت جائز نہیں ہے لیکن اصلاح کے لیے صرف وہاں جاؤ، جہاں دل کو مناسبت ہو۔

نوم العالم عبادة کی شرح

فرمایا کہ حدیثِ پاک کی شرح میں یہ مشہور مقولہ منقول ہے:

﴿نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ﴾

عالم کی نیند بھی عبادت ہے، اگر عالم آرام نہیں کرے گا تو دماغ تھک جائے گا پھر عبادت اور دین کا کام کیسے کرے گا؟ کبھی حرکت عبادت ہے، کبھی سکون عبادت ہے، کبھی مشقت عبادت ہے، کبھی راحت عبادت ہے، اس کا نام

استراحت ہے، تو استراحت بھی عبادت ہے۔

اسی لیے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بڑھئی آپ کا دروازہ بنارہا ہو اور اس کا اوزار گھس جائے تو وہ پتھر نکال کر اس پر اوزار گھستا ہے لیکن جتنا وقت اوزار گھسا اتنے وقت کی بھی مزدوری لیتا ہے حالانکہ اتنی دیر تک دروازہ نہیں بنایا اوزار تیز کیا تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قطب العالم فرماتے ہیں کہ ایسے ہی عالم جب تقریر، تدریس، تحریر، تصنیف سے فارغ ہوکر سوجائے تو چونکہ یہ مشین اللہ کے دین کے لیے استعمال ہوئی، سرکاری کام میں استعمال ہوئی تو سرکار کے ذمہ ہے کہ اس کے سونے کا بھی وظیفہ دے۔ اللہ اپنی عظمت اور محبت دے دے تو پھر کسی بات پر اشکال نہیں ہوتا۔

طریق کا ایک تسلی بخش اصول

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو اپنے شیخ کے شیخ سے مناسبت نہ ہو تو گھبرانے کی بات نہیں۔ کمالاتِ اشرفیہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو اپنے شیخ کے شیخ کے ساتھ مناسبت نہ ہو تو کوئی نقصان کی بات نہیں، نہ گھبرانے کی بات ہے جیسے اگر کسی کا بلڈ گروپ بابا سے ملتا ہے، دادا سے نہیں ملتا تو ڈاکٹر کس کا خون چڑھائے گا؟ بابا کا۔ اگر دادا کا بلڈ گروپ ملتا ہے اور بابا کا بلڈ گروپ نہیں ملتا تو دادا کا خون چڑھائے گا یعنی جس کے بلڈ گروپ سے مناسبت ہوگی اسی کا خون چڑھائے گا، اسی لیے مناسبت بڑی نعمت ہے۔

گناہ سے نہ بچنے کے بیہودہ بہانے

لوگ کہتے ہیں کہ بدنظری کی پچاس برس پرانی عادت ہے اب کیا چھوٹے گی لیکن جب دل کا ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ کے دل کا کا والو بند ہورہا ہے، چکنائی نہ کھانا تو وہاں نہیں کہتے کہ صاحب پچاس برس تک مکھن کھا چکا ہوں،

اب مکھن چھوڑنا میرے لیے بہت مشکل ہے، بولیے! اس وقت کوئی یہ کہتا ہے؟ ہارٹ اسپیشلسٹ کے کہنے سے، جان بچانے کے لیے فوراً مکھن چھوڑ دیتے ہیں، اسی طرح گناہ سے بچنے کی طاقت ہوتے ہوئے پھر اس طاقت کو استعمال نہ کرنا، کیا اپنے پیر پر کلہاڑی مارنا نہیں ہے؟ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف دل کے نہیں سارے اعضاء کو گناہوں سے بچانے کے اسپیشلسٹ ہیں، تو جب ڈاکٹر کے کہنے سے جان بچانے کے لیے پچاس برس پرانی مکھن کی عادت چھوڑ دی کہ جب دل ہی نہ رہا تو مکھن کا کیا کریں گے تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمانے سے گناہ کیوں نہیں چھوڑتے اور کیوں نہیں کہتے کہ جب مولیٰ ہی نہ ملا تو دل کو کیا کروں گا؟ اگر اسی وقت حالتِ گناہ میں موت آجائے تو کیا ہوگا؟

شیخ کی شفقت

ارشاد فرمایا کہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لنگی باندھتے تھے، کرتے کے سارے بٹن کھلے ہوتے تھے اور ہر چیز بالکل معمولی پہنتے تھے تو کسی نے حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کے خلیفہ مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے نفس کو بہت مٹادیا، پتا ہی نہیں چلتا کہ یہ مولانا ہیں، حاجی صاحب نے فرمایا کہ ابھی کیا مٹایا ہے یعنی شیخ جس مقام پر لے جانا چاہتا ہے اس مقام کا انتظار کرتا ہے کہ میرا کوئی دوست اولیائے صدیقین کی خط منتہاء سے ایک اعشاریہ بھی پیچھے نہ رہے، نہ اختر، نہ میرے احباب، نہ میری اولاد کیونکہ اس کے بعد ولایت کی سرحد ختم ہوجاتی ہے، اس کے بعد نبوت ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا، اب کسی کو نبوت نہیں ملے گی لیکن ولایت کا آخری پالا نہ چھونے سے شیخ کو غم ہوگا، تو کیا

آپ لوگ اپنی بے اصولیوں سے شیخ کو غمگین مارنا چاہتے ہو؟ اگر شیخ کو تقویٰ کے اعلیٰ مقام سے خوش کرلو تو آپ کا کیا بگڑے گا؟ حضرت نے نہایت درد سے فرمایا کہ کیا شیخ کی خوشی آپ کے لیے باعثِ خوشی نہیں ہے؟

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کی اصلاحی شان

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم جیسے شیخ بہت مشکل سے ملتے ہیں جو کسی سے مرعوب و مغلوب نہ ہو، سارے عالم پر غالب ہو، کتنے بڑے نواب ہیں جن کے یہاں حضرت کا قیام ہوتا ہے اور کتنے بڑے بڑے علماء حضرت کے ساتھ رہتے ہیں۔ ابھی آخری دن جب حضرت جارہے تھے تو میں نے پرچہ بھیجا کہ میں یہیں معانقہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ائیر پورٹ پر معانقہ سے مجھے تسلی نہیں ہوتی، جب مجمع زیادہ ہوتا ہے تو وہ عنایت نہیں محسوس ہوتی لہٰذا جب میں حضرت سے ملاقات کر کے واپس آنے لگا تو حضرت نے فرمایا کہ کرسی پر بیٹھ جاؤ، کرسی سامنے رکھی تھی، میرے لیے اور کیا چاہیے تھا؟ اندھے کو آنکھ، بھوکے کو دو روٹی، اس کے بعد چار پانچ آدمی اور بھی آگئے اور سب بڑے بڑے علماء اور نواب تھے، حضرت نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو بلایا تھا سب کیوں آگئے؟ حضرت کو طبعی طور پر بے اصولی سے تکلیف ہوتی ہے، حضرت کی قدرتی طور پر طبیعت ہی ایسی ہے، حضرت بتکلف نہیں ڈانٹتے، ڈانٹ خود بخود ان کے منہ سے نکلتی ہے، ان کا مزاج بچپن ہی سے ایسا ہے، تو میں نے دیکھا کہ حضرت کی ڈانٹ پر سب نے کمرہ خالی کردیا، کسی نے جاتے ہوئے پیچھے مڑ کے بھی نہیں دیکھا لیکن حضرت کے دل میں کچھ نہیں رہتا، اصلاح کے لیے ڈانٹتے ہیں، اب اگر مالی سے ٹیڑھی شاخیں کہتی ہیں کہ خبردار قینچی مت لگانا، مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے، تو کیا شاخوں کی کاٹ چھانٹ ہو سکے گی؟ اسی طرح آپ نے جس کو شیخ بنایا ہے وہ تو آپ کو ڈانٹے گا چاہے آپ کو تکلیف ہو۔

ہر شیخ کا رنگ الگ ہوتا ہے

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حاجی صاحب غصہ کرنا تو جانتے ہی نہیں تھے، سراپا رحمت تھے مگر ان کے فیض سے کوئی محروم نہ رہتا تھا۔ یہ اس لیے کہتا ہوں کہ اگر کوئی شیخ زیادہ نہ ڈانٹے تو یہ نہ سمجھو کہ ہماری اصلاح نہیں ہوگی اور جس شخص سے فیض لو اس کا مجاہدہ بھی دیکھو کہ اس نے اللہ کے راستے میں کتنا غم اٹھایا ہے، اس کی محبت کو حقیر مت سمجھو۔ مشائخ میں تقابل نہ کرو کہ یہ شیخ بڑا ہے وہ چھوٹا ہے، دروازے کی پیمائش مت کرو، ایک چھ فٹ کا دروازہ ہے، ایک کھڑکی ہے، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ بڑے دروازے سے سب کو ایک ہزار دیا اور چھوٹی کھڑکی سے کسی کو ایک لاکھ دے دیا تو چھوٹی کھڑکی کو اگر کوئی حقیر سمجھے کہ جناب بڑے دروازے سے ہٹا کر ہم کو چھوٹی کھڑکی کی طرف بلا رہے ہو تو دروازہ کو نہ دیکھو دینے والے کو دیکھو کہ دینے والا کون ہے؟ تو اس زمانے میں بعض لوگوں کی روح کے اندر نہایت قوی نسبت ہے، جیسے بریانی پکانے کے لیے اگر چھ گھنٹہ چاہیے، مسلسل آگ جلے گی تو چاول گلے گا لیکن بعض لوگوں نے اللہ کے راستے میں بہت غم اُٹھائے ہیں، ان کی روح میں ککر (Cooker) کی شان پیدا ہوگئی، آدھے گھنٹے میں وہی بریانی پکا دیتے ہیں جو چھ گھنٹہ میں پکتی ہے، ان کی صحبتوں میں بیٹھ کر دیکھ لو کہ ان کی برکت سے کیسی نسبت منتقل ہوتی ہے۔

جس کی جتنی قربانی
اتنی خدا کی مہربانی

اگر مناسبت نہ ہو تو شیخ بدلنا ضروری ہے

اس لیے کسی کو حقیر مت سمجھو۔ جس مربی سے آپ کا بلڈ گروپ ملتا ہو

یعنی جس سے مناسبت ہو اس سے رابطہ کرلو اور اگر کسی سے مرید ہو گئے لیکن بلڈ گروپ نہیں ملتا تو زبردستی یہ تعلق قائم نہ رکھو کہ صاحب کیا کروں، مجبور ہوں، جب مرید ہو گئے تو ہو گئے، یہ بات صحیح نہیں، یہ دنیاوی عشق نہیں ہے کہ ؂

جب آ گئے تیرے قدموں میں
پھر دور یہاں سے جانا کیا

نہیں، اگر مناسبت نہیں ہے تو اس شیخ سے دور جانا فرض ہے اور دوسرے مناسبت والے شیخ سے تعلق کرنا ضروری ہے کیونکہ پیر مقصود نہیں ہے اللہ کی ذات مقصود ہے۔ مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر غلطی سے کسی پیر سے کوئی وابستہ ہو گیا مگر مناسبت نہیں ہے، فیض نہیں ہو رہا ہے تو اس کو چھوڑ کر دوسرا مربی کرلو، جس سے آپ کو مناسبت ہو، پہلے شیخ سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر خون چڑھوانا ہو تو جس سے بلڈ گروپ ملتا ہو اس کا خون چڑھوانے کے لیے شیخ سے اجازت لو گے؟ لیکن پہلے شیخ کی توہین نہ کرو، اس کی غیبت مت کرو، خاموشی سے دوسری جگہ تعلق کرلو جہاں تمہاری مناسبت ہو، میری طرف سے بھی ہمیشہ سب کو اجازت ہے، جو غلطی سے مجھ سے بیعت ہو گیا ہو لیکن مجھ سے بلڈ گروپ نہیں ملتا یعنی مجھ سے مناسبت نہیں ہے، مجھ سے نفع نہ ہو رہا ہو تو جیسے اللہ کے لیے مجھے پیر کیا تھا، اللہ ہی کے لیے مجھ کو چھوڑ دو تاکہ تم مولیٰ سے محروم نہ رہو، پیر کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو مولیٰ سے زیادہ بڑھا دے، مرید کو اپنے سے لپٹائے رکھے چاہے اسے فائدہ ہو یا نہ ہو، بس خانقاہ کی رونق بنی رہے، رونق مقصود ہی نہیں ہے، ایک ہی مرید مل گیا تھا شیخ شمس الدین تبریزی کو یعنی مولانا رومی، دنیا نہیں جانتی تھی کہ ان کا کوئی مرید بھی تھا، لیکن ایک مرید نے سارے عالم میں شیخ کے نام کا ڈنکا پٹوا دیا۔

اس لیے میں زبردستی مرید بنائے نہیں رکھتا ہوں، میں نے سب کو کھلی

چھوٹ دے رکھی ہے کہ جس کا دل کسی اور سے لگتا ہو وہ ضرور وہاں چلا جائے اور جس کا مجھ سے دل لگتا ہو، جس کو اللہ کی محبت میری ذات سے ملتی ہو اس کی خدمت سر آنکھوں پر کیونکہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو اللہ کی محبت سیکھنے میرے پاس آتا ہے، میں اس کے قدموں کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ عام لوگ تو سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب بڑے اونچے مچان پر بیٹھے ہیں، نجانے ہم کو کیا سمجھ رہے ہیں؟ حالانکہ وہ آپ لوگوں کے قدموں کو بھی اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ کسی مرید کو مجھ سے نقصان نہ پہنچے، میں سب کے لیے یہی چاہتا ہوں کہ مولیٰ مل جائے اور میری دعا بھی یہی ہے کہ اے اللہ! میرے پاس جس کا حصہ ہے، مشرق، مغرب، شمال، جنوب اس کو میرے پاس بھیج دیجئے اور اگر اس کا حصہ کہیں اور ہے تو جہاں اس کو وصول الی اللہ اور قربِ الٰہی ملتا ہو اس کو وہاں پہنچا دیجئے۔ مجھے مجمع نہیں چاہیے، مجھے مقبولین کی جماعت چاہیے، اللہ کا ایک مقبول بندہ بہتر ہے ایک لاکھ غیر مقبول سے۔

اب میری دعا سن لو، اے خدا! سارے عالم کے لیے اختر کو طاقتِ سفرِ کائنات اور طاقتِ اسفارِ عالم عطاء فرما اور میرے اوپر احسان و فضل فرما اور سارے عالم میں میرے دردِ دل کو پھیلا دے، زمین کا کوئی گوشہ جہاں کوئی مسلمان ہو جس کو مجھ سے مناسبت ہو وہاں مجھے پہنچا دیجیے اور ایک گروہِ عاشقاں بھی ہو جو سارے عالم میں میرے ساتھ ساتھ رہے، مگر کیسے ساتھی ہوں؟

رہتے ہیں ساتھ ساتھ مگر ساتھ نہیں ہے
دامن پہ گریباں پہ بھی تو ہاتھ نہیں ہے

نہ دامن کو گناہوں سے بچاتا ہے اور نہ گریبان پھاڑ کر اللہ کی عشق و مستی دِکھاتا ہے، مجھے ایسے ساتھیوں کی ضرورت نہیں ہے، ساتھی وہ نہیں ہے جو صرف دسترخوان پر ساتھ ہے، سفر پر ہم سفر ہے مگر تقویٰ سے نہیں رہتا۔

تقویٰ کیا ہے؟

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ تقویٰ اس کا نام نہیں کہ کبھی اس سے گناہ ہی نہ ہوتا ہو، یہ شان تو نبی کی ہے، ولی وہ ہے جو گناہ چھوڑنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، اس کوششِ ترکِ گناہ کا نام ولایت ہے، جو کوشش نہیں کرتا وہ ولی اللہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی جتنی تمہاری استعداد اور طاقت ہو اتنا گناہ سے بچنے کی کوشش کا نام ولایت اور تقویٰ ہے۔

جو خانقاہ میں تقویٰ نہیں سیکھتا تو وہ اپنی زندگی ضائع کرتا ہے، اپنے شیخ کی نعمت کو بھی ضائع کرتا ہے اور صحبتِ شیخ کے اکسیر خمیرے کو بھی ضائع کرتا ہے، لہٰذا سب لوگ یہ ارادہ کرلو کہ مرشدین سے تقویٰ سیکھنا ہے، بازِ شاہی سے شاہ بازی سیکھنا ہے کہ بادشاہ کے ساتھ کیسے رہتے ہیں؟ اس کی کلائی پر کس طرح بیٹھتے ہیں؟ ہمیں بھی یہ آداب سکھاؤ! کرگس بازِ شاہی کے ساتھ رہے اور آداب، صفات اور اخلاقِ رذیلہ نہ چھوڑے تو یہ کیسا ہے؟ یہ نفس پرست ہے، یہ چاہتا ہے کہ مولیٰ کا بھی نام لیتا رہوں، مولیٰ والوں میں بھی رہوں اور لیلاؤں کو بھی نہیں چھوڑوں، یاد رکھو! اس پر ہمیشہ عذاب رہے گا، پورے اللہ والے بن جاؤ ورنہ کیا جہنم کا راستہ تمہیں پسند ہے؟

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ تقویٰ بہت آسان ہے جیسے اگر وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کرلیتے ہو، اسی طرح اگر تقویٰ ٹوٹ جائے یعنی گناہ ہوجائے تو اللہ سے معافی مانگ لو آپ پھر متقی ہوگئے لیکن معافی دردِ دل سے مانگو کہ یا اللہ! مجھے معاف کردیجئے۔ ان شاء اللہ آئندہ میں آپ کو ناراض نہیں کروں گا، ہر دفعہ یہی کہو کہ جان دے دوں گا مگر آپ کو ناراض نہیں کروں گا چاہے ہزار دفعہ یہ عہد ٹوٹے اور جب عہد ٹوٹے تو مولانا رومی کا ایک شعر اللہ تعالیٰ کے

حضور میں کہو۔

عہدِ ما بشکست صد بار و ہزار
عہدِ تو چوں کوہِ ثابت برقرار

اے خدا! آپ کا عہد، آپ کا ارادہ مثلِ پہاڑ کے قائم ہے اور ہمارا عہد وارادہ ہزاروں بار ٹوٹا اور ٹوٹتا رہتا ہے لیکن ہمارا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، آپ ہمارے ایک ہی اللہ ہیں، آپ گنہگاروں کے بھی خدا ہیں اور نیک بندوں کے بھی خدا ہیں لہٰذا آپ کے سوا ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، آپ سے ہمارا عہد اگر ہزار بار ٹوٹے گا تو ہم ہزار بار جوڑیں گے اور پھر آپ سے معافی مانگیں گے کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم گناہ کرتے کرتے تھک جائیں گے لیکن آپ ہمیں معاف کرتے کرتے نہیں تھکتے۔

قلندر کی مختصر اور جامع تعریف

ارشاد فرمایا کہ میرے مرشد شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قلندر اولیاء اللہ کا وہ گروہ ہے جس کی ظاہری عبادت کم نظر آتی ہے، بہت زیادہ نفلیں، ہر وقت تسبیحات نہیں پڑھتے رہتے، مگر ان کے باطن میں جو دل ہے ایک ساعت، ایک لمحے کو اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔

شیخ کی ڈانٹ کا نفع

ارشاد فرمایا کہ شیخ کی ڈانٹ کے بغیر ڈینٹ نہیں نکلے گا، ڈینٹ مرہم سے نہیں نکلتا، گریس اور موبل آئل سے نہیں نکلتا، ڈینٹ میں مستری صاحب کو ہتھوڑا مارنا پڑتا ہے تب استری ٹھیک ہوتی ہے، اگر کوئی شیخ کی ڈانٹ سے ناراض ہوجائے تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کا عاشق نہیں ہے، اس کا عشق کمزور ہے، البتہ تھوڑی دیر کو طبعی ناگواری ہوجائے تو وہ معاف ہے مگر عقل سے نفس کو راضی رکھو، عقل سے نفس کو سمجھاؤ کہ جب شیخ بنالیا تو شیخ بادشاہ ہے، بادشاہ کے سامنے

غلام کی طرح سے رہو۔

اخلاص کے آنسوؤں کی قیمت

ارشاد فرمایا کہ اللہ کے لیے جو آنسو نکل جائے تو جہاں وہ آنسو لگے گا اتنے حصہ پر دوزخ حرام ہوگی لہٰذا جب اللہ کے خوف سے یا اللہ کی محبت سے رونا آجائے تو آنسوؤں کو ہتھیلی کی مدد سے چہرے پر پھیلا لو، میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح پھیلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ حکیم الامت بھی اسی طرح آنسوؤں کو پھیلاتے تھے لہٰذا آپ کو اس وقت تین پشت کا عمل بتا رہا ہوں، ایک اختر جو آپ کے سامنے نقل کر رہا ہے اور شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تین پشت کا عمل آپ کے سامنے پیش کر دیا، آپ نے اختر کو دیکھا، میں نے اپنے شیخ کو دیکھا اور میرے شیخ نے اپنے شیخ کو دیکھا۔

یہ واقعہ میرا خود اپنا چشم دید ہوا

اگر آپ کو رونا نہ آئے تو رونے والوں کے پاس بیٹھ جاؤ۔ ایک حاجی کو رونا نہیں آرہا تھا اور وہ عالم بھی تھے، میں نے ان سے کہا کہ ملتزم پر جاؤ، چنانچہ وہ طواف کر کے مقامِ ابراہیم پر دو رکعات پڑھ کے ملتزم پر گئے، وہاں پانچ چھ آدمی چپکے ہوئے رو رہے تھے، چنانچہ یہ بھی بے ساختہ رونے لگے، واپس آئے اور کہا جَزَاکَ اللہ کیا طریقہ بتایا آپ نے؟ میں نے کہا یہ ہے **کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** کا نتیجہ، اِبْکُوْا مَعَ الْبَاکِیْنَ روؤ! رونے والوں کے ساتھ اور اگر کوئی رونے والا نہ ملے تو یہ مراقبہ کرو کہ قیامت قائم ہے، میری پیشی ہو رہی ہے اور حق تعالیٰ سوالات کر رہے ہیں کہ اس اس وقت تو نے کیوں گناہ کیا؟ اگر نہ کرتے تو کیا مر جاتے؟ اپنی حیات بچانے کے لیے تو جان کی بازی لگا دیتے ہو۔ بتاؤ! تمام بین الاقوامی اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن پر اعلان ہو جائے کہ

فلاں لڑکی سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں مگر اس کے پاس ایک پستول ہے، اور اپنے دیکھنے والے کو گولی مار دیتی ہے، جان بخشنا اس کے کھاتے میں ہے ہی نہیں۔ بتاؤ! ہے کوئی عاشق جو اس کو جا کر دیکھے اور کہے کہ مجھے جان سے مار دیجئے۔ تو جس طرح جان بچانے کے لیے جان لڑا دیتے ہو اسی طرح گناہوں سے بچنے میں بھی جان کی بازی لگا دو اور یہ دعا مانگا کرو:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَ اَهْلِیْ وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ﴾

(سنن ترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی عقدة التسبیح بالید، ج:۲، ص:۱۸۷)

اے اللہ! مجھے اپنی جان سے جو محبت ہے، اس سے زیادہ اپنی محبت مجھے دے دیجیے۔ جب اللہ جان سے زیادہ پیارا ہوگا، تو تم اپنی جان کو حرام لذتوں سے ہرگز آشنا نہیں کرو گے اور حرام لذتوں سے ہمکنار نہیں ہو گے بلکہ کنارہ کش ہو جاؤ گے۔ بخاری شریف کی یہ دعا متقی ساز یعنی متقی بنانے والی ہے، جس دن یہ دعا قبول ہوگئی، ان شاء اللہ پھر کوئی گناہ نہیں کرو گے، گناہ کرنے کی طاقت تو رہے گی مگر اس طاقت کو استعمال کرنے کی طاقت نہیں رہے گی کیونکہ اگر گناہ کی طاقت ختم ہو جائے تو پھر تو ثواب ہی نہیں ملے گا لہٰذا جب اللہ کی عظمت اور محبت کا غلبہ ہو جائے گا تو گناہ کرنے کی طاقت تو رہے گی مگر استعمالِ طاقتِ گناہ کی ہمت نہیں ہوگی۔

آدھا تیتر آدھا بٹیر

فرمایا کہ ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ ایک مشت ڈاڑھی کیوں نہیں رکھتے؟ کٹواتے کیوں ہو؟ کہا کہ صاحب ہم کو دونوں پارٹیوں سے ڈیلنگ کرنی پڑتی ہے، ہم مولویوں میں بھی جاتے ہیں اور مسٹروں میں بھی جاتے ہیں اس لیے تھوڑی سی ڈاڑھی کٹا دیتے ہیں تاکہ مسٹر ہم کو مرحبا مرحبا کہیں کہ آپ پورے ملا نہیں ہو، دقیانوسی نہیں ہو اور آؤٹ آف مائنڈ تو بالکل نہیں ہو، ابھی کچھ

کچھ مسٹر بھی ہو اور جب میں مولویوں میں جاتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ کچھ ڈاڑھی تو رکھ لی بیچارے نے آہستہ آہستہ ترقی کرے گا، تو مسٹر کو بھی خوش رکھتا ہوں اور ملا کو بھی تو یاد رکھو! ایک جانور ہے، جو نہ گھوڑا ہے، نہ گدھا ہے، اس کا نام خچر ہے، تو جتنے خچر ہیں فوجی ان پر سامان لادتے ہیں، آپ دیکھ لیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ سامان خچروں اوپر لدا ہوتا ہے لہٰذا جب خچر بنے تو اب فوجیوں کا سامان اُٹھاؤ، لہٰذا جو نہ اللہ والے بنے، نہ پورے مسٹر ہیں، کیا کہوں بس میں نے ان کو ہمیشہ پریشان پایا ہے، لہٰذا پریشانی کا راستہ مت اختیار کرو۔ جب اوکھلی میں ڈالا سر تو پھر موسلوں کا کیا ڈر۔ ارے جب ڈاڑھی رکھنی ہی ہے تو پوری ایک مٹھی رکھنے میں کیا حرج ہے؟ جبکہ پوری ڈاڑھی اچھی بھی لگتی ہے اور ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرانا یا منڈانا گناہ میں دونوں برابر ہیں۔ اس لیے ایک مٹھی ڈاڑھی رکھ لو۔

آیت اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ کا عاشقانہ ترجمہ

قرآن پاک کی آیت ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور محبوب رکھے گا۔ جب تک وہ دائرۂ توبہ سے خروج نہیں کریں گے ہم ان کو دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہونے دیں گے، یہ ترجمہ عاشقانہ ہے کہ نہیں؟ جب تک ہمارے بندے دائرۂ توبہ میں داخل رہیں گے، ہم ان کو اپنے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں کریں گے، بندے گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں لیکن ہم معاف کرتے کرتے نہیں تھکتے۔

مگر توبہ ایمر جنسی مرہم ہے، اس کے سہارے پر گناہ مت کرو، جیسے اگر کبھی ہاتھ جل گیا تو مرہم لگالو، یہ کیا کہ چولہے میں ہاتھ ڈال کر مرہم کو آزماؤ کہ

صاحب مرہم سو فیصد مفید ہے۔

ایک علم عظیم...... اللہ کا سب سے زیادہ پیارا بننے کا نسخہ

پچھتر سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے یہ علمِ عظیم عطاء فرمایا کہ محبوب بننا ایک درجہ ہے تو کیوں نہ تم اَحَبُّ بن جاؤ، محبوب سے ایک درجہ اور اونچے ہو جاؤ۔ دیکھو! ایک تو ہے کہ سارے نیک بندے اللہ کے پیارے ہیں اور ایک پیاروں میں سب سے پیارا ہونا ہے، ایک محبوب ہونا ہے کہ اللہ کے بندے توبہ کررہے ہیں، رورہے ہیں، سب محبوب ہیں، لیکن اگر ایک ادا اور سیکھ لو تو پھر پیاروں میں سب سے پیارے ہو جاؤ گے، اسی کا نام ہے اَحَبُّ، سب سے زیادہ محبوب۔ اَحَبُّ اسمِ تفضیل ہے چاہے اس کا استعمال مِنْ سے ہو، چاہے اس کا استعمال الف لام سے ہو، چاہے اس کا استعمال معرف باللام مضاف الیہ سے ہو یا معرفہ ہو جیسے اَفْضَلُ الْقَوْمِ، اَفْضَلُ الْمَعَارِفِ، اَشْرَفُ الْمَدَارِسِ یہاں الف لام کا استعمال ہوا ہے، اشرف اسمِ تفضیل ہے اور خَالِدٌ اَشْرَفُ مِنْ زَیْدٍ خالد اشرف ہے زید سے، یہاں مِنْ کا استعمال ہوا ہے اور خالد الافضل الف لام استعمال ہوا ہے یعنی خالد بہت افضل آدمی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈالی اور پچھتر سال کی عمر میں اختر آپ کو اَحَبُّ بننے کی ڈش پیش کررہا ہے تاکہ آپ پیاروں میں بھی سب سے پیارے ہو جائیں۔ پارہ: ۳۰، سورۃ اِنَّا اَنْزَلْنَا کی تفسیر سے پیش کررہا ہوں اور مفسر علامہ آلوسی مفتی بغداد علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حدیثِ قدسی نقل کرتے ہیں اور حدیثِ قدسی کی تعریف ہے اَلْحَدِیْثُ الْقُدْسِیّ ھُوَ الْکَلَامُ الَّذِیْ یُبَیِّنُہُ النَّبِیُّ بِلَفْظِہٖ وَیَنْسِبُہٗ اِلٰی رَبِّہٖ یعنی حدیثِ قدسی وہ کلامِ نبوت ہے جو زبانِ نبوت سے ادا ہو لیکن نبی اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردے یعنی حدیث ادا تو زبانِ نبوت سے ہوئی ہے مگر نبی یہ کہہ دے کہ اللہ نے یہ فرمایا ہے۔

ایسی حدیثوں کا نام حدیثِ قدسی ہے، یہ اصطلاحی تعریف پیش کررہا ہوں، جس کی عربی بھی پیش کردی، لہٰذا پچھتر سال کی عمر میں سب پیاروں میں بڑا پیارا اپنے کانسخہ اختر آپ کے سامنے پیش کررہا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں بیان کیا اور حدیث قدسی سے اس کا استنباط کررہا ہوں:

﴿لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ﴾

(تفسیر روح المعانی، ج: ۳۰)

وہ گنہگار بندے جو اپنے گناہوں پر رورہے ہوں، آنکھوں سے خون رواں ہورہا ہو اور خون نہ ہو تو اشک ہی سہی مگر جذبہ تو ہو کہ اگر خون کے آنسو ہوتے تو اپنے ندامت کے آنسوؤں میں ہم خون کی آمیزش کرلیتے جیسا کہ جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ ؎

ہر کجا بینی تو خوں بر خاکہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشم ما

اے دنیا والو! شاہِ خوارزم کا نواسہ جلال الدین رومی شمس الدین تبریز کا خادم وغلام کہہ رہا ہے کہ پوری دنیا میں جہاں کہیں خون پڑا دیکھنا تو یقین کرلینا کہ یہاں جلال الدین رومی ہی رویا ہوگا، یہ کیا ہے؟ یہ رونے کا جذبہ ہے کہ ہم اپنی نالائقیوں پر دریائے خون بہا کر اللہ کو راضی کرلیں ؎

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرے زیبا شدے

کاش میرے آنسو دریا ہوجاتے تو اپنے مولیٰ کے حضور اپنی ندامت کے آنسوؤں کا دریا بہا دیتا، ارے کم از کم تمنا تو کرو، تمنا پر بھی ان شاء اللہ اجر لکھا جائے گا کہ اگرچہ میرا بندہ دریا جتنا نہیں رویا، مگر تمنا تو کی، نیت تو کی لہٰذا اس کو دریا کے برابر رونے کا ثواب دے دیا جائے۔ حدیثِ پاک ہے:

﴿نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ﴾

یعنی بعض وقت مومن کی نیت اس کے عمل سے بڑھ جاتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل میں سخت قحط کے موقع پر ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ! اگر آپ اس پہاڑ کو غلہ بنادیں تو میں آپ کے غریب بندوں میں اسے تقسیم کردوں۔ اس وقت کے نبی پر وحی نازل ہوئی کہ اے نبی! اپنے اس امتی کو بتادیجیے کہ ہم نے اس کے اعمالنامہ میں پہاڑ کے برابر غلہ تقسیم کرنے کا ثواب لکھ دیا ہے۔ ملاعلی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی جلد نمبر ا میں حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے ذیل میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔

تو یہ عرض کررہا تھا کہ اللہ کے لیے آنسوؤں کا دریا بہانے کی تمنا خالی اولیاء کا شرف نہیں ہے بلکہ انبیاء کا بھی شرف ہے، بلکہ سید الانبیاء کا شرف ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ اے اللہ! مجھے ایسی آنکھیں دے دے جو موسلا دھار بارش کی طرح برسنے والی ہوں تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ تا کہ ان آنسوؤں کا پانی ہمارے دل کو سیراب کردے، ہمارے ایمان کی کھیتی کو ہرا بھرا کردے، زمین کی کھیتی پانی سے ہری بھری ہوتی ہے اور دل میں ایمان کا درخت اور اللہ کی محبت کا باغ آنسوؤں سے ہرا بھرا ہوتا ہے قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا قبل اس کے آنسو خون بن جائیں اور ڈاڑھیں انگارہ ہوجائیں کیونکہ دوزخ میں رونا تو آئے گا، مگر آنسو خون ہوجائیں گے یعنی خون کے آنسو روئے گا۔ تو دنیا میں دریا کے برابر رونے کی تمنا کرلو، قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال میں دریا کے برابر رونے کا ثواب پاؤ گے ان شاء اللہ، لہٰذا اللہ سے دعا کرو کہ دو چار آنسو گرنے سے ہم کو مزہ نہیں آتا، دل یہ چاہتا ہے۔

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرے زیبا شدے

حدیثِ قدسی لانین المذنبین میں لفظ اَحب ہے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ گنہگاروں کا رونا، آہ و نالہ کرنا مجھے ذکر و تسبیح پڑھنے والوں سے زیادہ محبوب ہے۔ انین کہتے ہیں سسکیاں بھرنے کو جیسے چھوٹا بچہ چیخ چیخ کر رورہا ہو اور آپ اسے ٹافی دے دیں یا سینے سے لگالیں تو وہ اپنا رونا اچانک بند نہیں کرتا، تھوڑی دیر تک سسکی لیتا ہے، تو سسکی کی نقل بچوں سے سیکھ لو۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے اپنے استاذ حضرت مولانا اصغر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے گذارش کی کہ ایک بچہ بہت رورہا ہے، اس کے لیے تعویذ دے دیجئے۔ مولانا اصغر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رونا تو بڑوں کو چاہیے تھا لیکن بڑے نہیں رورہے ہیں اب اگر بچوں نے بھی رونا چھوڑ دیا تو عذاب آجائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿لَوْ لَا رِجَالٌ خُشَّعٌ وَ شُيُوخٌ رُكَّعٌ وَاَطْفَالٌ رُضَّعٌ وَ بَهَائِمُ رُتَّعٌ لَصَبَبْنَا عَلَيْكُمُ الْعَذَابَ صَبًّا﴾

(تفسیر قرطبی، ج:۲، ص:۱۱۶)

اگر دودھ پیتے بچے، کمر جھکی ہوئی بڑے بوڑھے اور بے زبان جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب بارش کی طرح نازل ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہ چھوٹے بچوں، بڑے بوڑھوں اور بے زبان جانوروں کی برکت ہے جو ہمیں عذاب سے بچارہے ہیں جبکہ آج یورپ کا معاشرہ بڑے بوڑھوں کو سمجھتا ہے کہ ان کو لے جاؤ اور شہر سے باہر مرغی فارم کی طرح اولڈ ہاؤس میں ڈال دو یہ کیا ہے؟ یہ جانوریت ہے اسی لیے انگریزوں کا سال بھی جانوری سے شروع ہوتا ہے۔

تو انین کہتے ہیں آواز کے ساتھ رونے کو، یہاں آواز کی قید لگانی پڑے گی لہٰذا انین کا ترجمہ ہوا گنہگاروں کا آہ و نالہ مع الصوت مگر ہلکی آواز سے رونے کا نام انین ہے، زور سے چلانا کہ سارا محلہ جاگ اُٹھے اور سب لوگ گھبرا جائیں، یہ

انین نہیں ہے، انین کہتے ہیں سسکیوں سے رونے کو تو ایسا رو جس سے امت مایوس نہ ہو کیونکہ اگر ہر آدمی چلانے لگے تو لوگ کہیں گے کہ بھئی! اسلام میں تو بڑی مشکل ہے، شاید کوئی مصیبت آجاتی ہے لہٰذا اپنے گناہوں کو یاد کر کے آہستہ آہستہ رولو جیسے بچہ دو تین سیکنڈ سسکیاں لیتا ہے تو آواز بڑی ہلکی ہوتی ہے مگر ماں باپ کو بڑا رحم آتا ہے اسی طرح اللہ کو بھی بندوں کی سسکیوں پر بڑا رحم آتا ہے۔ اس انین سے آپ پیاروں میں سب سے زیادہ پیارے ہوجائیں گے۔ اچھا! اگر رونا نہ آئے تو کیا کرو؟ ابنِ ماجہ شریف کی روایت ہے:

﴿اِبْکُوْ فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا﴾

اگر سسکی بھی بھرنی نہ آئے، رونے جیسی آواز پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو رونے والی شکل بنالو جیسے کہ رو رہا ہے، استغفار کر رہا ہے، توبہ کر رہا ہے کہ یا اللہ! معاف کردیجئے، میرے ماضی کو بخش دیجئے، آئندہ کے لیے عزم مصمم کرتا ہوں کہ آپ کو ناراض نہیں کروں گا، آئندہ بے غیرتی اور کمینہ پن نہیں کروں گا۔

انگریز کی لید

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، جیسے گھوڑا چلا جائے اور لید چھوڑ جائے، ایسے ہی انگریز چلا گیا اور لید یعنی اپنے طور طریقے چھوڑ گیا اور ہم اس کو سونگھ رہے ہیں۔

۹ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۴ رمئی ۲۰۰۰ء بروز اتوار بعد نماز عصر

برمکان حافظ یٰسین صاحب پی آئی اے افسر راولپنڈی

شریعت وطریقت کی عاشقانہ تعریف

آج بعد نماز عصر بہت سے لوگ حضرت والا کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بیعت ہونے کے بعد ایک صاحب نے سوال کیا کہ شریعت اور طریقت

میں کیا فرق ہے۔ ارشاد فرمایا کہ شریعت احکامِ ظاہرہ کا نام ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، معاملات وغیرہ اور طریقت نام ہے احکامِ باطنہ کا کہ دل میں اللہ کی محبت ہو، اخلاقِ حمیدہ سے دل مزین ہوجائے اور اخلاقِ رذیلہ سے دل پاک ہوجائے۔ شریعت احکامِ ظاہرہ کی کمیت بتاتی ہے کہ مغرب میں تین رکعات ہیں، عشاء میں چار لیکن ان رکعات کو کس کیفیت احسان وخشوع و اخلاص سے پڑھا جائے یہ طریقت ہے۔ اللہ پر جسم فدا کرنے کا نام شریعت ہے اور دل فدا کرنے کا نام طریقت ہے۔

۲۱ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۶ رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بعد نماز فجر بوقت مجلس ذکر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

شرح حدیث اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ الخ

فرمایا کہ حدیث پاک کی دعا ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ﴾

(کنزل العمال)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ مجھ کو رسوا نہ فرمائیے اور اس درخواست کا ہم کو کیا حق ہے، ہم یہ درخواست آپ سے کیوں کررہے ہیں؟ تو کلامِ نبوت کی بلاغت دیکھئے کہ فاء تعلیلیہ سے اس کی علت بیان فرمادی فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ کیونکہ آپ میرے تمام گناہوں کو جانتے ہیں اور جس کو عیبوں کا علم ہو وہ جب چاہے رُسوا کرسکتا ہے لہٰذا ہم اس کے مستحق ہیں کہ آپ ہم کو رسوا کردیں وَلَا تُعَذِّبْنِیْ اور مجھے عذاب نہ دیجئے، یہاں بھی فاء تعلیلیہ سے اس کی علت اور سبب بیان فرمادیا فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ کیونکہ مجھ کو عذاب دینے کی آپ کو پوری قدرت حاصل ہے اور جو پوری قدرت رکھتا ہو اس کو عذاب دینا کچھ مشکل نہیں۔

اس دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی شانِ رحمت ہے اور آپ نے امت کا کتنا اکرام فرمایا اور امت کی کتنی پردہ پوشی فرمائی کہ یوں نہیں فرمایا کہ اے اللہ میری امت کو رسوا نہ فرما اور میری امت کو عذاب نہ دے۔ اگر آپ چاہتے تو یہ عنوان اختیار فرما سکتے تھے کیونکہ نبی معصوم ہوتا ہے وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا اس لیے اس پر عذاب ممتنع اور محال ہے لیکن اس نبی رحمت پر کروڑوں کروڑوں صلوٰۃ وسلام ہوں جنہوں نے اپنی امت کی خطاؤں کو معاف کرانے کے لیے اس کی خطاؤں کو خود اوڑھ لیا اور اپنی ذاتِ گرامی کو پیش فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ اے اللہ! مجھے رسوا نہ فرما اور مجھے عذاب نہ دے حالانکہ اس سے مراد یہی ہے کہ میری اُمت کو رُسوا نہ فرما اور میری اُمت کو عذاب نہ دے۔

تو اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ اگرچہ منفی درخواست ہے لیکن اس منفی میں ایک مثبت درخواست بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ جب ہمیں رُسوا کرنے کی آپ کو قدرت ہے تو رُسوا نہ کرنے کی قدرت بھی آپ کو ہے کیونکہ فلسفہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے یعنی قدرت اس کو کہتے ہیں کہ جو کام کر سکے اس کو نہ بھی کر سکے جیسے ہم ہاتھ اٹھا سکتے ہیں تو ہاتھ گرا بھی سکتے ہیں۔ اگر کوئی ہاتھ اٹھا سکے اور گرا نہ سکے تو اس کا نام عربی زبان میں تشنج ہے اور اردو میں اکڑ جانا ہے، فارسی میں کزار ہے اور انگریزی میں ٹٹنس (Tetanus) ہے تو اے اللہ! جب فلسفہ کا قاعدہ مسلمہ ہے اور فلسفہ آپ ہی کی مخلوق ہے، آپ پر قاضی اور حاکم نہیں ہے، فلسفہ کے حوالہ سے تو صرف ہم اپنی ادائیں حصولِ رحمت کے لیے پیش کرتے ہیں کہ اس کے قاعدہ سے جب ہمارے اخزاء پر آپ قادر ہیں تو عدم اخزاء پر بھی قادر ہیں کیونکہ نعوذ باللہ آپ مجبور نہیں ہیں کہ رسوا کرنے پر قادر ہوں اور رسوا نہ کرنے پر قادر نہ ہوں۔ پس جب دونوں چیزوں کی آپ کو قدرت ہے تو اپنی قدرتِ اخزاء کا ظہور نہ فرمائیے بلکہ قدرتِ عدم اخزاء کا

ظہور فرمائیے یعنی رسوا کرنے والی صفت کا ہم پر ظہور نہ کیجئے بلکہ اس کی ضد اور عکس یعنی رسوا نہ کرنے والی صفت کا ہم پر ظہور فرمائیے کیونکہ اگر صفتِ اخزاء کا آپ نے ظہور فرمایا تو ہم ذلیل وخوار ہو جائیں گے اور ہم آپ کے غلام ہیں اور ہر مالک اپنے غلاموں کی آبرو کا خیال رکھتا ہے جیسے اگر کسی کے نوکر کی عادت چوری کی ہے تو مالک اس پر کسی دوسرے کو مقرر کرتا ہے کہ یہ ہمارا پرانا نوکر ہے، دیکھو یہ چوری نہ کرنے پائے، اس سے ہماری بھی بدنامی ہوگی کہ ہمارا ہو کر چوری کرتا ہے تو اے اللہ جب دنیا کے آقاؤں کی مخلوق رحمت کا یہ حال ہے تو آپ تو دنیا بھر کی رحمت کے خالق ہیں، آپ کی رحمتِ بے پایاں کو کیسے پسند ہوگا کہ آپ کے نالائق غلام رسوا ہو جائیں۔

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم درخواست کرتے ہیں وَلَا تُعَذِّبْنِیْ اور اے اللہ! مجھے عذاب نہ دیجئے۔ یہاں بھی منفی میں مثبت درخواست پوشیدہ ہے کہ جب عذاب دینے کی قدرت آپ میں موجود ہے تو عذاب نہ دینے کی بھی آپ کو قدرت ہے لہٰذا آپ کی رحمت سے فریاد ہے کہ عذاب نہ دینے کی قدرت کا مجھ پر ظہور فرمائیے، عذاب دینے کی قدرت کا ظہور نہ فرمائیے اور فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ میں فاء تعلیلیہ ہے کہ چونکہ آپ مجھ پر پوری قدرت رکھتے ہیں، میں تو آپ کی قدرت کے تحت ہوں اور جو تحتِ قدرت ہو اس کو عذاب دینا قادرِ مطلق کو کیا مشکل ہے جیسے چھوٹا بچہ باپ سے کہتا ہے کہ ابا میں تو پوری طرح آپ کے بس میں ہوں، آپ میری پٹائی نہ کیجئے۔ تو رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش دلانے کے لیے یہ جملہ استعمال فرمایا تاکہ اُمت عذاب سے بچ جائے۔

(احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون بیان فرما کر حضرت مرشدی دامت برکاتہم نے نہایت درد سے فرمایا کہ) سارے عالم کے محدثین

سے اس حدیث کی شرح سنو پھر اس فقیر کی قدر معلوم ہوگی کہ اللہ اس فقیر کے قلب پر کیسے علوم میرے بزرگوں کے صدقہ میں نازل فرماتے ہیں۔ یہ علوم کتابوں سے نہیں ملتے، یہ اللہ والوں کی غلامی سے ملتے ہیں۔ جن کے کانوں نے اپنے بڑوں کی زبان سے تعلق نہیں رکھا ان کو اپنے بڑوں جیسا بولنا نہیں آیا کیونکہ بچہ وہی بولتا ہے جو اپنے باپ سے سنتا ہے۔ عرب کا بچہ عربی بولتا ہے بغیر مدرسہ گئے ہوئے، انگریز کا بچہ انگریزی بولتا ہے بغیر قواعد وگرامر پڑھے ہوئے۔ اپنے بڑوں کی بات جو غور سے سنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو وہی بڑائی اور طرزِ بیان اپنے بڑوں والا دیتے ہیں اور جو صرف کتاب دیکھتے ہیں ان کے اندر نقلِ علم تو ہوگا مگر اصل علم کا فیض نہیں ہوگا۔ اپنے بڑوں کی بات کان سے سننا سنتِ صحابہ ہے، صحابہ ہمیشہ اپنے پیغمبر سے سنتے تھے اس لیے اس میں بہت برکت ہے۔

گناہ کب متروک ہوتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ گناہوں کے تارک بنو تب گناہ متروک ہوں گے۔ جب تک تارک نہیں بنو گے گناہ متروک نہیں ہوں گے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم گناہ نہ چھوڑیں، خود بخود گناہ چھوٹ جائیں حالانکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ جب آپ چھوڑتے نہیں تو گناہ کیسے چھوٹیں گے۔ پہلے آپ تارک بنیے پھر گناہ خود بخود متروک ہوجائیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب مجھ سے تو گناہ نہیں چھوٹتے، میں کیا کروں۔ میں کہتا ہوں یہی کرو کہ گناہ نہ کرو، گناہ چھوڑنے کا فعل کرو تو گناہ چھوٹنے کا فعل خود صادر ہوجائے گا، آپ تارک ہوئے کہ گناہ متروک ہوئے اور جو گناہ ترک نہیں کرتا وہ قصداً دشمن کی گود میں جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے سایۂ رحمت سے خروج اور Exit کرتا ہے۔ انتہائی بے وقوف اور احمق ہے وہ شخص جو گناہ کرتا ہے۔ حکیم الامت تھانوی فرماتے ہیں کہ گناہ کرنا

انتہائی بے عقلی اور بے وقوفی کی دلیل ہے۔ اگر عقل سلامت ہو آدمی گناہ نہیں کرسکتا۔ وہ سوچے گا کہ اتنے بڑے صاحبِ قدرت کو کیسے ناراض کروں جو دونوں جہان کا مالک ہے۔ اگر وہ چاہے تو مجھے اسی حالتِ گناہ میں موت دے دے، یا کتا اور سور بنا دے یا ابھی زمین پھاڑ دے اور مجھے اس میں دھنسا دے۔ لہٰذا گناہ وہی کرتا ہے جس کی عقل ٹھکانے نہیں ہوتی صحیح العقل اور صحیح الدماغ آدمی گناہ نہیں کرسکتا۔

خدا کی دوستی کی علامت

ارشاد فرمایا کہ جو اپنے نفس کا دشمن نہیں وہ خدا کا دوست نہیں ہوسکتا۔

گناہ سے بچنے کا ایک لذیذ طریقہ

ارشاد فرمایا کہ جب گناہ کا تقاضہ ہو تو گناہ سے بچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ والوں کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔ جو بکری گلّہ سے الگ ہوتی ہے بھیڑیا اس کو پکڑ لیتا ہے اور جو بکری دس بکریوں کے ساتھ ہو تو بھیڑیا نہیں پکڑتا اگر چہ دسوں کوٹائیفائڈ ہو کیونکہ بھیڑیا کوالیفائیڈ (Qualified) نہیں ہے جو یہ سمجھ لے کہ یہ دس کی دس کمزور ہیں لہٰذا اللہ والوں میں رہو اور اگر اللہ والے نہ ملیں تو کچھ مسلمان بھائیوں ہی میں بیٹھ جاؤ جو روزہ نماز کے پابند ہوں، اللہ والوں کے پاس آتے جاتے ہوں اگر چہ وہ ابھی پورے متقی نہیں ہوئے لیکن جو کوشش کررہے ہیں ان کا شمار بھی متقیوں میں ہے جیسے ایک شخص ابھی ایم ایس نہیں ہے لیکن بی اے یا ایم اے میں ہے تو یہ بھی ایم ایس ہونے والا ہے۔ اسی طرح جو تقویٰ کی کوشش کررہا ہے، اہلِ تقویٰ سے تعلق رکھتا ہے یہ بھی متقی ہونے والا ہے ۔ اس کی دلیل فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ہے کہ جتنا تم سے ہوسکے اتنا تو اللہ سے ڈرو۔ تو یہ شخص اپنی استطاعت تو استعمال کررہا ہے، کوشش کررہا ہے یہ بھی متقین کے زُمرہ

میں ہے اور اس کی صحبت بھی نفع سے خالی نہیں کیونکہ جو ابھی اللہ والے نہیں ہیں لیکن اللہ والوں سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں مشائخ نے ان کی صحبت سے منع نہیں کیا۔

اہل اللہ اور مشائخ کن کی صحبت میں جانے سے منع کرتے ہیں؟

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں **نَهَى الْمَشَايِخُ الْمُرِيْدِيْنَ عَنْ مُوَالَاتِ الْمُنْكِرِيْنَ** مشائخ نے اپنے مریدین کو ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے منع کیا ہے جو اللہ والوں کے فیضانِ صحبت کے منکر ہیں اور اہل اللہ کی عیب گوئی اور تنقید کرکے اُمت کو اللہ والوں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جو اللہ والوں سے بیزار ہوگیا وہ کبھی اللہ کو نہیں پا سکتا لہٰذا تمام اکابر کا اجماع ہے کہ مخالفینِ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا دین کے باب میں زہرِ قاتل ہے۔

لہٰذا جب کبھی گناہ کا تقاضہ ہو یا گناہ کے اسباب پیدا ہوجائیں تو گناہ کے موقع سے فرار فرض ہے **فَفِرُّوْا اِلَى اللهِ** پر فوراً عمل کرو اور بھاگ کر مذکورہ دینی دوستوں، یا پیر بھائیوں کے پاس چلے جاؤ یا ان کو اپنے پاس لے آؤ، ان سے گپ شپ لڑاؤ، باتیں کرو، ان کے ساتھ چائے پیو، دل بہلاؤ، کچھ ہنسی مزاح کرلو، نفس کو حلال اور جائز مال اتنا زیادہ دو تو اس کی حرام خواہش خود بخود جاتی رہے گی کیونکہ نفس کے بارے میں فلسفہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ **اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰى شَيْئَيْنِ فِيْ اٰنٍ وَّاحِدٍ** یعنی نفس بیک وقت دو کام نہیں کرسکتا یا تو حرام کام کرے گا یا حلال۔ نفس بیک وقت زِنا و شراب اور ذکر و تلاوت کیسے کرسکتا ہے۔ اس لیے اس کو جلدی سے کسی مباح اور جائز اور حلال کام میں مشغول کردو، تاکہ اس کو مشغولیت بالحرام کا موقع نہ رہے اور اس کا سب سے بہتر، موثر، محفوظ اور لذیذ طریقہ اپنے دینی مربی ورنہ دینی دوستوں کی صحبت ہے۔

شیخ کا ایک اہم ادب

آج جمعہ تھا اور قبل جمعہ مسجد اشرف میں حضرت مرشدی دامت برکاتہم

کا بیان بھی ہوتا ہے۔ فجر کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ حضرت والا ارشادات فرماتے رہے تو احقر نے یہ سوچ کر کہ حضرت والا کو تعب ہو جائے گا عرض کیا کہ حضرت آج جمعہ کی بھی مجلس ہے اور حضرت والا کو آرام کی ضرورت ہے تو حضرت مرشدی فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ نے فرمایا کہ جَزَاکَ اللہُ اللہ تعالیٰ اس محبت کا آپ کو اجر عطا فرمائے لیکن آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آئندہ سے یاد بھی نہ کراؤ۔ اللہ جب دردِ دل دیتا ہے تو مضامین کے بیان کی طاقت بھی عطا فرما دیتا ہے اور دوسری مجلس کے لیے بھی طاقت عطا فرما دیتا ہے لہٰذا اس بات کو یاد رکھو کہ آئندہ سے کبھی ایسا مشورہ نہیں دو گے۔ بارش تو اس وقت ہو رہی ہے، بادل کا وزن تم کیسے روک سکتے ہو، رٹی رٹائی تقریر کرنے والے رٹو مقرر کو مشورہ دے دو لیکن جن کے قلب پر پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بادل آتے ہیں تو بادل جب تک برس کر اپنا وزن ہلکا نہ کر لیں وہ جا نہیں سکتے۔ یاد رکھو کہ شیخ کی محبت آدابِ شاہراہ اولیاء کے ساتھ کرو۔ کسی ملفوظ میں دِکھا دو کہ مفتی شفیع صاحب اور مولانا سید سلیمان ندوی صاحب اور مولانا بنوری صاحب جیسے بڑے بڑے علماء نے حضرت حکیم الامت کو مشورہ دیا ہو کہ حضرت آج فلاں وقت آپ کا بیان بھی ہے لہٰذا اس وقت زیادہ بیان نہ فرمائیے۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ اگر بھول کر شیخ بد پرہیزی بھی کر رہا ہو تو اس کو یاد بھی نہ دلاؤ کہ یہ آپ کو مضر ہے۔ راہِ سلوک آسان نہیں ہے۔ بہت عقل چاہیے، عقلِ سلیم چاہیے اس کے لیے دعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمائے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بادشاہوں کے ساتھ رہنا آسان ہے مگر اللہ والوں کے ساتھ رہنا مشکل ہے کیونکہ ذکر اللہ کی برکت سے ان کے مزاج میں انتہائی لطافت آجاتی ہے اس لیے اللہ والوں کے غلاموں کو عقل و فہم بادشاہوں کے غلاموں سے زیادہ مانگنا چاہیے اور اللہ والوں کے جو غلام ہیں ان

کے مزاج کی بھی رعایت کرو اور یہ جملہ اپنے لیے کہتا ہوں کیونکہ میری اللہ والوں کی غلامی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اللہ والے یا اللہ والوں کے غلام جو حکم دیں ویسا ہی کرو۔ بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ ہم حضرت کی بھلائی کی خاطر حکم کے خلاف کریں گے چاہے ڈانٹ کھائیں یا مار کھائیں لیکن اگر یہ بات ہوتی تو جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے باوجود آپ کو غشی کی حالت میں کڑوی دوا پلادی تھی تو جب آپ کو ہوش آیا آپ نے فرمایا کہ جنہوں نے مجھے کڑوی دوا پلادی ہے ان سب کو وہی کڑوی دوا پلادو ورنہ ان پر عذاب نازل ہوجائے گا۔ خلوص ومحبت کا استعمال کہاں کیا جائے یہ بھی سیکھنا پڑتا ہے۔ صحابہ نے اخلاص ہی سے دوا پلائی تھی کہ ہمارا پیارا نبی اچھا ہوجائے لیکن یہ اخلاص قبول نہیں ہوا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے خلاف تھا۔ حکیم الامت نے اسی حدیث سے ثابت کیا ہے کہ شیخ کو طبعی تکلیف بھی نہ دو۔

۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۳/ جولائی ۲۰۰۰ء بروز اتوار ساڑھے چھ بجے صبح

(محبی ومحبوبی ومرشدی ومولائی عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم العالی آج صبح سندھ بلوچ سوسائٹی کی خانقاہ تشریف لے گئے، بہت سے خدام بھی ساتھ تھے۔ الحمد للہ تعالیٰ حضرت والا اب روبصحت ہیں لیکن ہنوز ضعف کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائیں، ضعف کے باوجود چند منٹ اپنے حجرۂ خاص میں سامعین سے مندرجہ ذیل ارشاد فرمایا جو اگرچہ مختصر لیکن ایک ایک لفظ حضرتِ والا کے دردِ دل کا حامل اور ہزاروں وعظوں کا نچوڑ ہے۔ بوجہ ناسازیٔ طبع آج کل حضرت والا فداہٗ ابی و امی اس شعر کے مصداق ہیں۔

لب بہ بستند و بہر موئے زبانم دادند
پا بہ بستند و بہر کوئے نشانم دادند

میرے ہونٹ تو بند کردیئے لیکن میرے بال بال کو زبان بنادیا اور میرے پاؤں تو باندھ دیئے لیکن ہر گلی کو اپنا نشان بنادیا۔

حضرت والا کا سکوت بھی اسم ھادی کی نہایت قوی تجلی کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ بطفیل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت والا کو جلد از جلد صحتِ کاملہ مستمرہ دائمہ عطا فرمائیں اور حضرے والا کا سایۂ عاطفت ایک سو بیس سال تک صحت و عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم رکھیں آمین یارب العٰلمین۔ مرتب)

نارِ شہوت اور اس کے بجھانے کا طریقہ

حضرت والا نے مولانا رومی کا یہ شعر پڑھا ؎

نارِ بیرونی بآبے بفسرد
نارِ شہوت تا بدوزخ می برد

ارشاد فرمایا کہ افسردن کے معنی ٹھنڈا ہو جانا، بجھ جانا، جیسے کہتے ہیں کہ آج ہمارا دل بہت افسردہ ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ دنیا کی بیرونی آگ پانی سے بجھ سکتی ہے لیکن شہوت کی آگ دوزخ تک لے جاکر دم لے گی۔ اس لیے نارِ شہوت کو دنیا کی آگ سے زیادہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کے نام پر جان کی بازی لگادو اور گناہ نہ کرو کیونکہ ہر گناہ غیر اللہ ہے اور ہر غیر اللہ شہوت ہے، جو چیز بھی خدا سے دور کردے وہ شہوت میں داخل ہے اور شہوت کا تعلق دوزخ سے ہے۔ شہوت سے مغلوب ہو کر ہی آدمی گناہ کرتا ہے اور ہر گناہ دوزخ کی برانچ اور شاخ ہے جیسے یہاں بینک کی شاخ میں پیسہ جمع کرو تو وہ خود بخود ہیڈ آفس میں پہنچ جاتا ہے اسی طرح شہوت سے جو مغلوب ہو گیا تو شہوت کی آگ گناہ کرا کے چھوڑتی ہے اور اس کی خاصیت ہے کہ یہ گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے گی، نہ چاہو گے تب بھی دوزخ میں پہنچا کر دم لے گی کیونکہ جو شاخ میں پہنچ گیا وہ خود بخود ہیڈ آفس میں داخل ہو جائے گا۔

مولانا کا شعر دراصل وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کی تفسیر ہے جو روح المعانی میں علامہ آلوسی نے فرمائی کہ وَقِنَا مِنْ غَلَبَةِ الشَّهَوَاتِ الَّتِیْ تُؤَدِّیْ اِلَی النَّارِ اے اللہ! ہمیں شہوت کے غلبہ سے بچا جو دوزخ تک پہنچا کر دم لیتی ہے۔ علامہ آلوسی تو مولانا رومی کے بہت بعد کے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مولانا کو پہلے ہی یہ علمِ عظیم عطا فرما دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ شہوت کی آگ کو کیا چیز بجھاتی ہے تو اس کا جواب بھی مولانا نے دوسرے شعر میں دیا ہے؎

نارِ شہوت چہ کشد نورِ خدا

نورِ ابراھیم را ساز اوستا

نارِ شہوت کو کیا چیز بجھاتی ہے؟ فرماتے ہیں کہ نورِ خدا۔ اللہ کا نور نارِ شہوت کو بجھا سکتا ہے کیونکہ نار گرم ہوتی ہے اور نور ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اللہ خالقِ جہنم بھی ہے اور خالقِ جنت بھی ہے، اس لیے اللہ کا نور جنت کا حامل ہے اور دوزخ سے بچانے کا ضامن ہے۔ جنت کے حصول کا اور دوزخ سے حفاظت کا ضامن صرف نورِ خدا ہے۔ اس لیے نورِ خدا میں مزہ ہی مزہ ہے اور نارِ خدا میں سزا ہی سزا ہے۔ بلکہ اللہ کا نور، اللہ کی ذات اور اللہ کے نام کی لذت جنت سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ جنت ابدی تو ہے لیکن ازلی نہیں یعنی جنت نہیں تھی پھر پیدا کی گئی اور اب کبھی فنا نہیں ہوگی، تو جنت میں شانِ ابدیت تو ہے لیکن شانِ ازلیت نہیں ہے اور دنیا کی شراب تو نہ ازلی ہے نہ ابدی، دنیا نہیں تھی، پیدا کی گئی اور پھر ہمیشہ کو فنا کر دی جائے گی۔ لہٰذا دنیا کی لذتوں کی شراب تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لہٰذا شرابِ محبتِ الٰہیہ کی خاصیتِ ازلی ابدی کو جنت بھی نہیں پا سکتی تو دنیا کیا بیچتی ہے۔ لہٰذا جن کے منہ کو اعلیٰ درجہ کی لگ جاتی ہے پھر ادنیٰ درجہ کی ان کے منہ کو نہیں لگتی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کو اللہ کی ذات درجۂ اوّلیں میں اور جنت درجۂ ثانوی میں محبوب ہے اور جانِ عاشقِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کو جنت پر مقدم فرمایا اور اللہ کی ناراضگی کو دوزخ پر مقدم فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ النَّارِ اے اللہ! میں آپ کی رضا کا سوال کرتا ہوں درجۂ اولیں میں اور جنت کا سوال کرتا ہوں درجۂ ثانوی میں کیونکہ آپ کا راضی ہو جانا جنت کی بھی جان ہے کیونکہ جس سے آپ راضی ہوں گے اسی کو جنت دیں گے اور آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ آپ کا ناراض ہو جانا کس دوزخ سے کم ہے کہ جس سے آپ ناراض ہوں گے اسی کو دوزخ میں ڈالیں گے اور معطوف علیہ معطوف میں مغایرت لازم ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کی، اللہ کی ذات کی، اللہ کے نام کی، اللہ کی محبت کی لذت کچھ اور ہے اور جنت کی لذت کچھ اور ہے۔ اسی قاعدہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی ناراضگی عذابِ دوزخ سے بڑھ کر ہے۔

تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ نارِ شہوت کو ٹھنڈا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نورِ خدا کو دل میں لاؤ تو یہ آگ بالکل بجھ جائے گی اور اگر ایک لاکھ گناہ کرلو کہ چلو گناہ کر کے شہوت کی آگ کو ٹھنڈا کرلیں تو یہ انتہائی حماقت اور گدھاپن ہے کیونکہ آگ میں آگ ڈالنے سے آگ بڑھتی ہے۔ ایک عورت کو دیکھا، پھر دوسری کو دیکھا، پھر تیسری کو دیکھا تو شہوت کی آگ بڑھتی ہی چلی جائے گی، کم نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس آگ کو بجھانے کا طریقہ یہ ہے کہ شہوت کے تقاضوں پر عمل نہ کرو، نظر کو بچا کے رکھو، پکا ارادہ کرلو کہ گناہوں کو ترک کرنا ہے، اللہ کو ناراض نہیں کرنا ہے چاہے جان رہے یا جائے۔ اسی سے نورِ خدا دل میں آئے گا اور یہ نار بجھ جائے گی اور اللہ تعالیٰ حلاوتِ ایمانی عطا فرمائے گا۔ گناہ نہ کرنے کا

نام تقویٰ ہے اور تقویٰ جڑ ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق کی۔ جس کو نورِ تقویٰ حاصل ہو گیا اسے نورِ خدا مل گیا اور نورِ خدا سے آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔

تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر تم نارِ شہوت کو بجھانا چاہتے ہو تو اے میرے استاد! نورِ ابراھیمی حاصل کرو جس نے نارِ نمرود کو بجھا کر ٹھنڈا کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا تھا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا اے آگ! تو میری مخلوق ہے تجھے میرا حکم ماننا پڑے گا، لہٰذا ٹھنڈی ہو جا لیکن خبردار اتنی ٹھنڈی بھی نہ ہو جانا کہ میرے ابراھیم کو نقصان پہنچ جائے وَسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ ان پر تیری برودت سلامتی کے ساتھ ہو۔ لہٰذا نورِ خدا تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے اور کتنا بڑا انعام ہے کہ جو متقی ہو گیا اللہ کا ولی ہو گیا اور دل میں چین، ٹھنڈک اور سکون پا گیا۔

لیکن خالی مجاہدات سے بھی یہ نور حاصل نہیں ہوسکتا۔ پھر کہاں سے ملے گا؟ جن کے دل میں یہ نور ہے، جنہوں نے اللہ کی راہ میں گناہ سے بچنے کے لیے غم اُٹھائے ہیں، مجاہدے کیے ہیں، دل کا خون کیا ہے ان کے دل سے یہ نور حاصل ہوگا۔

نور والوں سے نور ملتا ہے

ان کے پاس رہ کر سیکھنا پڑے گا کہ جیسے وہ اللہ کی راہ میں غم اُٹھاتے ہیں، نگاہوں کو نامحرموں سے بچا کر دل کا خون کرتے ہیں، اپنا دل توڑ لیتے ہیں لیکن اللہ کا قانون نہیں توڑتے تو ان اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر یہ مشق کرو تب نورِ خدا حاصل ہوگا جس کی دلیل کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۲۳/رجب المرجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۲/اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز اتوار
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

حدیث اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا الخ کی شرح

ارشاد فرمایا کہ حدیث پاک کی دعا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِىْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِىْ فِىْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

(سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جآء ان فقرآء المھاجرین یدخلون الجنة، ج:۲،ص:۶۰)

اے اللہ! مجھ کو مسکین زندہ رکھئے اور مسکینی کی حالت میں موت دیجئے اور مساکین ہی میں میرا حشر فرمائیے لیکن اگر اس حدیث کے مفہوم سے واقفیت نہ ہوتو کیا کوئی اس دعا پر آمین کہہ سکتا ہے بالخصوص مالدار تو اس دعا کو سن کر کانپ اٹھے گا کہ اگر میں مسکین ہو گیا تو تنگدستی و مفلسی کی مصیبت کو کیسے برداشت کروں گا اور کیسے مساجد و مدارس کی خدمت کروں گا جو زکوٰۃ وصدقات دے کر کرتا ہوں۔تو بات یہ ہے کہ اس خدشہ کا سبب حدیثِ پاک کے معانی کا صحیح علم نہ ہونے سے ہے۔لوگ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں خالی ترجمہ دیکھ کر پریشان ہوجاتے ہیں لیکن بڑی شروح سے صحیح مفہوم کا علم ہوتا ہے۔

لہٰذا اس حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آدمی مفلس اور تنگدست ہوجائے۔بھلا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس کو گوارا کرسکتے ہیں کہ ان کی اُمت مفلس اور تنگدست اور دوسروں کی دستِ نگر ہوجائے۔حضرت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱۰ صفحہ ۱۱ پر اس حدیث کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ اَلْمِسْكِيْنُ مِنَ الْمَسْكَنَةِ وَهُوَ التَّوَاضُعُ عَلٰى وَجْهِ الْمُبَالَغَةِ مسکین مسکنت سے ہے جس کے معنی ہیں غایت تواضع اور کمالِ فنائیت وعبدیت یعنی اپنے کو کچھ نہ سمجھنا بلکہ خود کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا جو تواضع وفنائیت کا درجۂ کمال ہے جیسا کہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
کچھ ہونا مرا ذلت و خواری کا سبب ہے
یہ ہے میرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

لٰہذا ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا کی شرح فرماتے ہیں اَیْ اِجْعَلْنِیْ مُتَوَاضِعًا لاَ جَبَّارًا مُّتَکَبِّرًا یعنی اے اللہ! مجھ کو کمال درجہ کا متواضع بنا دیجئے، جبار اور متکبر نہ بنائیے۔

پندرہ بیس سال پہلے میرا سفر انڈیا کا ہوا تھا تو میں نے بمبئی میں جب اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کیا تو وہاں کے ایک بڑے سیٹھ جو میرے پیر بھائی بھی ہیں میرے پاس آئے اور کہا کہ تین سال سے میں یہ دعا نہیں مانگ رہا تھا، مناجات مقبول پڑھتے وقت جب یہ دعا آتی تھی تو اس کو چھوڑ دیتا تھا کہ یہ دعا پڑھنے سے اگر مفلس ہوگیا تو زکوٰۃ وخیرات کیسے دوں گا اور کیسے دین کی خدمت کروں گا۔ آج یہ شرح سن کر دل کو اطمینان ہوگیا اور آج ہی سے یہ دعا مانگنا شروع کردوں گا۔

امام کا جنازہ کے سینہ کے مقابل کھڑے ہونے کا راز

ارشاد فرمایا کہ جنازہ کی نماز میں امام کو جنازہ کے سینہ کے سامنے کھڑا ہونے کا حکم کیوں ہے؟ علامہ شامی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ لکھی ہے کہ یہ عَلٰی سَبِیْلِ التَّفَاؤُلِ ہے، نیک فالی کے طور پر امام سینہ کے سامنے کھڑے ہوکر گویا اللہ تعالیٰ کو یہ واسطہ دیتا ہے کہ اے اللہ اس مردہ کے سینہ میں جو دل تھا اس میں کلمہ تھا پس اس کلمہ کے واسطے سے آپ اس کو بخش دیجئے، اس کلمہ کو آپ اس کی مغفرت کا بہانہ بنا دیجئے۔

نماز میں دو سجدوں کی فرضیت کا راز

ارشاد فرمایا کہ نماز میں رکوع ایک ہے اور سجدے دو کیوں ہیں؟ علامہ شامی ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ لکھی ہے کہ رَغْمًا لِلشَّیْطٰنِ یہ شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے اور اس کو جلانے کے لیے ہے کہ اے شیطان!

تو نے ایک سجدہ کرنے سے انکار کیا لے ہم دو سجدے کرتے ہیں۔ دو سجدوں سے شیطان کو ذلیل کرنا مقصود ہے کہ دیکھو ہمارے خاص بندے ایسے ہوتے ہیں، تجھ سے ایک سجدہ نہ ہو سکا یہ ہر نماز میں دو دو سجدے کرتے ہیں اور جو نماز نہیں پڑھتا وہ شیطان کا دل بھی نہیں جلاتا۔ اس کو یہ گناہ الگ ہوگا کہ شیطان کا دل جلانے کا حکم تھا اور بے نمازی اس سے محروم ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی کا دل جلانا بھی ثواب ہے، جیسے حج وعمرہ کے طواف میں رمل یعنی اکڑ کے چلنا سنت موکدہ ہے، یہ محض کافروں کو جلانے کے لیے ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد صحابہ بیمار ہوگئے تھے اس لیے رمل کا حکم ہوا کہ اکڑ کے چلو تا کہ کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہجرت کی وجہ سے یہ لوگ کمزور ہو گئے ہیں بلکہ طاقتور سمجھ کر ان کا دل اور جلے اور رعب و ہیبت بھی بیٹھ جائے۔

اور صحابہ نے ہمیں ایک ادب اور سکھا دیا کہ مدینہ جا کر جب بیمار ہو گئے تو یہ نہیں کہا کہ مدینہ کی آب وہوا ہمیں موافق نہیں آئی بلکہ یہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ کی آب وہوا کے ہم موافق نہیں ہوئے۔ اگر ہم لوگ ہوتے تو پتہ نہیں کیا منہ سے نکال دیتے لیکن صحابہ جو اونٹ چرانے والے تھے سید الانبیا ئصلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے کس درجہ فہم پیدا ہوگئی تھی ان کا ادب دیکھئے کہ نقص کی نسبت اپنی طرف کی کہ ہم یہاں کی آب وہوا کے موافق نہیں ہوئے۔ وہاں کی آب وہوا کی طرف نقص کی نسبت نہیں کی چونکہ دیکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تو اپنے جسم مبارک سے چادر ہٹا کر اونٹنی کی پیٹھ پر رکھ دیتے اور فرماتے کہ مدینہ کی خاک مجھ کو لگ جائے، یہ بہت مبارک خاک ہے جہاں سے اللہ کا دین نشر ہو رہا ہے۔ جس مٹی کو نبی نے اپنے بدن مبارک پر ملا ہو، جس مٹی کو نبی قیمتی سمجھتا ہو اس مٹی کی کیا قیمت ہوگی؟

شب ۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۱ھ مطابق ۵ر نومبر ۲۰۰۰ء

بعد نماز مغرب، شب دوشنبہ

محبتِ الٰہیہ کی ازلی ابدی اور بے مثل شراب

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم صدر دارالعلوم کراچی حضرت مرشدی مدظلہم العالی کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دوستوں سے ایک بات گذارش کی اور یہ بات غالباً آپ مجھ سے ہی سنیں گے، شاید کسی سے نہ سنا ہوگا، یہ علم اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور شاید مجھے اس میں خاص فرمایا ہے ھٰذَا مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی شَانُہٗ بِلُطْفِہٖ وَکَرَمِہٖ آپ بھی انشاء اللہ اس کی تصدیق کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل، ہمسر اور مساوی نہیں ہے، اللہ کی محبت کی شراب ازلی ابدی ہے اور جنت کی شراب ابدی تو ہے لیکن ازلی نہیں ہے، ازلیت کی تجلیات سے جنت کو بھی اللہ نے محروم رکھا تاکہ برابری اور ہمسری لازم نہ آئے۔ یہ ہے توحید کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کی لذت کو شرابِ ازلی و ابدی دونوں سے نوازا ہے اور جنت کی شراب ابدی تو ہے لیکن شانِ ازلیت سے محروم ہے اور جنت کی ابدیت بھی مخلوق ہے، حق تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہے، حق تعالیٰ کی عطا سے جنت کو ابدیت ملی ہے اور حق تعالیٰ کی ذات ابدی قدیم اور واجب الوجود ہے لہٰذا جنت کی موھوبہ ابدیت اور حق تعالیٰ کی ذاتی ابدیت میں بھی کوئی تماثل اور ہمسری نہیں ہے، جب ان کی شان وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے تو کوئی شے کُلًّا یا جُزْءًا ان کے مماثل اور ہمسر کیسے ہوسکتی ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

یہی وجہ ہے کہ جنت میں جب اللہ تعالیٰ کے دیدار کی ازلی ابدی شراب

ملے گی تو اہل جنت کو جنت یاد بھی نہیں آئے گی ،جتنی دیر تک اللہ کو دیکھیں گے وہ ایسی لذت ہوگی جس کے سامنے جنت اور نعماء جنت کی ابدی لذتیں ہیچ اور کالعدم ہوجائیں گی کیونکہ جب اعلیٰ درجہ کی منہ کو لگ جاتی ہے تو ادنیٰ درجہ کی منہ کو نہیں لگتی ۔

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

ترے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی
زبان بے نگہ رکھدی نگاہ بے زباں رکھ دی

حالانکہ جنت کی شان مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے قلب پر اس کا خیال گذرا اور وہاں کیا کیا نعمتیں ہیں! حوریں، دودھ، شہد اور شراب کی نہریں وغیرہ اور فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ کا حکم بھی ہے مگر اپنی ذات کے مقابلے میں جنت کو تھوڑی رکھا ہے، اللہ تعالیٰ خالقِ جنت ہیں لہٰذا جنت اللہ کی ذات کے مساوی کیسے ہوسکتی ہے۔ معارف القرآن میں بحوالہ تفسیر قرطبی بہ روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ کی تفسیر منقول ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی کہ اس جگہ الحسنیٰ (اچھے بدلہ) سے مراد جنت ہے اور زِیَادَةٌ سے مراد حق تعالیٰ سبحانہ کی زیارت ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگی اور صحیح مسلم کی روایت منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہلِ جنت جنت میں داخل ہوچکیں گے، تو حق تعالیٰ ان سے خطاب فرمائیں گے کہ کیا تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ہو تو بتلاؤ ہم اسے پورا کریں گے، اہلِ جنت جواب دیں گے کہ آپ نے ہمارے چہرے روشن کیے ہمیں جنت میں داخل فرمایا، جہنم سے نجات دی اس سے زیادہ اور کیا چیز طلب کریں، اس وقت درمیان سے حجاب

اُٹھا دیا جائے گا اور سب اہلِ جنت حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے تو معلوم ہوگا کہ جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت تھی جس کی طرف ان کا دھیان بھی نہ گیا تھا، جو رب العٰلمین نے محض اپنے کرم سے بے مانگے عطا فرمائی، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عاشقین جنت سے مستغنی نہیں ہیں کیونکہ جنت محلِ دیدارِ الٰہی ہے اور اللہ کے عاشقوں کے رہنے کی جگہ ہے لیکن وہ عبادت جنت کے لیے نہیں کرتے، اللہ کے لیے کرتے ہیں، وہ اللہ کی محبت کی ازلی ابدی شراب سے ایسے مست ہیں کہ جنت کی ابدی شراب ان کے لیے کمتر درجے میں ہوگئی۔ یہ عاشقِ ذاتِ حق ہیں۔ جب اللہ کے دیدار میں یہ خاصیت ہے کہ جنت یاد بھی نہیں آئے گی تو اللہ کے نام میں بھی یہ خاصیت مرتب ہوتی ہے کہ ان کے نام میں وہ دونوں جہان سے بڑھ کر مزہ پاتے ہیں، میرا شعر ہے۔

وہ شاہ دوجہاں جس دل میں آئے

مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

بسودائے جاناں زجاں مشتغل

بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

بیادِ حق از خلق بگریختہ

چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

محبوبِ حقیقی کے عشق میں یہ اپنی جان سے بے پروا اور اپنے محبوب کی یاد میں سارے جہان سے مستغنی ہیں۔ اللہ کی یاد میں خلق سے کنارہ کش ہیں اور اس ساقی ازل کی ذات پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ نعمتوں کی شراب کی طرف التفات باقی نہ رہا۔ لہٰذا جنت بھی حق تعالیٰ کی ذات کی ہمسری نہیں کرسکتی کیونکہ کوئی ان کا کفو اور ہمسر نہیں۔ اس کی ایک اور دلیل نصِ قطعی سے پیش کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ

حق تعالیٰ کی رضا کو جنت پر مقدم فرمایا اور واوٴ عطف کا داخل فرمایا اور معطوف علیہ معطوف میں مغایرت لازم ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کی ڈش (Dish) اور ہے اور جنت کی ڈش اور ہے۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اللہ کی محبت کی شراب ازلی ابدی لَامِثْلَ لَہٗ ہے اور جنت کی شراب ابدی ہے ازلی نہیں۔ اب رہ گئی دنیا تو دنیا کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی، بہت گھٹیا قسم کی ہے۔ پوری دنیا کی نعمتیں اگر جمع کی جائیں تو ایک مچھر کے پر کے برابر نہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے:

﴿لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَّا سَقٰی کَافِراً مِّنْھَا شَرْبَۃً﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الرقاق)

اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتا۔ اس لیے دنیا پر شکر تو کرنا چاہیے کہ نعمت ہے لیکن دل میں اس کی محبت نہ آئے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

جلبِ منفعت پر دفعِ ضرر کی تقدیم کی وجہ

اسی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دفعِ ضرر کو مقدم فرمایا ہے جلبِ منفعت پر، چنانچہ کلمہ میں لَاۤ اِلٰـہَ پہلے ہے اِلَّا اللہُ بعد میں ہے یعنی جب تک لَاۤ اِلٰـہَ دل سے نہیں نکالو گے اِلَّا اللہ کی خوشبو نہیں پاؤ گے۔ اِلَّا اللہُ کی خوشبو جب محسوس ہو گی جب لَاۤ اِلٰـہَ کی گندگی سے دل پاک ہو جائے گا، جیسے گندے کپڑوں پر عود کا عطر لگالو تو خوشبو نہ آئے گی۔ پہلے نہا دھو کر صاف کپڑے پہن لو پھر عطر لگاؤ تو معلوم ہو گا کہ عطر کی خوشبو کیا چیز ہے۔ جتنا لَاۤ اِلٰـہَ نکلے گا اتنا ہی اِلَّا اللہُ کی خوشبو کا احساس ہو گا۔ لَاۤ اِلٰہَ کے بعد اِلَّا اللہُ ہی تو ہے، لَاۤ اِلٰہَ کو نکال دو پھر سارا عالم اِلَّا اللہُ سے بھرا ہوا ہے، ہر طرف پھر اللہ ہی اللہ نظر آئے گا۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی نے ایک مسئلہ لکھا ہے

کہ اگر کسی شخص نے کسی عمل کے وقت نیت نہیں کی کہ میں یہ عمل اللہ کے لیے کر رہا ہوں لیکن غیر اللہ کی نیت بھی نہیں ہے تو یہ اللہ ہی کی نیت ہے اور یہ عمل اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ جب غیر اللہ نہیں ہے تو پھر اللہ ہی اللہ ہے۔

اسی طرح حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ میں بھی دفعِ مضرت کو جلبِ منفعت پر مقدم فرمایا۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ کے معنیٰ ہیں کہ میرا نبی تم پر حریص ہے لیکن کس چیز پر حریص ہے؟ تمہاری ذات اور تمہاری جیب پر حریص نہیں ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ فَاِنَّ الْحِرْصَ لَا یَتَعَلَّقُ بِذَوَاتِهِمْ حرص سے صحابہ کی ذوات اور ان کی مال و دولت مراد نہیں ہے بلکہ حَرِیْصٌ عَلٰی اِیْمَانِکُمْ وَ صَلَاحِ شَانِکُمْ ہمارا نبی تمہارے ایمان پر اور تمہاری صلاحِ شان پر، تمہاری اصلاحِ حال پر حریص ہے۔ اس میں مومنین کے ساتھ کافرین بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد مومنین کو خاص فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کہ مومنین کے ساتھ ہمارا نبی رؤف و رحیم ہے۔ علامہ آلوسی السید محمود بغدادی نے لکھا ہے کہ رافت کے معنی دفعِ ضرر کے ہیں اور رحمت جلبِ منفعت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمتِ مسلمہ کی مضرتوں کو دفع کرتے رہتے ہیں دعا سے، تدبیر سے اور تربیت سے۔ چونکہ دفعِ ضرر مقدم ہے اس لیے رؤف کو مقدم کیا اور رحیم کو مؤخر کیا چونکہ جلبِ منفعت کا درجہ ثانوی ہے۔

اور دفعِ ضرر کے مقدم ہونے کی تیسری مثال بیت الخلا سے نکلنے کی دعا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَ اَمْسَکَ عَلَیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ﴾
(کنز العمال)

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مضر چیزوں کو نکال دیا جیسے پیشاب پاخانہ اور مفید چیزوں کو رہنے دیا جیسے خون اور اندرونی اعضاء جسم وغیرہ یہاں

بھی دفعِ مضرت کو جلبِ منفعت پر مقدم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ دفعِ ضرر کے بغیر جلبِ منفعت بے سود ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

اوّل اے جاں دفعِ شرِ موش کن
بعد ازیں انبارِ گندم کوش کن

اے دوست! پہلے نفس کے چوہے کے شر کو دفع کرنے کا اہتمام کر، اس کے بعد نیکیوں کا ذخیرہ جمع کر ورنہ نفس کا چوہا نیکیوں کے ذخیرہ کو کھا جائے گا۔

فطرتِ سلیمہ کا تقاضا

ارشاد فرمایا کہ ایک نیا اور نادر عنوان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ متقی بننا یعنی اللہ کا دوست بننا فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے۔ تمہاری فطرتِ سلیمہ گناہ سے بالکل موافقت نہیں رکھتی چنانچہ جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو جب پہلی دفعہ گناہ کرتا ہے تو پسینہ آجاتا ہے۔

نہ تم آئے نہ ہم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

یہ پسینہ آنا دلیل ہے کہ گناہ کو فطرتِ سلیمہ سے کس قدر بُعد ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اے ایمان والو گناہوں سے بچو یہ تمہاری عین فطرت کا تقاضا ہے۔ اس لیے گناہ نہ کرنا مشکل نہیں ہے، گناہ کرنا مشکل ہے کیونکہ گناہ نہ کرنے کا جو حکم میں تمہیں دے رہا ہوں یہ تمہاری عین فطرت ہے۔ کوئی سلیم الفطرت یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی ماں بہن اور بیٹیوں کو کوئی دیکھے، یا کوئی اس کے مال پر ڈاکہ ڈالے وغیرہ۔ لہٰذا غضِ بصر اور جملہ گناہوں سے بچنے کا حکم تمہاری عین فطرت کے مطابق ہے۔ فطرتِ سلیمہ چوری کرنے، جیب کاٹنے اور دوسروں کی بہو بیٹیوں کو دیکھنے کو گوارا نہیں کرتی۔ کوئی سلیم الفطرت انسان گناہوں کو پسند نہیں کرتا حتیٰ کہ دنیائے کفر بھی گناہوں کو برا سمجھتی ہے چنانچہ بعض ہندوؤں کو دیکھا

کہ اگر کسی کے گناہ کی تشہیر ہوگئی اور وہ رُسوا ہوگیا تو کانوں پر ہاتھ رکھ کر رام رام کہنے لگے اور بعض کافر بھی اپنی خاندانی شرافت کی وجہ سے زِنا و بدکاری وغیرہ سے بچتے ہیں اور ان کاموں کو برا سمجھتے ہیں اور جو دنیائے کفر گناہوں میں غرق ہے اس کا ضمیر بھی اندر سے ملامت کرتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انگریزوں نے فطرتِ سلیمہ سے بغاوت کرکے اگرچہ بعض گناہوں کو قانوناً جائز کردیا لیکن اگر کوئی وزیر یا معزز عہدہ دار اس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے خلاف کارروائی کرکے اس کو معطل کردیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فطرتاً گناہ کو برا کام سمجھتے ہیں اور عزت وشرافت کے منافی سمجھتے ہیں، پس فطرتِ سلیمہ اس بات کی متقاضی ہے کہ بندہ گناہ نہ کرے کہ گناہ کرنا خلافِ فطرت کام ہے چنانچہ فطرتِ غیر سلیمہ کی جو عادت پڑی ہوئی ہے اس کو چھوڑ کر فطرتِ سلیمہ پر آجاؤ۔ اس لیے جو اللہ کا دوست نہیں بننا چاہتا وہ شریف نہیں ہے، ذاتی طور پر کمینہ اور بدخصلت ہے اور گناہ کے مسلسل ارتکاب سے اس نے اپنی فطرت کو غیر سلیمہ کرلیا ہے۔

دعائے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریح

ارشاد فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ اے اللہ! اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب فرمائیے۔ اس میں تمام شہادتیں شامل ہوگئیں یعنی ظاہری شہادت بھی کہ اللہ کی راہ میں جان دے دی اور باطنی معنوی شہادت بھی کہ اللہ کی مرضی کے خلاف جو آرزوئیں پیدا ہوئیں ان کا خون کردیا وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ اور اپنے نبی کے شہر میں مجھے موت دیجئے۔ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فرمایا وَاجْعَلْ قَبْرِیْ نہیں فرمایا کیونکہ اگر قَبْرِیْ کا لفظ ہوتا تو لوگ اس کو دلیل بنا کر یہ بدعت ایجاد کردیتے کہ مرتے کہیں اور دفن مدینہ میں ہوتے، مرنے سے پہلے یہ وصیت کرجاتے کہ ہم کہیں مریں لیکن ہمیں مَدِیْنَۃُ الرَّسُوْلِ میں دفن کرنا جبکہ شرعی حکم یہ ہے کہ جس جگہ موت

آئے وہیں دفن کیا جائے لہٰذا امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ مَوْتِیْ استعمال فرمایا کہ جب مدینہ میں موت ہوگی تو ہم دفن بھی وہیں ہوں گے۔

نفس کا علاج

ارشاد فرمایا کہ نفس کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جیسے ہرن اور شیر کا کہ ہرن شیر سے کانپتا رہتا ہے اسی طرح تم نفس کے مقابلہ میں شیر بن جاؤ کہ وہ تم سے کانپتا رہے، یہ نہیں کہ نفس شیر بنا ہوا ہے اور تم کانپ رہے ہو۔ شیر جب ہرن کا شکار کرتا ہے اس کا خون چوس لیتا ہے، تم بھی نفس کا خون چوس لو۔ یہ سب سے بڑا دشمن ہے کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا دشمن ہے اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ فِیْ جَنْبَیْکَ سب سے بڑا دشمن تمہارے پہلو میں ہے لہٰذا اس کا خون چوس لو ورنہ یہ تمہارا خون چوس لے گا۔ نفس کا خون چوسنا یہ ہے کہ جن گناہوں کا وہ تقاضا کرے اس کے خلاف کرو تو سمجھ لو تم نے اس کا خون چوس لیا اگرچہ اس کے تقاضے کے خلاف کرنے میں کتنی ہی تکلیف ہو کیونکہ یہ تکلیف آپ کو نہیں ہورہی، آپ کے دشمن کو ہورہی ہے اور دشمن کی تکلیف پر غمگین ہوتے ہیں یا خوش لہٰذا خوش ہوجاؤ کہ آج دشمن غم زدہ ہے۔ بات یہ ہے کہ نفس کی تکلیف کو ہم اپنی تکلیف سمجھتے ہیں حالانکہ ہمارے دشمن کو تکلیف ہے۔

۱۲ر شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ مطابق ۷ر جنوری ۲۰۰۱ء بروز اتوار گیارہ بجے شب

جب سے حضرت والا کی طبیعت ناساز ہوئی ہے تب سے روزانہ بعد نمازِ عشاء حضرت والا کے اشعار کی مجلس ہوتی ہے جو حضرت والا کے بعض خدام حضرت والا کے مجموعہ کلام فیضانِ محبت سے پڑھتے ہیں۔ عشاء کے بعد کافی مجمع ہوجاتا ہے، اس مجلس کا کیف وسرور ناقابلِ بیان ہے اور وہی جان سکتا ہے جو اس میں شریک ہو۔ حضرت اقدس دام ظلہم علینا کے کلام سے زبردست فیض ہو رہا ہے اور لوگ بتاتے ہیں کہ ہمارے تعلق مع اللہ میں زبردست اضافہ

ہو رہا ہے۔

موت اور موت کا بھائی

مجلس اشعار کے اختتام پر استراحت کے لیے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دروازہ پر فرمایا کہ بادلِ ناخواستہ آپ لوگوں سے رخصت ہوتا ہوں کیونکہ یہ دنیا ہے، یہاں نیند کی بھی ضرورت ہے اور جنت میں وصال دوام ہوگا۔ کیونکہ وہاں سورج نہیں ہے جس سے گھنٹے اور دن بنتے ہیں اور تھک کر نیند آنے لگتی ہے حدیثِ پاک میں نیند کو موت کا بھائی فرمایا گیا ہے۔ اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ جنت میں نہ تو موت ہوگی نہ موت کا بھائی ہوگا۔

مجلس مورخہ ۱۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق ۶ / اگست ۲۰۰۱ء بعد نماز فجر بروز دوشنبہ بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال ۲ کراچی

پچھلے ہفتہ ڈربن (جنوبی افریقہ) سے حضرت مرشدی مدظلہم العالی کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا یونس پٹیل صاحب حضرت والا کی زیارت کے لیے تشریف لائے اگرچہ تین ہفتہ قبل ان کو دل کا دورہ پڑا تھا اور ڈاکٹروں کی رائے اتنے طویل سفر کی نہ تھی لیکن مولانا نے فرمایا کہ حضرت کی جدائی میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی لہٰذا جان پر کھیل کر آ گئے۔ حضرت والا کا شعر ہے ؎

عشق کب ڈرتا ہے رسن و دار سے
عشق بے پروا ہے جانِ زار سے

آہ! شیخ کی محبت اور قدردانی کوئی ان حضرات سے سیکھے جو حضرت اقدس کی ناسازیِ طبع کے دوران سال میں بار بار دیوانہ وار حاضر ہوئے ؎

بارہا اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

(اللہ تعالیٰ ان عاشقانِ باوفا کے صدقہ میں ہمیں بھی محبت کا کوئی ذرّہ عطا فرمادے۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ جنوبی افریقہ سے مولانا یونس پٹیل صاحب اور ان کے ساتھی آج واپس جانے والے ہیں ان کی وجہ سے بطور نصیحت و وصیت اس وقت یہ بیان کررہا ہوں۔

کبر کی تعریف

کبر کیا چیز ہے؟ کبر کی حقیقت کیا ہے؟ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبر نام ہے دو جز کا، کبر کے اجزائے ترکیبیہ دو ہیں (۱) بَطَرُ الْحَقِّ (۲) غَمْطُ النَّاسِ ۔حق بات کو قبول نہ کرنا کبر کا پہلا جز ہے، دل کہتا ہے کہ قبول کرلو کیونکہ فلاں شخص جو بات کہہ رہا ہے حق ہے لیکن قبول نہیں کروں گا، کیونکہ میں بوڑھا ہوں وہ عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے، تو حق بات کو نہ قبول کرنا کبر ہے اور (۲) غَمْطُ النَّاسِ لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ اَلنَّاس میں الف لام استغراق کا ہے اس میں کافر بھی شامل ہے۔ کافر کو بھی ہم حقیر نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ ممکن ہے کہ آخری وقت میں وہ کلمہ پڑھ لے اور جنت میں چلا جائے اور جو مسلمان اس کو حقیر سمجھتا تھا اس کو سزا کے طور پر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اسی لیے کافر کو بھی حقیر سمجھنا حرام ہے لہٰذا کبر سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ حق بات فوراً قبول کرلے اور اس میں اپنی کوئی توہین نہ سمجھے اور دوسرے یہ کہ لوگوں کو حقیر نہ سمجھو نہ کافر کو نہ مسلمان کو۔ مسلمان تو ظاہر ہے کہ ایمان رکھتا ہے، ممکن ہے باوجود بے عملی کے اس کا کوئی عمل اللہ کے یہاں قبول ہو اور اللہ کے یہاں وہ پیارا ہو اور اس کی سب خطائیں معاف ہوں۔ لہٰذا اللہ کے یہاں مقبولیت کی تم کو کیا خبر ہے۔ اس لیے تکبر کرنے والا گدھا اور احمق ہے۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تکبر اسی کو ہوتا ہے جو احمق اور بیوقوف

ہوتا ہے کیونکہ نتیجہ آوٹ نہیں ہوا، قیامت کا فیصلہ معلوم نہیں ہوا اور یہ خود کو سمجھ رہا ہے کہ میں بڑا بزرگ ہوں۔ اس لیے دو جملے کبر کا علاج ہیں۔ اللہ سے کہو کہ یا اللہ میں سارے مسلمانوں سے حقیر اور کم تر ہوں فی الحال یعنی اس وقت بھی میں ہر مسلمان سے کم تر ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی عمل آپ کے یہاں قبول ہو جس کی وجہ سے اس کے سب گناہ معاف ہو گئے ہوں اور دوسرا جملہ یہ ہے کہ یا اللہ میں تمام کافروں سے اور جانوروں سے بھی کم تر ہوں فی المآل یعنی انجام کے اعتبار سے کیونکہ اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو جانور بھی مجھ سے اچھے ہیں، کافر بھی مجھ سے اچھے ہیں۔ ایک دفعہ یہ جملہ صبح وشام اللہ تعالیٰ سے کہہ دے اور اس کا معمول بنالے۔

رِیا اور دِکھاوے کا علاج

اس کے بعد ریاء اور دکھاوے کا مرض بھی بہت برا ہے اور اعمال کو ضائع کرنے والا ہے اور اس کے لیے مسنون دعا یہ ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ وَ اَنَا اَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ﴾

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، باب الشرک، ص: ۱۴۲)

یا اللہ! میں شرک یعنی دکھاوے سے پناہ چاہتا ہوں، اس دکھاوے سے بھی جس کو میں جانتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں اور اس دکھاوے سے بھی جس کا مجھے علم نہیں یعنی جو اتنا خفی ہے جو دل کی گہرائی میں چھپا ہوا ہے اور مجھے اس کا احساس بھی نہیں۔ دکھاوا تو وہ کرے جو مخلوق کو عملاً اللہ سے بڑا سمجھتا ہو کہ مخلوق میں میری بڑائی ہو جائے گی تو مجھے عزت ملے گی۔ لیکن ساری مخلوق میں آپ پسندیدہ ہوں اور اللہ کے نزدیک ناپسند ہوں تو کیا فائدہ۔ جوتے پڑیں گے اور جہنم میں جائیں گے۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونا کامیابی ہے اور اللہ کے نزدیک

ناپسندیدہ ہونا ناکامی ہے۔

ریاء تو کبیرہ گناہ ہے لیکن چھوٹے گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھو۔ نافرمانی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی حرج نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو تھوڑا سا ناراض کرنا ان کے نزدیک معمولی بات ہے حالانکہ جس طرح ان کا تھوڑا سا راضی ہونا ہر چیز سے بڑا ہے رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اسی طرح ان کا تھوڑا سا ناراض ہو جانا بھی دونوں جہان کا سب سے بڑا خسارہ ہے۔ میرے شیخ نے ایک قصہ سنایا تھا کہ گاؤں کی ایک لڑکی گانا گا رہی تھی کہ

چھوٹی نہ جانو! ظلم کر دوں گی

ایک بزرگ وہاں سے گذر رہے تھے، ان کے کان میں جو یہ آواز پڑی تو بے ہوش ہو گئے۔ سب لوگ سمجھے کہ ملا بڑا رومانٹک ہے، یہ کیسا بزرگ ہے کہ ایک لڑکی کا گانا سن کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آئے تب پوچھا کہ حضرت آپ کیوں بے ہوش ہوئے؟ تو فرمایا کہ مجھے ایسا لگا کہ چھوٹے گناہ نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو چھوٹا نہ سمجھنا میں ظلم کر ڈالتا ہوں۔ مجھے گناہ یاد آ گئے کہ اللہ پاک اتنے بڑے ہیں کہ ان کی چھوٹی سی نافرمانی بھی بہت ہے۔ جو جتنا عظیم ہوتا ہے اس کا حق بھی اتنا ہی عظیم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شئی سے بڑے ہیں تو ان کی تھوڑی سے ناراضگی بھی ہر شئی سے بڑی ہے، سب سے بڑا خسارہ ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک عورت نے جھلنی بنوائی، جھلنی ناک میں پہنی جاتی ہے جو جھولتی رہتی ہے اردو میں اس کو بلاق بھی کہتے ہیں اس کا نام دیہاتی زبان میں جھلنی ہے، تو اس نے کہا

جھلنی تو گڑھایوں پیا اپنے مناں سے
پیا من بھاوا کہ ناں

یعنی جھلنی تو میں نے اپنی طبیعت سے بنوائی ہے، لیکن معلوم نہیں کہ میرے شوہر کو پسند آئے گی کہ نہیں، اس سے سمجھ لو کہ شوہر انسان ہے، ایک انسان کا مزاج نہیں معلوم کہ اس کو پسند آئے گا کہ نہیں تو ڈرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت پسند آئے نہ آئے۔ جب میدانِ قیامت میں فرمادیں کہ جاؤ ہم تم سے راضی ہیں، جاؤ جنت میں تب اطمینان کی سانس لو۔ پہلے سے لوگوں کے کہنے سے اپنے کو کیوں بڑا سمجھتے ہو۔ ایک شخص تھا، اس کا ایک گھوڑا تھا جو اس کو اٹھا کر پٹک دیتا تھا۔ وہ عاجز ہو گیا اور اس نے ایک دلال سے کہا کہ بھائی اس کو بیچ دو۔ دلال اس کو گھوڑے کی مارکیٹ میں لے گیا اور اس کی تعریف کے پل باندھنا شروع کیے کہ یہ گھوڑا ایسے چلتا ہے جیسے پانی بہتا ہے اور بجلی کی طرح تیز رفتار ہے اور ایسا ہے اور ویسا ہے تو اس سوار نے کہا کہ جب اس میں اتنی خوبیاں ہیں تو میں نہیں بیچتا تو دلال نے کہا کہ بے وقوف تو نے اس گھوڑے کو دس سال آزمایا ہے کہ یہ ہمیشہ تجھ کو پٹک دیتا ہے اور تو دس سال کے آزمانے کو بھول گیا میری جھوٹی تعریف سے۔ میں جھوٹی تعریف کر رہا ہوں تاکہ تیرا سودا بک جائے۔ یہی حال ہم لوگوں کا ہے کہ ہزاروں گناہ، ہزار خامیاں ہم اپنی محسوس کرتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ ہم کیسے ہیں لیکن اگر کسی نے تعریف کر دی کہ آج میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ ہوا میں اڑ رہے تھے تو خوش ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ میں واقعی بزرگ ہوں۔ خوش ہونا تو جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا ہی بنا دے لیکن دوسروں کی تعریف سے دھوکہ کھا کر اپنے کو بڑا سمجھنا جائز نہیں۔

قلب ونظر کی پاسبانی اور سنتِ صحابہ

اب دو نصیحت اور کرتا ہوں کہ (۱) آنکھ بچاؤ (۲) دل بچاؤ۔ آنکھ بچانا بارڈر کی حفاظت، سرحد کی حفاظت ہے اور دل بچانا دارالخلافہ اور کیپٹل کی حفاظت ہے۔ اگر نظر کی حفاظت نہ کی تو اس کی مثال یہ ہے جیسے پاکستان میں

واہگہ کی طرف سے دشمن آجائے اور دل میں گندے خیالات پکالیے، دل میں حرام مزے لے لیے تو گویا دشمن نے براہِ راست دارالخلافہ پر حملہ کردیا۔ لہٰذا نظر کی حفاظت اور دل کی حفاظت دونوں بہت ضروری ہیں۔ اگر یہ نہیں ہے تو وہ سالک تہجد گذاری کے باوجود زیرو ہے زیرو، صفر ہے، ناکام ہے۔ جس ملک کے باڈر یا دارالخلافہ پر دشمن کا قبضہ ہو اس ملک کا وجود کہاں۔ تو جس کے قلب و نظر پر نفس و شیطان کا قبضہ ہو وہ سالک اور اللہ کا طالب کہلانے کا مستحق نہیں۔ لہٰذا ان دو چیزوں کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

اس لیے آنکھ بچاؤ اور دل بچاؤ۔ آنکھ سے کسی نامحرم عورت کو مت دیکھو، کسی بے ریش لڑکے کو مت دیکھو۔ عورتوں کو دیکھنا، لڑکوں کو دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے، کوئی معمولی جرم نہیں، بعضوں میں لڑکوں کو دیکھنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے، بعضوں میں عورتوں کو دیکھنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے اور بعض لوگ دونوں کو دیکھتے ہیں۔ پس عورتوں کو دیکھنا اور لڑکوں کو دیکھنا دونوں حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم نے تو نہ لیا نہ دیا صرف دیکھ لیا۔ مولوی لوگ بلاوجہ ہم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہم نے کیا جرم کیا، نہ لیا نہ دیا بس دیکھ لیا۔ لیکن قرآنِ پاک نے اسی دیکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔ آخر قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے۔ اللہ نے یہاں خود کیوں نہیں منع کیا جبکہ نماز کو خود کہا کہ نماز پڑھو۔ روزہ کو کہا کہ روزہ رکھو، زکوٰۃ کا خود حکم دیا کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ ہر چیز کا حکم خود دیا مگر بدنظری، بدنگاہی، عورتوں اور لڑکوں کو نہ دیکھنے کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہلایا۔ اس میں کیا راز ہے؟ بات یہ ہے کہ جس طرح باپ کو اپنے لڑکوں سے یہ کہتے ہوئے حیاء آتی ہے کہ بیٹا بری نظر مت ڈالو، باپ اپنے دوست سے کہلاتا ہے کہ میرے بیٹوں سے کہہ دو کہ ایسی نالائقی نہ کیا کریں۔ پس ربّا کو بھی حیا آتی

ہے، اس لیے اپنے رسول سے کہلایا کہ اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اپنے امتیوں سے کہہ دیجیے کہ نظر کی حفاظت کیا کریں۔ جب ہم قرآن پاک ہی کا حکم نہ مانیں گے تو پھر کس کا حکم مانیں گے۔ یہ تو قرآن کا حکم ہوگیا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ نامحرم عورت کسی کی ماں، کسی کی بہن کسی کی بیٹی، کسی کی پھوپھی کسی کی خالہ ہوگی تو کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی تمہاری ماں بہن، بہو بیٹی وغیرہ کو دیکھے۔ تو نظر کی حفاظت کا یہ قانون بھی اللہ نے ہماری عین فطرت کے مطابق بنایا ہے لہٰذا ان کو مت دیکھو، نظر نیچی کرلو اور جب وہ سامنے سے ہٹ جائے تو دیکھو۔ میرا شعر ہے؎

جب آگئے وہ سامنے نابینا بن گئے
جب ہٹ گئے وہ سامنے سے بینا بن گئے

دیکھنے کی بہت چیزیں ہیں، آسمان دیکھو، زمین دیکھو، پہاڑ دیکھو، درخت دیکھو، دریا دیکھو، ماں باپ کو دیکھو، اپنے بیوی بچوں کو دیکھو۔ بہت چیزیں ہیں دیکھنے کی۔ بس جہاں کہہ دیا وہاں دیکھو، جہاں منع کردیا وہاں نہ دیکھو۔ اللہ کو اختیار ہے کہ نہیں؟ جس نے آنکھ دی اور آنکھ میں روشنی دی ہے اس کو حق ہے کہ وہ کہہ دے کہ فلاں چیز کو دیکھو، فلاں چیز کو نہ دیکھو۔ حرام چیز کو دیکھنا اپنے کو تکلیف میں پھنسانا ہے۔ دیکھنے سے دوسرے کی چیز کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور دیکھنے سے وہ مل نہیں جائے گی، دل تڑپ کر رہ جائے گا۔ اس لیے بدنظری حماقت کا گناہ ہے کہ نہ ملنا نہ ملانا مفت میں دل کو تڑپانا، کلپانا اور للچانا اور اگر بدنظری سے نفس جو گناہ کرنا چاہتا ہے وہ نہ بھی کیا تو دل میں گناہ کا خیال تو آجائے گا، شیطان گناہ کا پورا فیچر پیش کردے گا۔ لڑکی ہے تو اور لڑکا ہے تو دونوں کو دیکھنے سے دل میں گناہ کا خیال تو آجائے گا، شیطان اٹیک کردے گا لہٰذا اللہ نے منع کردیا کہ پرائی چیز کو مت دیکھو۔ لڑکا ہے تو وہ تمہارے لیے حلال نہیں اور

لڑکی ہے تو وہ تمہاری بیوی نہیں، پھر تم کیوں دیکھتے ہو۔ اگر غلط خیال آ گیا تو دل کا کبیرہ گناہ ہو گیا اور دار الخلافہ پر حملہ ہو گیا، دیکھنے سے براہِ راست دل پر اٹیک ہو گیا اور اللہ سے مکمل دوری ہو گئی۔

تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ صرف دو عمل کر لو، ایک آنکھ بچاؤ دوسرے دل کو بچاؤ، آنکھ بچاؤ گے تو دل خود ہی بچ جائے گا۔ بس ذرا دیر کے لیے نگاہ نیچی کر لو۔ وہ آپ سے تھوڑی کہے گی کہ مجھ کو دیکھو، وہ گھاس نہیں ڈالے گی۔ ایک منٹ لگے گا جب سامنے سے گذر گئی تو نظر اٹھا لو۔ اور دل میں گندے خیالات مت لاؤ۔ اگر ان دو عمل کی وجہ سے ولی اللہ نہ ہو جاؤ تو کہنا کہ اختر کیا کہہ رہا تھا۔ صرف یہی دو عمل مشکل ہیں، باقی سب اعمال آسان ہیں۔ پس جو مشکل عمل کرلے گا اس کو آسان عمل کرنا کیا مشکل ہے۔ جو بھینس اُٹھالے گا کیا وہ مرغی نہیں اٹھالے گا؟ یہی دو عمل ہیں جس میں کلیجے منہ کو آتے ہیں اور سنتِ صحابہ ادا ہوتی ہے اور درجہ بلند ہوتا ہے اور درجہ اس لیے بلند ہوتا ہے کہ اس عمل سے سنتِ صحابہ ادا ہوتی ہے۔ سنتِ صحابہ کیسے ادا ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ہم نے صحابہ کو اتنا آزمایا کہ ان کے کلیجے منہ کو آ گئے وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِیْدًا اور ان کو ہلا دیا، ان کے دل پر ہم نے زلزلہ پیدا کر دیا ایسی آزمائش میں ان کو ڈالا۔ تو نظر بچانا اور دل بچانا یہ دو فعل ہیں جن سے کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے اور آہ نکل جاتی ہے۔ عاشق مزاجوں سے پوچھو جن کو حسن پرستی کا مرض ہے کہ بتاؤ نظر کی حفاظت میں تکلیف ہوتی ہے کہ نہیں؟ صحابہ کے کلیجے بھی منہ کو آئے تھے اور اس زمانہ میں، قلب و نظر کی پاسبانی میں کلیجے منہ کو آتے ہیں اور اس امت کو صحابہ کا عمل نصیب ہو جاتا ہے۔ تو اس دور میں صحابہ کے عمل سے مشابہ اور قریب تر یہی دو عمل ہیں جن سے دل پر زلزلہ آ جاتا ہے اور کلیجہ اکھڑ کر منہ کو آ جاتا ہے اور چونکہ صحابہ کا عمل سب سے اونچا ہے تو ان کے عمل

کا متبع، ان کی سنت ادا کرنے والا اونچے درجہ کا ولی اللہ نہ ہوگا؟ کیونکہ گناہ کرنا شرافتِ بندگی کے بھی خلاف ہے اور شرافتِ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ ایک جوان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے زِنا کی اجازت دے دیجئے۔ فرمایا صبر وکرو اور بیٹھ جاؤ اور نہایت پیار سے فرمایا کہ یہ بتاؤ تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا اگر تمہاری ماں سے کوئی زِنا کی اجازت چاہے؟ کہا کہ تلوار سے اسے مار دوں گا۔ پھر آپ نے فرمایا اچھا تمہاری بہن ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا اگر تمہاری بہن سے کوئی زِنا کی اجازت مانگے؟ کہا کہ تلوار سے اس کو بھی ڈھیر کر دوں گا۔ پھر آپ نے کہا تمہاری پھوپھی ہے تمہاری خالہ ہے ہر ایک کا نام لیا اس جوان نے ہر ایک کے لیے یہی کہا کہ میں تلوار سے اس کا کام تمام کر دوں گا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس پیارے انداز میں اس کو سمجھایا کہ جس کے ساتھ تم زنا کی اجازت مانگتے ہو وہ کسی کی بہن، کسی کی بیٹی، کسی کی ماں، کسی کی پھوپھی، کسی کی خالہ ہوگی۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کے سینہ پر رکھ کر یہ دعا پڑھی:

﴿ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبَهٗ وَحَصِّنْ فَرْجَهٗ وَاغْفِرْ ذَنْبَهٗ ﴾

(مسند احمد، حدیث ابی اُمامہ، رقم الحدیث ۲۱۱۸۵)

اے اللہ! اس کے قلب کو پاک کر دے اور اس کی شرم گاہ کو محفوظ کر دے اور اس کے گناہ کو معاف کر دے۔ صحابی عرض کرتے ہیں کہ اس کے بعد زندگی بھر مجھے کبھی زِنا کا وسوسہ بھی نہیں آیا۔

جی اٹھے مُردے تری آواز سے
پھر ذرا مطرب اسی انداز سے

اسی پر قیاس کر لیں کہ جن کو لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کا ذوق ہے وہ

سوچیں کہ یہ لڑکا کسی کا بیٹا ہے، کسی کا بھائی ہے اور ایک دن ابا ہونے والا ہے تو کیا کوئی اپنی اولاد سے، اپنے بیٹے سے، اپنے بھائی سے، اپنے ابا سے بدفعلی کرے گا؟ اس کے علاوہ ہر فرد بشر پیغمبر زادہ ہے کیا پیغمبر زادہ سے کوئی بدفعلی کی جرأت کرسکتا ہے؟

ایک لڑکا تالاب میں ڈوبنے لگا تو زور سے چلا کر کہا کہ دوڑو لوگو! مجھے بچاؤ، پیغمبر کا بیٹا ڈوب رہا ہے۔ لوگوں نے دوڑ کر بچالیا۔ بچانے کے بعد کہا کہ تم کہاں پیغمبر کے بیٹے ہو، ہم تمہیں جانتے ہیں، تم تو نتھو پہلوان کے بیٹے ہو تو اس نے کہا کہ تم نے قرآن شریف میں نہیں پڑھا یَا بَنِیْ آدَمَ اے آدم! کی اولاد اور آدم علیہ السلام نبی تھے کہ نہیں؟ اور میں بھی آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں تو میں نبی کا بیٹا ہوا یا نہیں؟ لہٰذا سوچو کہ تم جس لڑکے کے ساتھ بدفعلی کرنا چاہتے ہو وہ پیغمبر زادہ ہے، پیغمبر کی اولاد ہے کہ نہیں؟ تو پیغمبر کے بیٹے کے ساتھ بدفعلی کرنا حق تعالیٰ کے غضب کو مول لینا ہے۔ اسی طرح کافرہ عورت بھی آدم علیہ السلام کی اولاد ہے اس لیے کسی کافرہ عورت سے بھی زِنا جائز نہیں کیونکہ نبی زادی ہیں پیغمبر کی اولاد ہیں۔ ان کے کفر کی نالائقی کی سزا اللہ دے گا لیکن ان کی نالائقی کی وجہ سے زِنا ان سے جائز نہیں جیسے کسی باپ کی اولاد نالائق ہو تو کیا وہ باپ یہ پسند کرے گا کہ اس کا دوست اس کی نالائق اولاد سے زِنا کرے؟ اگر کوئی ایسا کرے گا تو دوستی کے رجسٹر سے اس کا نام خارج کردے گا۔

پھر حضرت والا نے مولانا یونس پٹیل صاحب سے جوش میں فرمایا کہ آج کا یہ سبق اہم سبق ہے اس کو سارے افریقہ میں پھیلا دو کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے صحابہ کو خوب آزمایا، خوب جھنجھوڑا یہاں تک کہ ان کا کلیجہ منہ کو آگیا۔ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ جب غم زیادہ ہوتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ دل اکھڑ کر حلق میں آگیا۔ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْداً۔ صحابہ پر ایسی مصیبتیں ڈالی

گئیں، ان کو اتنا آزمایا کہ ہم نے ان کے دل ہلا دیے اور صحابہ نے برداشت کیا۔ ہم لوگ تو تھوڑی سی مصیبت میں پریشان ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ان کی آزمائشوں اور مجاہدوں پر مہر تصدیق ثبت فرما رہے ہیں کہ ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا، ان کے دلوں کو ہلا دیا گیا، سخت زلزلہ ان کے دلوں پر طاری کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی جانوں پر رحم فرمائے، کس قدر ہمت والے تھے وہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے کس قدر عالی ہمت تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرما رہے ہیں اور یہ تعریف کیوں فرمائی؟ تاکہ بعد میں آنے والی اُمت کو سبق مل جائے کہ صحابہ نے اتنی مصیبتیں جھیلیں کہ ان کے کلیجے منہ کو آ گئے تب جا کر رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ سے مشرف ہوئے کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

میں بس یہی کہتا ہوں کہ جیسے مرچ کا درخت ہوتا ہے کہ اس کو اکھاڑ کر دوسری جگہ لگاتے ہیں تب اس میں پھل آتا ہے اور ایک دانے سے سو دانے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب دل اکھڑ جاتا ہے اور حلق میں پہنچ جاتا ہے یعنی جب اللہ کی راہ میں کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے تو ایمان دل کے ذرّے ذرّے میں سما جاتا ہے اور پھر وہ ایمان پھل پیدا کرتا ہے۔ ایک مرچ سے جب سو دانے مرچ کے پیدا ہوتے ہیں تو اس مؤمن سے کتنے مؤمن اور پیدا ہوں گے؟ کافر بھی صحابہ کو دیکھ کر ایمان لاتا تھا۔ اس زمانے میں خال خال ایسے لوگ ہیں جنہیں دیکھ کر کافر بھی ایمان لاتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر کہتا ہوں، مجھ کو کئی کافروں نے ساؤتھ افریقہ میں دیکھ کر اسلام قبول کیا۔ میرے میزبان ادریس ہتھورانی کا عیسائی نوکر مجھے ایک نظر دیکھ کر دوڑا ہوا ادریس کے پاس گیا اور پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہمارے پیر صاحب ہیں تو کہا کہ جس دین پر یہ ہیں مجھے بھی اسی دین پر کرا دو۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں؟ کہا کہ ان کا چہرہ بتا رہا

ہے کہ یہ سچے دین پر ہیں اور وہ مسلمان ہو گیا۔

بس یہی کہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں حرام آرزوؤں کے خون کرنے کا غم اٹھالو۔ قیامت کے دن اللہ پوچھے گا کہ میرے لیے کیا لائے ہو تو کہہ دینا کہ اپنے ارمانوں کا، اپنی آرزوؤں کا خون لایا ہوں۔ کون سے ارمان؟ جو نا جائز تھے۔

میں درد و غم سے بھرا اک سفینہ لایا ہوں
ترے حضور میں اک آبگینہ لایا ہوں
تری رضا کا ہے بس شوق و جستجو اس میں
مری ہزار تمنا کا ہے لہو اس میں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے اور بالکل ناامیدی ہوگئی تو مریدوں نے عرض کیا کہ ایک پنڈت ہے جو مرض کو کھینچ لیتا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ نہیں کافر کومت لاؤ، ہم کافر کا احسان نہیں لیں گے اور پھر بے ہوش ہوگئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب جب بے ہوش ہوگئے تو مرید لوگوں نے کہا کہ حضرت زیادہ سے زیادہ ہمیں مارلیں گے، ہم پٹنے کو کیا مرنے کے لیے تیار ہیں لیکن ہمارے شیخ زندہ ہوجائیں۔ شیخ کی محبت میں مغلوب ہوگئے اور ہندو پنڈت کو بلا لائے پنڈت نے عمل کیا اور شاہ صاحب کے مرض کو سلب کرلیا۔ جب اچھے ہوگئے تو پوچھا کہ تم لوگوں نے کس کو بلایا؟ سب نے کہا کہ ہم نے غلطی کی، پنڈت کو بلایا آپ کی جان بچانے کے لیے۔ ہم نے سوچا کہ حضرت جو سزا دیں گے بھگت لیں گے۔ فرمایا اچھا جس پنڈت کو لائے تھے اس کو پھر لے آؤ۔ پنڈت آیا شاہ صاحب نے پوچھا کہ تم نے یہ طاقت کیسے حاصل کی۔ اس نے کہا کہ میں نفس کے خلاف کام کرتا ہوں۔ فرمایا کہ اسلام لانے کو دل چاہتا ہے۔ پنڈت نے کہا نہیں۔ تو فرمایا کہ جلدی سے کلمہ

پڑھ ورنہ سب طاقت ختم ہوجائے گی۔ اس نے خوف کے مارے جلدی سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد مریدوں سے فرمایا کہ اس نے مجھ پر احسان کیا دنیا کا اور میرا جسمانی مرض کھینچ لیا اور میں نے اس پر احسان کیا آخرت کا اور اس کے روحانی مرض کفر کو سلب کرلیا۔

تو دیکھئے! نفس کی مخالفت سے کافر کو بھی فائدہ ہوا خواہ دنیا ہی کا سہی۔ افسوس کی بات ہے کہ کافر تو فائدہ اٹھائیں اور مسلمان فائدہ نہ اٹھائیں جبکہ حقیقت میں ایمان کی وجہ سے مسلمان ہی کی روحانیت معتبر ہے۔ کافر کے اندر روحانیت کہاں، نفس کی مخالفت سے اس کی جسمانی قوتوں میں کچھ ملکہ حاصل ہوجاتا ہے، وہ روحانیت نہیں ہے، فن ہے کیونکہ کافر کے پاس تو ایمان ہی نہیں ہے۔ اس کے عمل کے لیے قیامت کے دن اللہ ترازو ہی قائم نہیں کریں گے کیونکہ وہ باغی ہیں اور حکومت کا باغی لاکھ چندہ تقسیم کرے لاکھ دودھ کے ڈبے تقسیم کرے، لاکھ لحاف اور کمبل تقسیم کرے حکومت کے یہاں قبول نہیں ہوتا، اس کے لیے صرف سزائے موت ہے۔ اسی طرح یہ کفار اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں اس لیے ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔

تو یہ دو نصیحت قلب ونظر کی پاسبانی یعنی نظر کی حفاظت اور دل کی حفاظت بہت بڑا مجاہدہ ہے، اس مجاہدۂ شاقہ سے قلب پر زلزلہ آتا ہے اور اس طرح آپ سنت صحابہ پاجائیں گے، مقامِ صحابہ کی مشابہت نصیب ہوجائے گی۔ یہ عمل جتنا مشکل ہے تو درجہ بھی بہت بڑا ہے۔ صحابہ نے تو کافروں سے جہاد کیا تھا، اگر جہاد نصیب ہوجائے تو صحابہ کا عمل نصیب ہوجائے گا۔ آج کل جہاد جن پر فرض عین ہے ان کو یہ مقام بدرجہ اولیٰ نصیب ہوجائے گا۔ لیکن ہر مسلمان کو جہاد میں شرکت کا موقع نہیں، نہ ہر ایک پر فرضِ عین ہے لہٰذا قلب و نظر کی حفاظت میں دل کا خون کرکے سنتِ صحابہ ادا کیجئے اور آسانی سے صحابہ کا

عمل حاصل کیجیے کہ نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا۔ ہمت کرلو، دانت پیس کرنفس سے کہہ دو کہ اے نفس خبردار ہوجا۔ لومڑی کی طرح تجھ کو ذبح کردوں گا یعنی تیری حرام خواہشات کا خون کردوں گا، یہاں بظاہر حلق پر چھری نہیں چلی لیکن چھری چل گئی بظاہر خون نہیں بہا لیکن اندر اندر بہہ گیا۔ حرام خواہشات کا جو دل میں اندر اندر خون ہوتا ہے اس کا نام حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن میں شہادتِ معنوی باطنی رکھا ہے اور فرمایا کہ ایسے لوگ قیامت کے دن شہداء کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔ غرض کتنا ہی مشکل معلوم ہو کچھ دن مشق کرو، مشق کرنے سے ایسی قوت پیدا ہوجائے گی کہ حسینوں کو دیکھتے ہی دور ہی سے دانت پیس لوگے اور نفس سے کہوگے کہ دیکھتا ہوں تو کیسے دیکھتا ہے۔ میں تیرا غلام نہیں ہوں، تو میرا غلام ہے اور میں اللہ کا غلام ہوں۔ اللہ نے قرآن میں منع کیا ہے۔ یہ نہیں کہ حسین کو دیکھا اور قرآن شریف کو بھول گئے، اللہ کو بھول گئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھول گئے۔ یہ کوئی ایمان ہے، یہ حلوہ کھانے کا ایمان ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھوتھو۔ جہاں آسانی دیکھی اللہ کے غلام بن گئے اور جہاں مشکل نظر آئی دائرۂ غلامی سے نکل گئے اور نفس کے غلام بن گئے۔ بس پہلے جان لو، پھر مان لو، پھر ٹھان لو کہ دیکھنا نہیں ہے۔ مرد ہو تم، عورت تو نہیں ہو۔ اور ہاں یہ حکم حفاظتِ نظر کا تو عورتوں کے لیے بھی ہے۔ قرآن پاک میں اکثر احکام مردوں کے لیے بیان ہوئے ہیں اور چونکہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں اس لیے عورتیں ان احکام میں شامل ہیں جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں خطاب مردوں سے ہے کہ نماز قائم کرو لیکن اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہیں مگر حفاظتِ نظر کا حکم مردوں کو الگ دیا اور عورتوں کو الگ دیا حکم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ ...... قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ۔ بعض عورتیں خدا سے خوف

رکھتی ہوئی نظر کی حفاظت کرتی ہیں اور بعض مرد چوڑی پہن لیتے ہیں عورتوں کی طرح اور عورتیں چوڑی توڑ کر یعنی ہمت کے ساتھ بہادری دکھاتی ہیں۔ بہرحال دونوں کو حکم اسی لیے دیا کہ مرد یہ نہ سمجھیں کہ اللہ میاں ہمیں تو سختی میں مبتلا کررہے ہیں اور جو ضعیف ہیں ان کے ساتھ رعایت ہے لیکن اللہ نے کوئی رعایت نہیں کی کہ دیکھو ضعیف ہیں، ناقصات العقل ہیں مگر ان کو بھی حکم ہے کہ اپنی آنکھوں کو بچائیں۔ کیا ان کا دل نہیں ہے، ان کا بھی دل چاہتا ہے۔ ایک عورت تھی، شوہر کے بھائی سے پردہ نہیں تھا، ہر وقت دیکھتے رہنے سے اس کو عشق پیدا ہوگیا۔ وہ تھی اللہ والی۔ اپنے شوہر سے کہا کہ میرے دل میں بے اختیار اس کا عشق ہوگیا ہے چاہتی ہوں کہ دل سے نکل جائے مگر مجبور ہوں۔ وہ دونوں میاں بیوی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے بیعت تھے۔ لہٰذا حضرت والا کو خط لکھا، حضرت نے لکھا کہ حکیم اختر کی ''روح کی بیماریاں اوران کا علاج'' اس کو سناؤ۔

اسی لیے کہتا ہوں کہ نظر کی حفاظت کرواور دل کی حفاظت کرو۔ یہی دو کام مشکل ہیں۔ یہ کام کرلو تو سب کام آسان ہوجائیں گے، پورے دین پر عمل آسان ہوجائے گا۔ لیکن اس کی مشق کرنی پڑتی ہے، پکا ارادہ کرلو کہ یہ گناہ نہیں کروں گا لیکن شیطان ونفس ارادہ کو شکست کی کوشش کریں گے لیکن اللہ کے راستہ کا مرد وہ ہے کہ ارادہ کو شکست نہ ہونے دے، ہمت سے کام لے ورنہ گناہ وہ کرے جو جہنم کی آگ کو برداشت کرسکے اور جہنم کی آگ کو کون برداشت کرسکتا ہے۔ لہٰذا ہر حال میں ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ لاکھ عریانی ہو لیکن ہمت کرلو تو قلب ونظر کی حفاظت کچھ مشکل نہیں۔ نظر بچانے ہی سے حلاوتِ ایمانی ملتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ رہبانیت کو اسلام نے اسی لیے حرام فرمایا ہے کیونکہ جو رہبانیت اختیار کرے گا یعنی جنگل میں جاکر رہے گا تو قلب کو حلاوتِ ایمانی کیسے ملے گی؟ جب وہاں کوئی نامحرم کوئی حسین شکل ہی نہ ہوگی تو نظر کس سے

بچائے گا؟ کیا درختوں کو نہ دیکھنے سے حلوۂ ایمانی ملے گا؟ کیا درختوں کو شہوت سے دیکھنے کو دل چاہے گا؟ اسی لیے حکم ہے کہ لوگوں میں مل جل کر رہو اور پھر اللہ کے قانون کو نہ توڑو، عورتیں سامنے آجائیں تو اب نظر بچانے کا موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظر بچانے کا یہ موقع دیا ہے۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ نظر بچاؤ اور حلوۂ ایمانی کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہمت دیکھنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ کلیجہ منہ کو آجائے، دل پر زلزلہ طاری ہوجائے پھر بھی تم اللہ کے دین پر قائم رہو تب سنتِ صحابہ ادا ہوگی ورنہ ؎

ایں خیال است و محال است و جنوں

جب عمل کچھ نہیں تو ولی اللہ بننے کا خیال محض خیال ہے محال ہے، پاگل پن ہے۔ ارتکابِ گناہ پر جوتے نہیں پڑتے اس کو غنیمت سمجھو۔ ہر بدنظری پر اگر غیبی جوتے پڑ جائیں تو پھر دیکھوں گا کہ نگاہ بچانے کی ہمت کیسے نہیں ہوتی۔ لیکن یہ عالمِ امتحان ہے، اگر ایسے جوتے پڑ جایا کرتے تو پرچہ آؤٹ ہوجاتا۔ عالمِ غیب عالمِ غیب نہ رہتا۔ پھر تو سب ہی مسلمان ہوجاتے کہ بھائی مسلمان ہوجاؤ نہیں تو جوتے کھاؤ گے۔ اس لیے اللہ نے پرچہ آؤٹ نہیں کیا، مگر اتنا ضرور کہتا ہوں بڑے دُکھے ہوئے دل سے کہ جو ظالم نظر نہیں بچاتا وہ ہیجڑا ہے ہیجڑا، مخنث ہے، مردود ہے، شیطان ہے، مسلسل نافرمان ہے اور خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے، اللہ کی وِلایت سے محروم ہوتا ہے۔ ایک مخلوق کی دوستی کے لیے فرمانِ الٰہی کو توڑتا ہے، اپنا جی خوش کرتا ہے اور خالق کی دوستی سے دست بردار ہوتا ہے۔ سوچو تو سہی کہ کس سے جوڑا اور کس سے توڑا۔ عورت کو دیکھا تو عورت سے جوڑا اور اللہ سے توڑا۔ بس بالکل شارٹ کٹ راستہ، ایک دم مختصر راستہ بتادیا کہ نگاہ کو بچالو اور دل کو بچالو اللہ کو پاجاؤ گے۔ پھر نہ کہنا کہ مجھ کو نہیں بتایا تھا، اگر تمہاری جان بھی چلی جائے تم مسٹنڈے ہو، جان بچا کر کیا کرو گے۔ جان دے دو جب

جان دینے کی ٹھان لی تو سب آسان ہوگیا۔ بس آج سے ارادہ کرلو کہ جان دے دیں گے مگر اللہ کو ناراض نہیں کریں گے۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ یہ آنکھوں کو پلک اللہ نے دی ہے، یہ ایسا زبردست آٹومیٹک سوئچ ہے کہ اس کو دبانے کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، آنکھ ہی میں سوئچ لگا ہوا ہے، کہیں دو قدم بھی جانے کی ضرورت نہیں بس آنکھ بند کرلو۔ کتنا آسان کردیا کہ نہ کہیں جانا ہے، نہ بند کرنے کے لیے باہر سے کچھ لانا ہے سب کچھ اسی میں ہے، کھولنا اور بند کرنا آٹومیٹک ہے۔ آنکھ کو اللہ نے خود کفیل بنایا ہے کہ جہاں چاہو دیکھو جہاں چاہو نہ دیکھو۔ اس کے برعکس کان میں یہ بات نہیں، وہاں اگر کوئی غیبت کرنے لگے یا کان میں گانے کی آواز آرہی ہے تو کانوں میں انگلی دینی پڑے گی۔ کانوں کو اللہ نے خود کفیل نہیں کیا کیونکہ کان کے گناہ سے بچنا مشکل نہیں اور آنکھوں کی طرح یہاں مغلوبیت کا اتنا اندیشہ نہیں، برعکس آنکھوں کے گناہ کا تعلق شہوت سے ہے جس میں مغلوبیت کا خطرہ زیادہ ہے اس لیے آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے پلکوں کے پردہ کا آٹومیٹک سوئچ دے دیا تاکہ فوراً بند کرلو۔

عقل کی بات کہتا ہوں کہ چند روز دنیا میں رہنا ہے۔ مان لو گناہ کی یہ عادت نہ چھوڑی تو بدنگاہی کرتے کرتے موت آئے گی یا نہیں؟ مرنا تو ہے، مرو گے لیکن نافرمان مرو گے، نافرمانی میں موت آئے گی، اور جب تک جیو گے حیات تلخ ہوگی، لطفِ زندگی کو ترسو گے اور نظر بچانے سے، دل بچانے سے، گناہ سے بچنے میں جان میں جان آتی ہے، آنکھ بند کرلی اور روح میں تازگی آگئی، قلب میں حلاوتِ ایمانی کھل گئی۔ آنکھ بچاؤ گے تو روح میں طاقت آئے گی۔ اس نیت ہی سے یہ عمل کرلو کہ ہماری روحانی طاقت بڑھ جائے گی۔

ہاں ایک اور بات یاد آئی کہ شیر سب سے زیادہ طاقتور جانور ہے، پورے جنگل کے جانوروں کا مقابلہ اکیلا کرتا ہے۔ جنگلی بھینسا، جنگلی سور، ریچھ

اور گینڈا جتنے خطرناک جانور ہیں حتیٰ کہ ہاتھی بھی اس سے بھاگتا ہے۔اس کی دھاڑ اور گرج کی کیا آواز ہوتی ہے! جب وہ دھاڑ مارتا ہے یعنی گرجتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ زمین ہل گئی اور اس سے چار گنا بڑے جانور دم دبا کر بھاگتے ہیں۔ اس میں اتنی طاقت کیوں آئی؟ اس لیے کہ وہ اپنے شکار کا خون پیتا ہے، ہرن کا پہلے خون پی کر چھوڑ کر چلا جاتا ہے پھر بعد میں آ کر گوشت کھاتا ہے۔اس کی پہلی خوراک شکار کا خون ہے۔آپ بھی نفس کا خون پئیں۔نفس کی خواہشات کا خون پینا آپ بھی اپنی غذا بنالیجئے۔اگر آپ صرف اپنے ارمانوں کا خون پی لیں، خواہشات کا خون پی لیں اور وہ بھی ناجائز خواہشات کا پھر آپ اپنی طاقت دیکھیں گے، اتنی طاقت محسوس کریں گے کہ دنیا کو خاطر میں نہ لائیں گے، اللہ کی راہ میں آپ کی روانی و تیز رفتاری ایسی ہوجائے گی کہ حسینوں سے نظر بچانا ایسا معلوم ہوگا کہ یہ مکھی مچھر ہیں، ان کو کیا دیکھنا اور نفس کا خون نہ پینے والا خواہ تہجد پڑھنے والا ہو، اشراق چاشت واوّابین پڑھنے والا ہو جب جہاز میں بیٹھتا ہے اور ایئر ہوسٹس آتی ہے کہ حاجی صاحب چائے پئیں گے یا ٹھنڈا؟ تو حاجی صاحب للچائی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ارے ہم دونوں ہی پیتے ہیں گرم بھی ٹھنڈا بھی۔اس وقت اس کا چہرہ لعنتی ہوتا ہے۔جو آدمی بدنظری کرتا ہے اس کے چہرہ پر لعنت برستی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا ہے، مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ جو کسی عورت کو دیکھے یا جو اپنے کو دکھائے تو اللہ اس پر لعنت فرمائے۔کیا نبی کی بددعا قبول نہیں ہوگی؟ جب کبھی بدنظری ہو تو اپنا منہ آئینہ میں دیکھ لو کہ لعنت برس رہی ہے یا نہیں اور بخاری شریف کی حدیث ہے زِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ نظربازی، عورتوں کو دیکھنا، امردوں کو دیکھنا یہ آنکھوں کا زنا ہے۔تو آنکھوں کا زنا کرنے والا ولی اللہ کیسے ہوجائے گا۔مگر اسی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک نظر بھی خراب نہیں

کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کا تازہ تازہ خون پیتے ہیں، نفس کی بات نہیں مانتے، اپنے ارمانوں کا، اپنی خواہشات کا خون پیتے ہیں۔ نفس کی بات نہ ماننا یہی اس کا خون پینا ہے۔ جو بدترین دشمن ہوتا ہے اس کا خون پینے کو دل کرتا ہے کہ نہیں؟ اور سب سے بڑا دشمن نفس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ فِیْ جَنْبَیْکَ تمہارے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن تمہارے پہلو میں ہے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو اور ان کی محبت دل میں ہے تو سب سے بڑا دشمن اس کو کیوں نہیں مانتے اور اس کا خون کیوں نہیں پیتے؟ شیر جانور ہو کر خون پینے سے کتنا طاقتور ہو گیا۔ تم انسان ہو کر نفس کا خون پیو یعنی اس کی حرام خواہش پر عمل نہ کرو، پھر دیکھو روح میں کیسی طاقت آتی ہے۔ جو شخص ہزاروں بار نفس کا خون پیئے گا اس میں طاقت نہ آئے گی؟ وہ خود محسوس کرلے گا کہ میرے اندر کتنی طاقت آگئی اور اس کی علامت یہ ہے کہ لاکھ حسین سامنے ہوں وہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ جو اتنا مجاہدہ کرے گا، اتنا غم اٹھائے گا وہ ابدال بن جائے، قطب بن جائے، غوث بن جائے تو کچھ بعید نہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت کا بہت اونچا مقام اس شخص کو ملے گا جو اپنی نظر کو حسین شکلوں سے اور اپنے دل کو گندے خیالوں سے بچائے گا۔

زندگی ایک دفعہ ملی ہے، بار بار نہیں ملے گی، ابھی موقع ہے کہ قلب ونظر کی پاسبانی اور حفاظت کرلو ورنہ مرتے وقت پچھتاؤ گے کہ کیوں بدنگاہی کی تھی، اب تو سب غائب ہوگئے، آنکھیں ہیں لیکن دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ بتاؤ موت کے وقت دیکھنے کی طاقت رہتی ہے؟ آنکھ کی روشنی چھن جاتی ہے تو جب ایک دن ایسا ہونا ہے کہ آنکھ ہوتے ہوئے کچھ نظر نہیں آئے گا تو پھر کیوں دیکھتے ہو۔ ابھی موقع ہے کہ قلب ونظر کی حفاظت کر کے اللہ کو راضی کرلو پھر جب زندگی کا یہ چراغ بجھے گا تو ایک ابدی چراغ روشن ہو جائے گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بادِ تند است و چراغِ ابترے
زو بگیرانم چراغِ دیگرے

موت کی تیز آندھی چل رہی ہے اور زندگی کا چراغ بہت ضعیف ہے لہٰذا نیک اعمال کر کے اپنی روح میں ایک دائمی چراغ اللہ کی محبت کا روشن کرلو جو اس وقت کام آئے گا جب زندگی کا یہ عارضی چراغ بجھ جائے گا۔

اب دعا کرلو کہ اے اللہ! ہم لوگوں کو ہمتِ شیراں عطا فرما، یا اللہ روباہ یعنی لومڑی سب سے بدترین بزدل جانور ہے اس کی خصلتِ روباہی، پست ہمتی، بدعملی سے ہمیں پاک فرما دیجئے، اپنے جملہ احکام میں ہمیں ہمتِ شیرانہ عطا فرما دیجئے، شیروں کی سی ہمت عطا فرمائیے یعنی مردانِ راہِ خدا کی ہمت وحوصلہ عطا فرمائیے کہ ہم ایک لمحہ کے لیے آپ کو ناراض نہ کریں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمِ۔

شب ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۲ نومبر ۲۰۰۲ء
مجلس بعد تراویح ساڑھے نو بجے
بروز جمعہ در برآمدہ مسجد اشرف واقع خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

اسلام کی صداقت کی ایک دلیل

ارشاد فرمایا کہ میرے دوستو! اسلام کی صداقت اور اسلام کی عظمت کی ایک دلیل آج بیان کرتا ہوں کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ کافر اگر بیمار ہوجائے تو اس کو تو بڈھا ہاؤس میں داخل کردیتے ہیں جہاں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، کوئی عزیز واقارب نہیں ہوتے، بے چارے گھٹ گھٹ کے مرجاتے ہیں۔ بعضوں کو مارفیا کا انجکشن لگادیتے ہیں، ڈاکٹروں کو کچھ پیسہ دیا کہ بڑے میاں کو چلتا کرو، خود سے نہیں جاتے تو انہیں چلتا کرو۔ اب اسلام کی سنئے کہ اسلام مریضوں کو کیا کہتا ہے۔ اگر کوئی مریض ہوجائے تو کافر تو اس کو

بالکل کنڈم ناقابلِ ریفریندڑم سمجھتا ہے یعنی کچھ نہیں سمجھتا، حقیر سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حدیثِ قدسی ہے کہ قیامت کے دن میرا سوال ہوگا کہ میں بیمار ہوا تو تم مجھ کو دیکھنے کیوں نہیں آئے؟ بندہ کہے گا کہ اے اللہ آپ تو بیماری سے پاک ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب میرے خاص بندے بیمار ہوئے تھے تو تم دیکھنے کیوں نہیں آئے، وہیں میں بھی تم کو مل جاتا۔ اسلام نے یہ عزت مریضوں کو بخشی۔ مریض کو ساری دنیا کے لوگ حقیر سمجھتے ہیں مگر اسلام نے یہ عزت اور شرف بخشا کہ بیمار آدمی کو کوئی حقیر نہ سمجھنے پائے، جو حقیر سمجھے گا وہ احمق ہے کیونکہ اس کے پاس اللہ ملے گا، اللہ نے فرمایا کہ اگر تم اس مریض کو دیکھنے آتے تو وہیں تو میں بھی تھا، میں اپنے خاص بندوں کے پاس ہوتا ہوں اور اپنی نعمت خاص سے ان کو نوازتا ہوں۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بھئی وہاں اللہ کا قرب ملتا ہے چلو وہیں بیٹھ جائیں، رات دن وہیں بیٹھے رہیں، قرب کو چھوڑنا کہاں جائز ہے؟ خوب دیر تک بیٹھو تو اسلام نے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ دیر تک نہ بیٹھو، تھوڑے سے قرب پر راضی رہو، وہ قرب لے کر چلے آؤ، وہ قرب ہمیشہ رہے گا، فنا نہیں ہوگا، اللہ کا قرب فنا نہیں ہوتا۔ اس لیے تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آؤ کیونکہ اس کو اگر پیشاب پائخانہ لگ گیا تو مریض کیا کرے گا؟ تمہاری رعایت سے بے چارہ بیٹھا رہے گا اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے، عیادت کی سنت ہے کہ ہلکی پھلکی عیادت کرو، زیادہ دیر مریض کے پاس مت بیٹھو۔ پس اسلام نے مریض کو یہ عزت دی کہ اس کے قرب کو اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب بیان کیا کہ میں تمہیں اس مریض کے پاس ملوں گا۔ اب اس کے بعد کوئی مریض کو حقیر سمجھ سکتا ہے؟ جو مریض کو حقیر سمجھے گا تو گویا اللہ کو حقیر سمجھنا لازم آئے گا اس لیے مریض کو محترم سمجھ کر جائے گا اور دعا کرائے گا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے:

﴿ دُعَاءُ الْمَرِيضِ كَدُعَاءِ الْمَلٰئِكَةِ ﴾
(کنز العمال، ج: ۹، ص: ۴۴، دار الکتب العلمیہ)

مریض کی دعا مثل فرشتوں کی دعا کے ہے۔ مریض کی دعا ایسی ہے گویا فرشتے دعا کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مریض کا رُتبہ مثل فرشتوں کے رکھ دیا، مریض کی عظمت بڑھادی کہ جاؤ اس سے دعا کراؤ، اس کی دعا مثل فرشتوں کی دعا کے ہے۔ تو میں نے سمجھا کہ آج تائب صاحب کے دعائیہ اشعار سن کر بعض لوگ ترس کھا کر کہیں رات بھر نہ روئیں کہ ارے اختر بیمار پڑ گیا۔ ارے یہ بیماری سب اللہ کی طرف سے ہے، دعا تو ضرور کرنا چاہیے، دعا پر کوئی اعتراض نہیں مگر مریض کو اللہ کے حکم پر راضی رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو آپ کا حکم ہے میں اس پر راضی ہوں مگر جلدی سے آزمائش کی گھڑی گذار دیجئے، آزمائش کو لمبی نہ کیجئے کیونکہ ہم ناتواں اور کمزور ہیں، زیادہ لمبی آزمائش کو برداشت نہیں کر سکتے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

شب ۱۳؍ ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۳؍ جون ۲۰۰۳ء بروز جمعہ

عشاء کے بعد کی مجلس میں جناب تائب صاحب نے عارف باللہ حضرت مرشدنا ومولانا شاہ محمد اختر صاحب دامت ظلہم العالی کے یہ دردانگیز اشعار جو مدینہ منورہ میں ۱۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کو موزوں ہوئے تھے اپنی پُرسوز آواز میں پڑھے، ساتھ ساتھ حضرتِ اقدس نے جو تشریح فرمائی تو پوری مجلس کیف و درد میں ڈوب گئی اور قلوب اللہ کی محبت سے لبریز ہوگئے، نفع عظیم ہوا۔ قارئینِ کرام کے استفادہ کے لیے اشعار مع تشریح کے پیش ہیں۔

مجلسِ اہلِ دل

بنتی ہے آرزو کے لہو سے شرابِ دل
لیکن بقدرِ ظرف الگ ہے نصابِ دل

ارشاد فرمایا کہ اللہ کی محبت کی شراب حرام آرزوؤں کا خون

کرنے سے بنتی ہے اور اس کا نشہ کبھی نہیں اُترتا۔ دنیوی شراب کا نشہ تو ذرا سی کھٹائی سے اُتر جاتا ہے لیکن اللہ کی محبت کی شراب کا نشہ تلواروں سے بھی نہیں اُترتا لیکن یہ شراب بقدرِ ظرف ملتی ہے۔ ہر ایک کو ایک سی نہیں ملتی، اس کا نصاب ہر دل کے لیے الگ الگ ہے، جو جتنا اپنے دل کو جلاتا ہے، جتنا زیادہ اپنی حرام تمناؤں کا خون کرتا ہے اسی کے بقدر اس کو اللہ کی محبت کا نشہ عطا ہوتا ہے۔

جتنی جس کی قربانی
اتنی خدا کی مہربانی

میرا ہی شعر ہے۔

تجلّی ہر اک دل کی اختؔر الگ ہے
مہربانیاں، جیسی قربانیاں ہیں

وہ خالقِ شبابِ جوانانِ کائنات
دیتا ہے اہلِ دل کو دوامِ شبابِ دل

ارشاد فرمایا کہ شبابِ دل کا دوام جوانی ہے۔ مگر یہ جوانی دائمی طور پر کب حاصل ہوگی؟ جب بندہ اپنے اللہ پر فدا ہوگا۔ اللہ کی محبت میں مر کے تو دیکھو، اللہ زندہ حقیقی ہے، اپنے عاشقوں کو بھی نئی زندگی دیتا ہے۔ اللہ کے عاشق بڈھے ہوجاتے ہیں، ان کی گردن ہل رہی ہوتی ہے، بال سفید ہوجاتے ہیں مگر اللہ پر فدا ہونے کی وجہ سے دل ان کا جوان رہتا ہے، جب بھی اللہ کی محبت کا مضمون بیان کرتے ہیں جوان ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو عشقِ مجازی میں مبتلا ہوکر مرنے والوں پر مرتے ہیں ان کو ہر طرف موت ہی موت نظر آتی ہے، وہ ہر سانس میں مرتے ہیں کیونکہ ان کا معشوق بھی ہر سانس میں مرنے والا ہوتا ہے، ہر سانس میں اس کا حسن زوال پذیر ہے۔ دنیا کا ہر

معشوق ایک نہ ایک دن مر جائے گا، صرف اللہ تعالیٰ زندہ رہیں گے اور ان پر مرنے والے ہر دور میں زندہ رہیں گے یعنی اللہ پر مرنے والا ہمیشہ پُر بہار زندگی گذارتا ہے۔ جب اللہ والے اللہ کی محبت کا مضمون بیان کرتے ہیں تو ان پر ہزاروں زندگیاں قربان ہوجاتی ہیں، جوانانِ کائنات کو اپنی جوانی اس اللہ والے کے شبابِ دل کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔

پاتے ہیں دل میں شوق سے وہ ربّ کائنات
پیتے ہیں خونِ قلب و جگر جب جنابِ دل

ارشاد فرمایا کہ یہاں جناب، عالی جناب کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی جو لوگ اپنے دل کی حرام خواہشوں کو اللہ کی ناراضگی کے خوف سے توڑتے رہتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے تو اللہ کی فرماں برداری کی وجہ سے ایسے اللہ والوں کا دل عالی جناب کہلاتا ہے اور جو لوگ دل کی بری خواہشوں کو پورا کرتے ہیں وہ جناب تو ہیں مگر جنابت سے ہیں، ان کا جناب جنابت سے ہے۔ جنابت کے معنی ناپاک ہونے کے ہیں۔ لفظ ایک ہی ہے مگر اللہ والے عالی جناب ہیں اور اللہ کی نافرمانی کرنے والے جنابت سے جناب ہیں، غسلِ جنابت ان پر واجب ہوجاتا ہے۔

برنس روڈ پر ایک چوراہے پر ایک نوجوان کھڑا تھا، ایک لڑکی بھی کھڑی تھی، بس کو آنے میں دیر ہوگئی، دیکھنے والوں نے بتایا کہ لڑکی کو دیکھتے رہنے کی وجہ سے لڑکے کا پاجامہ خراب ہوگیا، منی نکل گئی۔ یہ ہے جنابت، یہ لوگ جنابت سے ہیں۔ جتنے لوگ اللہ کے نافرمان ہیں واللہ کہتا ہوں کہ ان کو ایک منٹ کا بھی چین نہیں ہے مگر ان کو اس کا احساس نہیں ہے۔ جس طرح آپریشن کرنے سے پہلے انجکشن لگا کر بے ہوش کردیا جاتا ہے اسی طرح شیطان بھی اپنے عاشقوں کا

آپریشن کرتا ہے، حرام لذت کے نشہ سے بے ہوش کردیتا ہے۔ شیطان کے پاس حرام لذت کے نشہ کا انجکشن ہے اور اللہ والوں کے پاس حلال لذت ہے، اللہ والے بھی بے ہوش کرتے ہیں مگر اس کے بعد ایسا ہوش آتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے باہوش ہو جاتے ہیں اور ان کے کیف ومستی میں ذرا سی کمی نہیں آتی۔ شیطان حرام نشہ پلاتا ہے جس کا اثر تھوڑی دیر رہتا ہے پھر اس کے بعد زندگی بھر ہائے ہائے کرتے رہتے ہیں۔ جتنے بھی مردہ لاشوں پر عاشق ہیں سب کی زندگی مستقل پریشانی میں ہے، چاہو تو ان کے سر پر قرآن رکھ کر پوچھ لو۔

جو لوگ خانقاہ میں آنے کی برکت سے گناہ چھوڑ چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب زندگی تو ہمیں اب ملی ہے، اب معلوم ہوا ہے کہ زندہ رہنا کیا چیز ہے۔ گنہگاروں کی زندگی، گو مُوت کی نالیوں میں گھسنے کا شوق رکھنے والوں کی زندگی بھلا کیسے پُر بہار اور پاکیزہ ہوسکتی ہے۔ پاکیزہ زندگی تو پاک لوگوں کو ملتی ہے۔ اے ناپاکی کے راستوں میں گھسنے والو! تم کو کہاں سے پاک زندگی مل سکتی ہے؟ تم فعل تو ناپاک کررہے ہو تو زندگی بھی ناپاک ہی ملے گی، ناپاک فعل سے تمہاری زندگی بھی ناپاک ہو جائے گی۔

کس درجہ ہے گناہ میں اُف تلخیِ حیات
عشقِ مجاز سے جو ہوئے ہیں خرابِ دل

ارشاد فرمایا کہ تلخ حیات یعنی کڑوی زندگی۔ جو لوگ اللہ کو ناراض کررہے ہوتے ہیں ان کی حیات کڑوی کیوں ہوتی ہے؟ کیونکہ یہ خالقِ حیات کو ناراض کرتے ہیں۔ ان کی انتہائی درجہ کی بے وقوفی اور گدھا پن ہے کہ جو اللہ حیات دے رہا ہے اس کو ناراض کررہے ہیں تو کیا ایسوں کی حیات تلخ نہیں ہوگی؟ خالقِ حیات کو ناراض کرنے والا کیسے چین پا سکتا ہے، ساری

زندگی عذاب میں مبتلا رہے گا۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ حسینوں سے بچنے کا غم جھیل لو، خالقِ حیات تمہیں خوشیوں سے مالا مال کردے گا کیونکہ خوشی کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور غم کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، وہ غیر فانی خوشیوں سے تمہارے قلب کو لبریز کردے گا۔

سن لو کمالِ عاشقاں اخترؔ کی زباں سے
کرتے ہیں پیش بزمِ وفا میں کبابِ دل

ارشاد فرمایا کہ اللہ والے اپنے سینہ میں جلا بُھنا دل رکھتے ہیں، اپنے دل کو عشقِ الٰہی کی آگ میں جلا بھنا کر اپنے دل کا کباب پیش کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کی باتوں میں وہ اثر ہوتا ہے کہ جو اُن کی بات سن لے وہ بھی تڑپ اُٹھتا ہے۔ اللہ کا ولی جو اللہ کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے، جلا بھنا دل رکھتا ہے، جلے بھنے دل کا کباب احباب کو پیش کرتا ہے، ایسا ولی جب بولتا ہے تو اس کی ایک منٹ کی بات دوسروں کی ایک گھنٹہ کی تقریر سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔ بس ہمت کرو دوستو! یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی، زندگی ایک دفعہ ملی ہے اس کو اللہ کے راستہ میں استعمال کرلو، اسی زندگی میں اپنے دل کو جلا بُھنا کباب بنالو تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے دل کا جلا بُھنا کباب پیش کرسکو اور اللہ سے غیر فانی انعام لے سکو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل بنانے کی ایسی فیکٹری کہاں ملے گی؟ تو سُن لیجئے کہ دل بنانے کی وہ فیکٹریاں خانقاہیں ہیں اور یہاں دل بنانے کی کوئی فیس بھی نہیں لی جاتی، یہاں دنیا کی کسی بھی قسم کی طلب کا اشارہ کنایہ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کے فضل سے کھانے پینے کو بہت کچھ ہے، کوئی نہ دے تو بھی کوئی پرواہ نہیں، بھوکوں مرنے سے اللہ نے بچایا ہے، اللہ کا جو بندہ اس کے دین کا کام کرتا

ہے تو اللہ اس کے رزق کا بندوبست غیب سے فرما دیتے ہیں۔

بس دل بنانے والے میں یعنی دل کی اصلاح کرنے والے میں اخلاص ہو، اس نے محض اللہ کے لیے دل بنانے کا ذمہ لیا ہو اور دل کا بنانا کیا ہے؟ دل بنانے کا مطلب اپنی خواہشاتِ حرام کا خون کرنا ہے اور نیک اور صالح اعمال کرنا ہے اور ان اچھے کاموں کے کرنے پر اللہ تعالیٰ انعام سے بھی نوازتے ہیں اور اگر حرام خوشیوں سے فائدہ اُٹھا لیا اور اللہ کو ناراض کر دیا تو خوب کان کھول کر سُن لو کہ سر پر جوتے پڑیں گے اور گالیاں سننے کو ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دونوں جہان میں اپنی ناخوشیوں سے بچائے، دونوں جہان میں ہم سے راضی ہو جائے اور ہمیں حیاتِ تقویٰ اور حیاتِ صالحہ عطا فرمائے، (آمین)۔

۲۶؍رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۲؍نومبر ۲۰۰۳ء بروز ہفتہ
درخانقاہ مرشدی دامت برکاتہم، گلشن اقبال نمبر۲، کراچی

وجد و حال کی حقیقت

مرتبہ: مولانا عبدالمتین صاحب دامت برکاتہم

حضرت والا عارف باللہ مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے مُجاز ایک عالم نے عرض کیا کہ میرے دادا بہت بڑے صاحبِ حال بزرگ تھے۔ ان کے مریدین بھی ذکر کرتے تھے، کانٹے دار درختوں پر چڑھ جاتے تھے، تالاب میں کود جاتے تھے۔ وہ بزرگ خود بھی ذکر کرتے کرتے کانٹے دار جھاڑی میں گھس جاتے تھے۔

اس پر حضرت قطب عالم مرشدی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ روایات کو بیان کرنے میں سخت محتاط رہو۔ جب تک اتنا یقین نہ ہو جائے کہ اس روایت کی صحت پر قسم اُٹھا سکو، اس وقت تک روایات بیان نہ کیا کرو۔ بیان کرنا

کیا ضروری ہے خصوصاً ایسی روایات جس سے کہ صراطِ مستقیم کو نقصان پہنچے ہرگز بیان نہیں کرنا چاہیے۔ صراطِ مستقیم اتباعِ سنت، اتباعِ شریعت ہے۔ سنت سے یہ سب باتیں کہاں ثابت ہیں کہ درختوں پر چڑھ جانا، پانی میں کود جانا، بانس پر چڑھ جانا، ذکر کرتے ہوئے بانس لے کر لوگوں کو دوڑانا اور پیٹنا۔ کافر ایسی باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے کہ اسلام کی ایسی ہی تعلیم ہے؟ ایسی روایات کے بیان سے تو اسلام کی توہین ہوگی۔

بس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین کو زندہ کر دیا۔ فرمایا کہ طریقت نام ہے اتباعِ شریعت کا۔ شریعت کے دو جز ہیں (۱) شریعتِ ظاہری (۲) شریعتِ باطنی۔ اور اس بندہ نے ایک تعریف یہ کی کہ شریعت نام ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کا اور طریقت کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو محبت سے ادا کرنا اور یہ محبت بھی مطلوب ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے آیت وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ میں دی کہ جو لوگ مجھ پر ایمان لائے ہیں وہ میری محبت میں اشد ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگ کر اُمت کو تعلیم دے دی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ اشد محبت مانگو:

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَ اَھْلِیْ وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ﴾

(سنن ترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج:۲، ص:۱۸۷)

اے اللہ! اپنی محبت مجھے میری جان سے زیادہ، میرے اہل وعیال سے زیادہ اور شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب کر دیجئے۔ جس پر ایسی محبت غالب ہو جائے گی وہ احکامِ اسلام کو کس محبت سے ادا کرے گا بس اسی کا نام طریقت ہے، اسی کا نام تصوف ہے، اسی کا نام سلوک ہے جس کو حدیثِ پاک میں احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

احسان کیا ہے؟

﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ﴾

(صحیح البخاری، کتابُ الایمان، باب سؤال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام، ج: ۱، ص: ۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری (ج: ۱، ص: ۱۲۰) پر تحریر فرمایا ہے اَنْ یَّغْلِبَ عَلَیْہِ مُشَاھَدَۃُ الْحَقِّ بِقَلْبِہٖ حَتّٰی کَاَنَّہٗ یَرَاہُ بِعَیْنِہٖ یعنی عظمتِ الٰہیہ ایسی غالب ہو جائے کہ گویا بندہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ میں غلامی کی جو شان مذکور ہے جب یہ نصیب ہو جاتی ہے تو بندہ کا اسلام بھی حسین ہو جاتا ہے، ایمان بھی حسین ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی یہ حالت صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تک محدود نہیں رہتی اس کی زندگی کی ہر سانس اور ہر حرکت و سکون میں اس کو یہ استحضار رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں پس اسلام و ایمان کی روح احسان ہے۔ اور یہی تصوف وسلوک ہے اور یہی مطلوب ہے نہ کہ مغلوب الحال ہو جانا۔ صاحبِ حال معذور ہوتا ہے۔ بعض بزرگ معذور ہوتے ہیں لیکن معذور ہونے کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ ماجور بھی ہوتے ہیں۔ اجر تو اتباعِ سنت پر ملتا ہے۔ معذور قابلِ چشم پوشی ہے۔ یعنی صرف اتنی بات ہے کہ ان پر گرفت نہ ہوگی۔

آگے فرمایا کہ اپنے دادا کو کیوں پیش کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پیش کرو۔ آپ کو اپنے دادا زیادہ عزیز ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عزیز ہیں۔ عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عزیز ہیں۔ فرمایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بیان کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں پھیلاؤ۔ کیوں اپنے معذور دادا کی باتوں کو پیش کرتے ہو، ایسی باتوں کو پھیلانے سے بدعات پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ کہیں لوگ اسے یہ نہ سمجھنے لگیں کہ یہی دین ہے یا یہی سلوک و

تصوف ہے۔ جو اصل دین ہے یعنی اتباعِ سنت و شریعت اس کو تابع سمجھنے لگیں اور حال کو اصل دین سمجھنے لگیں۔ کسی صحیح بات کو پیش کرنے سے بھی اگر دین کو نقصان پہنچے تو اس کو بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ مکاشفات اور حالات سے زیادہ شریعت کو بیان کرو۔ اگر ایسے حالات کے بیان سے اعتقاد خراب ہو گیا کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا تو لوگ مبتلائے بدعات ہو کر گمراہ ہو جائیں گے۔

درختوں پر چڑھ جانا یا پانی میں کود جانا یہ کوئی کمالات ہیں؟ کمال تو اتباعِ سنت و شریعت ہے اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ اَلْفِ کَرَامَۃٍ۔ استقامت ایک ہزار کرامت سے افضل ہے۔ ان چیزوں میں کیا رکھا ہے۔ کیا کمال ہے اس میں؟ کبھی غلبۂ حالات کا سبب ضعفِ طبیعت ہوتا ہے۔ ایسے حالات کو سن کر بعض لوگوں نے حالات ہی کو کمال اور بزرگی سمجھ لیا ہے اور شریعت کو اس کے تابع اور کم درجہ سمجھ لیا ہے۔ جب ہی تو آپ کے علاقہ میں یہی باتیں زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگ اس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور اس کو بزرگی سمجھتے ہیں۔ ایسے علاقہ میں ایسی باتیں جب بیان ہوں تو خود بالکل خاموش رہو، اس میں حصہ نہ لو، ممکن ہو تو بالکل بند کر دو اور اس پر پابندی لگا دو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، خیر القرون میں یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے زمانہ میں جو دین تھا وہی دینِ کامل ہے۔ ورنہ اعتراض پیدا ہوگا کہ حق تعالیٰ تو فرماتے ہیں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ یعنی ہم نے دین کو کامل کر دیا اور دین کی تکمیل بعد میں آ کر مثلاً خواجہ اجمیری یا تبلیغی جماعت سے یا اور کسی ذریعہ سے ہو! ایسا عقیدہ رکھنا کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ ان حضرات سے دین پھیلا ہے، دین کا پھیلنا اور ہے کامل ہونا اور ہے۔ اصل دین تو قرآن و سنت ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابَ اللہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ ہر چیز کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھو۔ قرآن وسنت میں کہیں ہے کہ ذکر کرتے کرتے درخت پر چڑھ جاؤ یا پانی میں کود جاؤ۔ اسی طرح قوالی میں جو ڈھول طبلہ بجاتے ہیں یہ قرآن وسنت سے ثابت ہے؟ اگر یہ دین ہے تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین میں بخیل تھے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سب کیوں نہیں کیا۔

اس لیے دین کو تمام اَلا بلا سے، بدعات سے پاک رکھنا ضروری ہے تا کہ کوئی چیز دین کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ کسی کا حال اگر محمود بھی ہو اور اس کو بیان کرنے سے دین کو نقصان پہنچتا ہو تو اس کو بیان کرنا لِغَیْرِہٖ ناجائز ہے گو فِیْ نَفْسِہٖ جائز تھا۔ صاحبِ حال معذور ہے۔ ہر معذور کو مکشوف کرنا کہاں جائز ہے؟ مثلاً کسی کو بواسیر ہو تو وہ معذور ہے۔ لیکن کیا اس کو کوئی بیان کرتا ہے کہ میرے پاخانہ کے مقام میں بواسیر ہے، ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ بواسیر سے تو لوگوں کو طبعی نفرت ہے۔ لیکن حال کی طرف لوگوں کو طبعی رغبت ہے اس لیے حال ہی کو اصل دین سمجھ لیتے ہیں اور اصل دین یعنی سنت وشریعت سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ بعضے صوفیا سے اجتہادی خطا ہو گئی جس کی وجہ سے انہوں نے حالات کے اخفاء میں مبالغہ نہیں کیا اسی اجتہادی خطا سے رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو گئیں۔

شریعت اور طریقت کے درمیان فرق کرنے والا زندیق ہے، ملحد ہے، گمراہ ہے۔ شریعت احکام کا نام ہے اور طریقت ان احکام وعبادات میں محبت کی چاشنی ملانے کا نام ہے۔ صرف عبادت کرنا شریعت ہے اور اس میں محبت کی آمیزش کرنا طریقت ہے جیسے سجدہ میں سر رکھ دینا شریعت ہے اور دل رکھنا طریقت ہے۔ سجدہ کرنا شریعت ہے اور سر کے ساتھ دل کو بھی سجدہ کرانا

طریقت ہے۔

مغلوب الحال واجب الاتباع نہیں ہوتا۔ اس معذور بزرگ کا حال سنانے سے کتنے لوگ گمراہ ہوگئے ہوں گے (اگر حال کو اصل اور دین کو تابع سمجھ لیا)۔ شریعت کامل ہوتی ہے طریقت سے مثلاً سجدہ میں سر تو رکھ دیا، لیکن دل کہیں اور ہے تو ابھی کمالِ شریعت حاصل نہیں ہوا۔ اگر دل بھی رکھ دیا تو اب شریعت کامل ہے۔ معلوم ہوا کہ احکامِ شریعت کو محبت کے ساتھ ادا کرنے کا نام طریقت ہے جو روح ہے شریعت کی اس لیے شریعت وطریقت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس سے بھی اونچی ایک چیز ہے یعنی سجدہ میں سر بھی رکھ دو اور روح بھی رکھ دو۔ اگر روح نکل جائے تو کوئی سجدہ کر سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ روح بھی سجدہ کرتی ہے۔ اس پر عمل کر کے دیکھو، بہت مزہ آئے گا۔ سجدہ کرو تو سمجھو کہ ہماری روح بھی سجدہ کر رہی ہے، رکوع کرو تو سمجھو کہ ہماری روح بھی راکع ہے، قیام میں ہماری روح بھی قیام کر رہی ہے۔ ایسے ہی ہماری روح بھی قعدہ میں ہے۔ سجدہ میں جب ہماری زبان سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتی ہے تو ہماری روح بھی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتی ہے، جب زبان رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتی ہے تو ہماری روح بھی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتی ہے، جب ہماری زبان التحیات پڑھتی ہے تو ہماری روح بھی حضورِ حق میں التحیات پیش کرتی ہے۔ فرمایا کہ دراصل روح ہی تو کہتی ہے زبان واعضاء تو اس کے تابع ہوتے ہیں۔ جب روحانیت غالب ہو جائے گی تب ان باتوں کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ ایک تو یہ ہے کہ صرف کمر کو جھکا لیا اور ایک یہ ہے کہ سمجھے کہ میری روح بھی جھکی ہوئی ہے۔ عرض کیا کہ حضرت مثنوی کا جو شعر ہے ؎

مکن عیب درویش غلطاں و مست

کہ مست اندازاں می زنند پا و دست

بعض اہلِ حال اس سے استدلال کرتے ہیں۔ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہاتھ پاؤں مارنا ہی دلیل ہے کہ ابھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اگر کامیاب ہوتے تو ہاتھ پاؤں نہ مارتے۔ ابھی غلطاں وپیچاں ہیں۔ جب منزل تک پہنچ جائیں گے تب سکون ہو جائے گا (یعنی ابھی غیر سکونی حالت میں ہیں۔)

احقر نے عرض کیا حضرت! ہر وقت تڑپتا رہتا ہوں کہ ایمانِ کامل حاصل ہو، اعلیٰ درجہ کا سجدہ، اعلیٰ درجہ کی بندگی وزندگی حاصل ہو، اکمل درجہ کا درد حاصل ہو۔ یہ بھیک عنایت فرما دیجیے۔ اس پر مسکرا کر ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا، لے۔ احقر نے حضرت والا کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ملا دیا۔ فرمایا کہ دے دیا سب۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا سوائے اللہ کے کوئی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی دے سکتا تو نبی دے سکتے تھے لیکن وہاں تو صاف فرما دیا کہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ جب نبی پر اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ داخل ہے تو اور کون ہو سکتا ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہدایت ہو۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک شیخ نے مرید سے کہا، لے بھیک! اس پر اس کو نسبت عطا ہو گئی۔ حضرت والا نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے البتہ کسی پر اس کا ظہور ہو سکتا ہے لیکن ظہور بھی مَشِیَّتِ الٰہیہ کے تابع ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ خواجہ باقی باللہ کا واقعہ ہے فرمایا یہ تو شاذ ونادر ہے وَالشَّاذُ کَالْمَعْدُوْم لیکن وہاں بھی مَشِیَّتِ الٰہیہ ہی کا ظہور ہوا ہے۔ ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، کسی مخلوق کے ہاتھ میں نہیں، ہاں کوئی وسیلہ بن سکتا ہے لیکن جب نبی ہدایت نہیں دے سکتا تو کوئی اور بھی نہیں دے سکتا، سبب بن سکتا ہے۔ پھر کیفیتِ گریہ کے ساتھ فرمایا۔

کارِ زُلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

آہوئے چیں یعنی چین کے ہرن جس کے نافہ میں مشک ہوتا ہے، پیدا تو اللہ ہی کرتے ہیں، ہرن کو وسیلہ بنایا۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ آپ نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ تقریر فرمارہے تھے اور اُن کی آنکھیں لال لال تھیں اور مسلسل آپ کی طرف دیکھ رہے تھے جبکہ آپ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات نوٹ فرمارہے تھے تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ میں سمجھ گیا کہ بڑے میاں آج کچھ دے رہے ہیں۔ یہ بات سُن کر حضرت والا دیر تک مسکراتے رہے (جس کا منشاء یہ معلوم ہوا کہ جواب اوپر دیا جاچکا ہے کہ سب مشیّتِ الٰہیہ کا ظہور ہے۔)

پھر فرمایا کہ جب میں حضرت پھولپوری کے ہاں تھا تو میں نے خواب دیکھا کہ میرے پیٹ میں بچہ پیدا ہوگیا اور میں بحری جہاز سے حج کے لیے جارہا ہوں اور ڈر رہا ہوں کہ کہیں راستہ ہی میں بچہ نہ ہوجائے۔ بعد میں حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خواب سنایا تو حضرت والا نے فرمایا نسبتِ متعدیہ کی بشارت ہے۔ فرمایا خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ میرے سامنے دائیں طرف حضرت پھولپوری اور بائیں طرف حضرت شاہ ابرارالحق صاحب ہیں۔ حضرت پھولپوری شاہ ابرارالحق صاحب سے میرے بارے میں فرمارہے ہیں کہ آپ ان کو خلافت دے دینا۔

یکم شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۶ نومبر ۲۰۰۳ء بروز بدھ

تصوف کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ تصوف نام ہے اپنے دل کو توڑ دینا اور اللہ کے قانون کو نہ توڑنا۔ جو ظالم اپنا دل نہ توڑے اور اللہ کا قانون توڑ دے وہ صوفی نہیں مردود ہے، خبیث ہے، جو برے سے برا لقب اس کو دیا جائے کم ہے۔ تصوف کے معنی یہ ہیں کہ ماضی اور مستقبل کی فکر نہ کرنا، اپنے حال کو درست رکھنا کہ کسی گناہ میں

ایک سانس نہ گذرے، ماضی کی توبہ سے تلافی اور مستقبل کو دعا سے تابناک کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے نامِ مبارک کی عجیب الہامی تشریح

یہ تشریح حضرت مرشدی مدظلہ العالی نے ۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۷؍ جون ۲۰۰۴ء اتوار کے دن خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی میں صبح کی مجلس میں فرمائی۔ جامع

ارشاد فرمایا کہ اللہ کا نام غور سے دیکھو اور دل میں جذب کرلو۔ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ بہت خوبصورت لکھا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ اس کو محبت سے دیکھا کرو اور فرمایا کہ ایک کافر اپنے بت کو محبت سے دیکھا کرتا تھا۔ جب مر گیا تو اس کے دل کا پوسٹ مارٹم ہوا تو دل کے اندر اس بت کی تصویر تھی۔ جب بت کو محبت سے دیکھنے سے اس کی تصویر کافر کے دل میں اتر سکتی ہے تو جب ہم اپنے اللہ کا نام محبت سے دیکھتے رہیں گے تو یہ نامِ مبارک دل پر کیوں نقش نہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اللہ کا نام سونے کے پانی یا چاندی کے پانی سے خوب عمدہ لکھا ہوا اپنے کمروں میں لگالو اور محبت سے دیکھا کرو۔ کیا عجب ہے کہ اللہ کی رحمت سے ان کا نام دل میں اتر جائے اور قبر میں جب منکر نکیر آئیں تو کہیں کہ بھئی اس کے دل میں تو اللہ لکھا ہوا ہے۔ اس سے کیا سوال جواب کریں۔ اب اللہ کے نام کی تشریح کرتا ہوں جو اللہ نے میرے دل کو عطا فرمائی اور شاید یہ آپ مجھ ہی سے سنیں گے۔

دیکھو! اللہ کے نام کا پہلا الف اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان کا جھنڈا ہے جیسے بادشاہوں کے محل اور پریذیڈنٹ ہاؤس کا جھنڈا ہوتا ہے۔ اللہ سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس کی عظمت کا جھنڈا بھی عظیم الشان ہے۔ اس کے بعد بڑا تاج ہے۔ دنیا کے بادشاہ تو کہیں سے تاج منگا کر پہنتے ہیں مگر اللہ کا نام خود تاج ہے جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات میں شاہ ہے، اس کی شاہی

دوسروں کی محتاج نہیں۔

شاہ آں باشد کہ از خود شہہ شود
نے زلشکر نے ز دولت شہہ شود

حقیقی شاہ وہ ہے جو اپنی ذات سے شاہ ہو۔ جو فوج اور دولت کی وجہ سے شاہ ہو وہ شاہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ لہٰذا دنیاوی بادشاہ، شاہ کہلانے کے مستحق نہیں۔ حقیقی شاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اللہ کے نام کے بڑے تاج پر جو تشدید ہے وہ بھی تاج ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ تمام بادشاہوں کا بادشاہ اللہ ہے۔ دنیا میں بادشاہوں کو اللہ ہی تو بادشاہت دیتا ہے، پھر جب چاہتا ہے تخت سے اُتار دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کے سامنے سب بادشاہ چھوٹے ہیں، بے حقیقت ہیں۔ پھر تشدید پر ایک الف بھی ہے۔ اور الف کو چاہے جتنا کھینچو، آسمان تک لے جاؤ بلکہ ساتوں آسمان اور عرش وکرسی سے بھی اوپر لے جاؤ تو بھی الف ہی رہے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بڑائی کی کوئی حد، کوئی انتہا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ غیر متناہی بڑا ہے۔ لیکن اس بڑائی کے باوجود اللہ نے اپنے بندوں کی آہ کو اپنے اندر رکھا ہوا ہے، آہ کہو اور اللہ کہو تو آہ میں اور اللہ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ اللہ کھینچ کر کہو تو ہماری آہ بھی اس میں شامل ہے یعنی اپنے بندوں کی آہ کو اپنے کلیجے سے لگا رکھا ہے۔ اس کے برعکس جتنے جھوٹے خدا ہیں جیسے فرعون، نمرود، شداد، ہامان کسی کے نام میں ہماری آہ شامل نہیں بس جو ہماری آہ کا خریدار نہیں وہ ہمارا خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ ہمارا اللہ تو ہماری آہ کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اسی لیے مظلوم کی آہ سے ڈرنے کا حکم ہے کیونکہ آہ کو اللہ تک پہنچنے میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں۔ میرا شعر ہے۔

بر درِ رحمت چو دربانے نبود
آہ را در وصل حرمانے نبود

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے پر جب کوئی دربان نہیں تو آہ کو اللہ تک پہنچنے میں کوئی محرومی نہیں ہوسکتی۔

بر درِ آں شاہ چوں درباں نبود
آہ را پس اذن عام آمد نبود

اُس شاہِ حقیقی کے دروازے پر جب کوئی دربان نہیں تو ہر شخص کی آہ کو دربارِ حق کی رسائی کے لیے اِذنِ عام ہے اور دنیا میں جتنے جھوٹے خدائی دعویٰ کرنے والے ہوئے ہیں جیسے فرعون، ہامان، شداد، نمرود کسی نے اپنا نام اللہ نہیں رکھا۔ فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی تو کہا کہ میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں مگر وہ بھی اپنا نام اللہ نہیں رکھ سکا۔ اللہ نے اپنے نام کی تکوینی حفاظت فرمائی کہ کسی باطل خدا کے ذہن میں ہی نہیں آنے دیا کہ وہ اپنا نام اللہ رکھے کیونکہ وہ لاَ مِثْلَ لَہٗ ہے، اس کی واحد ذات ہے جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے یعنی اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جو ازلی بھی ہو اور ابدی بھی ہو۔ جنت بھی ازلی نہیں ہے ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے نہیں تھی پیدا کی گئی اور ہمیشہ رہے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بے مثل ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اللہ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی نہیں تھا، نہ عرش، نہ کرسی، نہ زمین، نہ کوئی اور مخلوق۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اللہ کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور کیوں نہیں سمجھ سکتا؟ اس لیے کہ ہماری عقل محدود ہے اور اللہ غیر محدود ہے تو غیر محدود، عقلِ محدود میں کیسے آسکتا ہے کیونکہ محدود میں جو چیز آئے گی وہ محدود ہوگی لہٰذا جو سمجھ میں آجائے وہ خدا نہیں ہوسکتا اسی کو اکبر الہ آبادی نے کہا ہے۔

عقل جس کو گھیر لے لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

وہ دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
ہم جان گئے بس تیری پہچان یہی ہے

شب ۹ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۴ء بروز ہفتہ

تمنائے گناہ.........ایک مخفی جرم

ارشاد فرمایا کہ گناہ کی تمنا کرنا بھی گناہ ہے کہ کاش جائز ہوتا تو ہم بھی گناہ کرتے۔ یہ تمنا کرنا بھی سرکشی، بے وقوفی اور انتہائی حماقت ہے۔ میرا شعر ہے ؎

تیری مرضی پہ ہر آرزو ہو فدا
اور دل میں بھی اس کی نہ حسرت رہے

انسان کا کمال یہ ہے کہ گناہ سے بچے اس لیے بس گناہ سے بچو، اللہ کو ناراض نہ کرو۔ جو اللہ کو ناراض کرتا ہے اور اس پر نادم بھی نہیں ہوتا معافی بھی نہیں مانگتا وہ بہت ہی بیہودہ آدمی ہے، گدھا ہے، بہت ہی بدمعاش، ناپاک اور روسیاہ ہے کہ بغیر اللہ کے جیتا ہے۔ آہ! بغیر اللہ کے کیسے جیتا ہے۔ جو بغیر اللہ کے جیتا ہے وہ جیتا نہیں کھوتا ہے، یعنی اپنی قیمتی زندگی کو ضائع کرتا ہے جس کی ایک سانس بھی اللہ کی نافرمانی میں گذرے وہ ولی اللہ نہیں بن سکتا ہے۔ اور کھوتا پنجابی میں گدھے کو بھی کہتے ہیں۔

شکر گذار بندہ کون ہے؟

ارشاد فرمایا کہ دیکھو! انسان کھانے پینے پر حریص ہوتا ہے۔ ہر انسان مراد ہے کوئی خاص انسان مراد نہیں کھانا سامنے ہو تو جو ڈش سب سے عمدہ ہوتی ہے انسان اسی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ کباب، بریانی، قورمہ، ٹھنڈا پانی، آئس کریم، چائے ہر نعمت پر لمبا ہاتھ مارتا ہے کہ دستر خوان پر کوئی ڈش

چھوٹنے نہ پائے۔ نعمتوں پر تو اتنا حریص لیکن نعمت دینے والے کا کیا حق ہے؟ جس اللہ کی دی ہوئی نعمتیں کھاتے ہو جس اللہ کی نعمتوں پر حریص ہو اسی کی نافرمانی کرتے ہو؟ نافرمانی کے وقت میں یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ میں کس کا بندہ ہوں؟ جب شہوت کا بھوت سوار ہوتا ہے تو اپنے اللہ کی مالکیت اور اپنی بندگی و غلامی سب بھول جاتے ہو، اللہ کو یاد بھی نہیں رکھتے۔ گناہ میں ایسے غرق ہوتے ہو کہ اللہ یاد بھی نہیں آتا۔ کتنی بڑی ناشکری، نالائقی اور گدھا پن ہے کہ گناہوں میں ایسے غرق ہوئے کہ اللہ کو یاد بھی نہیں کیا کہ ہم کس کے بندے ہیں؟ اگر اللہ طاقت کھینچ لے، فالج گرادے تو کوئی گناہ کر سکتے ہو؟ تو جس اللہ نے ہی طاقت دی، صحت دی اس کو گناہوں میں کیوں خرچ کرتے ہو؟ جب بیمار ہو جاتے ہو اور گردے خراب ہو جاتے ہیں تو سب سے دعا کراتے ہو کہ بھائی دعا کرو میں ٹھیک ہو جاؤں اور جب اللہ عافیت دیتا ہے تو گناہ کرتے ہو۔ اس لیے شکر گزار بندہ وہ ہے جو تقویٰ سے رہتا ہے جو اللہ کو ناراض نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ حقیقی شکر تقویٰ ہے اور تقویٰ کی حقیقت ہے نافرمانی نہ کرنا، اگر اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنا چاہتے ہو تو اللہ کی نافرمانی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرنا۔ یہ اصلی تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

(سورۃ ال عمران اٰیۃ: ۱۲۳)

صحابہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ ہم نے بدر میں تمہاری مدد کی جبکہ تم کمزور تھے پس تم اللہ سے ڈرتے رہو۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تو تم شکر گذار بندے سمجھے جاؤ گے۔ جو گناہ نہیں کرتا وہ اصلی شکر کرنے والا ہے اور جو یہ کہے کہ یا اللہ تیرا شکر ہے، یا اللہ تیرا شکر ہے لیکن گناہ پر جری ہے، نافرمانی کرتا ہے، جس گناہ کو دل چاہا کر لیا تو یہ شکر گذار نہیں ہے، گناہ چھوڑنے والا شکر گذار ہے، میں کہتا

ہوں کہ غیرت کرو، کچھ شرم وحیاء کرو، نعمتیں اللہ کی کھاتے ہو، اس کے دستر خوان پر حریص رہتے ہو، پلاؤ بریانی کباب شامی کھلانے والے اللہ کی نافرمانی پر تم ڈھیٹ اور جری ہوتے ہو۔ اگر اللہ عذاب بھیج دے تو ساری پہلوانی نکل جائے۔ اگر گردہ میں درد ہو اور گردہ میں پتھری پڑ جائے اور پیشاب نہ اُترے تو ہائے ہائے چلاتے ہو، اُس وقت خدا یاد آتا ہے۔ آہ! ہم کیسے نالائق ہیں کہ خدا اُس وقت ہم کو یاد آتا ہے جب مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں اور جب اللہ عافیت سے رکھے تو ہم کو خدا یاد بھی نہیں آتا۔ اس لیے عافیت میں خدا کو یاد کرو، جب آرام سے رہو تب خدا کو یاد کرو، تکلیف میں یاد کرنا اور عافیت میں بھول جانا اور گناہوں پر جری ہو جانا سخت نالائقی اور محروم القسمت ہونے کی بات ہے۔ یہ اتنا بدبخت ہے کہ اس کو آرام کی قدر نہیں ہے، جہاں ذرا سا آرام اور عافیت ملی بس گناہوں کو تلاش کرنے میں لگ گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کی اصلی غذا اللہ کی نافرمانی ہے کہ جب ذرا آرام میں ہوا تو نافرمانی کے وسائل اور ذرائع ڈھونڈتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے اور ایک لمحہ کی ناراضگی سے بچائے اور اصلی شکر گذار بندہ بنائے۔

۹ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء بروز اتوار
قبیل مغرب درحجرہ مبارک حضرت والا خانقاہ گلشن اقبال

کلمہ میں لاَ اِلٰہَ کی تقدیم کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ لاَ اِلٰہَ کو اِلاَّ اللہ پر مقدم کیا ہے۔ کلمہ کی بنیاد لاَ اِلٰـہَ پر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ لاَ اِلٰـہَ کو دل سے نکالو تب اِلاَّ اللہ ملے گا۔ ساری محنت اسی پر ہے کہ لاَ اِلٰہَ سے حسین شکلوں، حسین صورتوں سے جو نجات پا جائے گا تو اس کے بعد بس اللہ ہی اللہ ہے۔ لاَ اِلٰـہَ کو نکال دو تو سارا عالم اِلاَّ اللہ

سے بھرا ہوا ہے۔ یہ حسین شکلیں، حسین لڑکے اور حسین لڑکیاں جو مرنے سڑنے والی ہیں ہمارے ایمان کو تباہ کیے ہوئے ہیں۔ میرا شعر ہے؎

میر کا معشوق جب بڈھا ہوا
بھاگ نکلے میر بڈھے حسن سے

دیکھو! کلمہ میں لاَ اِلٰہَ پہلے ہے، جس دن لاَ اِلٰہَ نصیب ہوگیا، جس دن غیر اللہ سے نجات مل گئی، صورت پرستی سے نجات مل گئی اسی دن اللہ مل جائے گا۔ دیکھو یہ غیر اللہ فانی ہے زندگی ہی میں فانی ہے، ایک تو مرنے کے بعد فانی ہوتا ہے لیکن غیر اللہ تو ایسے ہیں جو زندگی ہی میں فانی ہیں، جو آج حسین لڑکا ہے یہ جب پچاس ساٹھ سال کا بڈھا ہو جائے گا پھر تم اس سے کہو گے کہ ہم تمہارے اوپر بچپن میں عاشق تھے؟ اگر یہ کہو گے تو وہ جوتے لگائے گا تو جو عشق جوتا کھلائے اس کی وجہ سے آدمی اللہ کو کیوں بھولے۔ جوتے کھانے کا کام کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ یہ میں ہنسی مذاق نہیں کر رہا ہوں لاَ اِلٰـــہَ کی تکمیل کر رہا ہوں۔ یہ لاَ اِلٰـــہَ کی تکمیل ہے، میری آہِ دل ہے، میرا خونِ جگر ہے جو برسا رہا ہوں۔ یہ اشعار میرے شاگرد مجلس میں پڑھتے ہیں یہ اشعار نہیں ہیں، آہِ دل ہے۔ میری آہ کی قدر کرنے والو، میری آہ کو رائگاں نہ کرنا، یہ کلمہ کی تکمیل ہے، جس دن لاَ اِلٰہَ نصیب ہوگیا، غیر اللہ سے چھوٹ گئے، عورتوں اور لڑکوں کے عشق سے نجات مل گئی، اسی روز اللہ مل جائے گا۔ لاَ اِلٰـــہَ میں اللہ داخل ہے۔ بس لاَ اِلٰہَ کے بعد پھر اللہ ہی اللہ ہے۔ جس دن غیر اللہ سے یعنی لڑکوں کے عشق سے اور لڑکیوں کے عشق سے نجات پا گئے اسی دن اللہ کو پا جاؤ گے۔ یہ مٹیاں ہیں جن کو امتحان کے لیے اللہ نے رنگین کر دیا ہے، نقش و نگار بنا دیئے ہیں، نقش و نگار سے دھوکہ مت کھاؤ۔ یہ سب مٹی ہیں، مٹی کے لڑکے، مٹی کی لڑکیاں سب مٹی ہونے والی ہیں۔ اپنی مٹی کو مٹی پر مٹی مت کرو۔ میرا شعر ہے؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

عقل سے کام لو جس کو آج پا کو لا مرنڈا پلا رہے ہیں جن پر آج جان و دل سے فدا ہو رہے ہیں جب ان کا حسن زائل ہو جائے گا تو ان لڑکیوں اور لڑکوں سے بھاگیں گے۔ مثلاً جس لڑکے پر عاشق تھا وہ پچاس سال کا ہو گیا تو اب اس سے ملتے ہوئے بھی شرمائیں گے (اگر دیکھیں گے کہ) اس بس پر جا رہا ہے تو اس کو چھوڑ کر دوسری بس پر جائیں گے کہ کہیں آمنا سامنا نہ ہو جائے۔ تو ایسا عشق کیوں کرتے ہو کہ جس میں ذلیل ہونا پڑے۔ بالکل بے وقوف گدھا اور بے عقل ہے وہ شخص جو حسینوں کے حال کو دیکھتا ہے ان کے انجام کو نہیں دیکھتا اور جب بعد انجام کو دیکھتا ہے تو منہ چھپانے کی جگہ نہیں پاتا۔ ایسے ہی لڑکی جو آج جوان ہے لیکن جب چالیس سال کی ہو جائے گی تب اس سے عشق لڑاؤ گے؟ بس سمجھ لو دو قسم کے عشق سے نجات لے لو تو اللہ کو پا جاؤ گے۔ لڑکیوں کے عشق اور لڑکوں کے عشق سے اِدھر نجات حاصل ہوئی اُدھر اللہ ملا۔ اور تاجروں کا معشوق مال ہوتا ہے ان کو حسینوں سے عشق نہیں ہوتا۔ کوئی حسین سے حسین لڑکی آجائے میمن کہتا ہے کہ مال کا نقد پیسہ دو اور دفع ہو جاؤ، دوسرے گاہک کی سیٹ خالی کرو۔ اس کو حسن سے عشق نہیں ہوتا، میمنوں کا معشوق پیسہ ہے کہتا ہے کہ پیسہ آئے اور حسن دفع ہو جائے۔ اس کی دوکان پر چاہے کتنے ہی حسین کھڑے ہوں پیسہ لینے کے بعد سب کو دفع کر دے گا، کہے گا دوسرے گاہک کے لیے جگہ دو۔ میمن بہت ہوشیار ہے وہ جانتا ہے کہ پیسہ ہوگا تو ایک نہیں چار شادی کرلوں گا۔

ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے انہوں نے مجھ سے اپنے پڑھنے کے زمانے کا قصہ بیان کیا کہ جب میں بی اے میں پڑھ رہا تھا تو ایک دفعہ ہم چھٹی پر گھر جا رہے

تھے۔ ریل میں دو چار لڑکے کالج کے اور مل گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ بتاؤ کس کا معشوق باوفا ہے؟ تو سب نے کہا کہ ہمارا معشوق تو انتہائی بے وفا ہے، ہم نے جتنا روپیہ دے کر پٹایا تھا دوسرے سے اس سے زیادہ روپے لے کر مجھ سے ٹکرا گیا اور اس کے ساتھ ہوگیا، مجھ کو دل کے دورے پڑنے لگے اور میں حکیم سے خمیرے لے کر کھانے لگا۔ دوسرے نے کہا میری معشوق کو دوسرا پسند آ گیا غرض سب نے اپنی اپنی معشوقوں کی بے وفائیاں بیان کیں اور پھر ڈاکٹر صاحب کی باری آئی تو ڈاکٹر صاحب نے جو علی گڑھ یونیورسٹی کے طالبِ علم تھے کہا کہ میرا معشوق بڑا باوفا ہے اور وہ پیسہ ہے۔ میں حلال پیسہ محنت سے کماؤں گا اور جب حلال کا پیسہ پاس ہوگا تو جس لڑکی کو انتخاب کروں گا اس سے میری شادی ہوجائے گی، پیسہ دیکھ کر سب اپنی لڑکی دے دیں گے اور آپ لوگ آہ و نالہ کریں گے تو تمہاری آہوں اور آنسوؤں کے عوض کون اپنی لڑکی دے گا۔ پوچھے گا کہ تمہارے پاس میری بیٹی کے لیے روٹی کپڑا اور مکان ہے؟ آپ کہیں گے کہ میرے پاس تو آہیں ہیں اور آنسو ہیں اور نالے ہیں تو وہ کہے گا کہ جائیے آپ کی آہیں اور آپ کے آنسو میری بیٹی کا پیٹ نہیں بھر سکتے، اس کے پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان نہیں مل سکتا۔ جائیے آپ روتے رہیے، دن کو آنسو گرائیے رات کو تارے گنئے۔

غرض تین قسم کے معشوق ہیں۔ لڑکیاں، لڑکے اور مال۔ تینوں معشوقوں سے توبہ کرلو۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مال ہاتھ میں رکھنا جائز، جیب میں رکھنا جائز ہے مگر دل میں رکھنا جائز نہیں۔ دل میں اللہ کو رکھو اسی لیے لاَ اِلٰہَ الا اللہ سکھایا گیا ہے۔

نکالو یا دحسینوں کی دل سے اے مجذوب
خدا کا گھر پئے عشقِ بتاں نہیں ہوتا

ارے ظالم! تو کیا کر رہا ہے، اپنی مٹی کو مٹی پر تباہ کر رہا ہے۔ جب جنازہ اُٹھے گا تب آنکھیں کھل جائیں گی لیکن تب آنکھیں کھولنے سے کیا فائدہ؟ جب قبر میں پٹائی شروع ہو جائے گی، عذاب شروع ہو جائے گا اس لیے جلدی توبہ کر لو لڑکوں کے عشق سے، لڑکیوں کے عشق سے اور مال کے عشق سے۔ مگر مال کا عشق کم ہوتا ہے، کہیں کہیں نظر آتا ہے، زیادہ عشق لڑکوں اور لڑکیوں سے ہوتا ہے لیکن یہ عشق بھی چند روز کا ہوتا ہے۔ لڑکوں کے جب ڈاڑھی مونچھ نکل آئی تو اُس سے بھاگ نکلے، اسی طرح لڑکی بھی جب بڈھی ہوگئی اور چھاتیاں ایک ایک فٹ لٹک گئیں، گال پچک گئے دانت گر گئے تو اب کیا کرو گے؟ پھر عشق لڑاؤ گے؟ فانی محبت میں گرفتار ہونا گدھا پن ہے۔ گدھا نمبرون ہے جو فانی محبت میں اپنی زندگی گنواتا ہے۔ اسی لیے دل سے غیر اللہ کو نکالنے کے لیے بزرگانِ دین اپنے مریدین کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ذکر بتاتے ہیں کہ جب لَا اِلٰہَ کہو تو تصور کرو کہ جتنے باطل خدا ہیں سب میرے دل سے نکل گئے، لڑکیوں کا عشق، لڑکوں کا عشق، مال کا عشق سب دل سے نکل گیا پھر اِلَّا اللہ کہو تو تصور کرو کہ اللہ کا نور دل میں داخل ہو گیا۔ جب لڑکوں کا، لڑکیوں کا، مال کا نشہ نکل گیا تو اب اللہ ہی اللہ ہے جب غیر اللہ نکل گیا تو سارا عالم اللہ کے انوار سے بھرا ہوا ہے، سارے عالم میں اللہ ہی اللہ ہے۔ اسی کو مولانا جلال الدین رومی نے فرمایا۔

گر ز صورت بگذری اے دوستاں
گلستان است گلستان است گلستاں

اے دوستو! اگر صورت کی پرستش اور پوجا سے نجات پا جاؤ یعنی صورت پرستی سے باز آجاؤ تو پھر سارے عالم میں اللہ کے قرب کی بہار ہی بہار ہے۔

لیکن ہم لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کیڑا انگور کھانے پیڑ پر چڑھا لیکن وہ ایک ہرے پتہ کو انگور سمجھ بیٹھا میں یہ مولانا جلال الدین کی مثنوی

کی شرح کرر ہا ہوں کہ وہ کیڑا ایک ہرے پتے کو انگور سمجھا اور ساری زندگی اسی پتے کو چوستا رہا اور اُسی پتے پر اُس کا قبرستان بن گیا اور انگور سے محروم مرگیا۔ اگر یہ نادان پتے سے صرفِ نظر کرکے ذرا اُوپر چلا جاتا ہے تو انگور کو پاجاتا اور ایک دوسرا کیڑا تھا لیکن اُس کا کوئی پیر تھا۔ یہ بھی ہرے پتہ کو انگور سمجھ کر چوسنے لگا تو پیر نے اُس کو گردن سے پکڑ کر اُٹھالیا اور انگور پر لے جا کر رکھ دیا اور جب اُس نے انگور کا رس چوسا تو پیر سے کہا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی

مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں، میں تو ایک ہرے پتے پر زندگی ضائع کر رہا تھا، آپ کا احسان ہے کہ آپ نے انگور تک پہنچادیا۔ ایسے ہی جس کا پیر اللہ والا متبع سنت وشریعت ہوتا ہے وہ لڑکیوں، لڑکوں اور مال کے ہرے پتوں سے اپنے مریدین کو بچا کر واصل باللہ کر دیتا ہے، اللہ تک پہنچاتا ہے، اور لذتِ قربِ خدا پاکر وہ مست ہوجاتے ہیں اور اسی لیے مریدین اپنے پیر پر فدا ہوتے ہیں۔

لیکن لڑکیوں ،لڑکوں اور مال کا نشہ آسانی سے نہیں نکلتا۔ اللہ والا شیخ ہی اُن سے چھڑاتا ہے۔ وہی بتاتا ہے کہ دیکھو ہگنے موتنے کی جگہیں کوئی عشق کے قابل ہیں۔ بس اپنی بیوی حلال ہے، بیوی کو حلال کرو مگر اتنا حلال مت کرو کہ رات بھر حلال ہی کرتے رہو۔ دونوں کمزور ہوجاؤ گے، اللہ کی عبادت کے قابل نہیں رہو گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بیوی کو زیادہ استعمال نہ کرو ورنہ ذکر میں مزہ نہیں آئے گا، مادہ منویہ کو بچا کر رکھو ہفتہ میں یا مہینہ میں ایک دفعہ بیوی سے صحبت کرو، وہ بھی جب شہوت ہو تو پوری کرلو اور دوسری عورتوں کی طرف خیال بھی نہ کرو کیونکہ یہ کسی کی ماں، کسی کی بہن، کسی کی

بیٹی ہیں اور اگر لڑکا ہے تو کسی کا بیٹا ہے، کسی کا بھائی ہے وغیرہ۔ اپنی ماں بہن اپنی بیٹی کے لیے کیا چاہتے ہو کہ کوئی ان سے آنکھ لڑائے اُن کے ساتھ عشق کرے زِنا کرے؟ تو جو اپنی ماں اور بیٹی اور لڑکے کے لیے پسند کرتے ہو دوسروں کی بہو بیٹی کے لیے کیوں پسند نہیں ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرتا ہے۔ جیسے اپنی ماں بیٹی کی عزت کرتے ہو ویسے ہی دوسرے کی ماں بیٹی کی عزت کرو۔ دوسروں کی بہو بیٹی کو بُری نظر سے دیکھنا انتہائی بے غیرتی، بے حیائی اور کمینہ پن ہے۔ بس ان ناپاک محبتوں کو، لا الٰہ سے دل سے نکالو اور الا اللہ سے اللہ کی محبت دل میں لاؤ۔

اور لڑکوں سے عشق تو دائماً حرام ہے۔ مرد مرد کے لیے کسی زمانے میں حلال نہیں ہوسکتا ہے۔ نامحرم عورت تو کسی وقت حلال ہوسکتی ہے مثلاً اُس کا شوہر مر گیا آپ نے عدت کے بعد پیغام دے دیا، اُس کے ماں باپ راضی ہوگئے اور نکاح کر دیا تو وہ حلال ہوگئی لیکن کسی کا بیٹا کسی مرد کے لیے کسی زمانے میں حلال نہیں ہوسکتا چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ مرد مرد کے لیے کبھی کسی زمانہ میں حلال نہیں ہوسکتا۔ وہ بہت ہی حرام، بدمعاش اور کمینہ ہے جو لڑکوں کے عشق میں مبتلا ہوتا ہے، جو چیز دائماً حرام ہے اس کی طرف لالچ کرنا گناہ ہے کہ نہیں؟ کمینہ پن ہے کہ نہیں؟ اللہ نے مردوں کو مردوں کے لیے بچپن سے بڑھاپے تک حرام کیا ہے اور جو لوگ دیندار ہیں خصوصاً مدارس میں پڑھانے والے اس کا خیال رکھیں، صوفیا اور خانقاہوں والے اِس کا خیال رکھیں۔ اگر لڑکے کے ساتھ عشق میں مبتلا ہوئے تو خانقاہ کی اور سارے اللہ والوں کی بدنامی ہوتی ہے اور ایک مقدمہ اُس پر یہ بھی چلے گا کہ تم نے اللہ کے دوستوں کو بدنام کیا ہے بس اِن تین چیزوں سے بچو، لڑکوں کے عشق سے، لڑکیوں کے عشق سے اور مال کے عشق سے۔ یہ نہ ہو نماز ہو رہی ہے اور تاجر

صاحب مال بیچ رہے ہیں۔ جب اذان ہوگئی مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھو۔ گاہکوں سے کہہ دو کہ میں پہلے جماعت سے نماز پڑھوں گا اگر آپ کو فرصت ہے تو مجھ سے خریدیں ورنہ جہاں سے چاہیں خرید لیں۔ میری تقدیر کا پیسہ کوئی نہیں چھین سکتا۔ دوستو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَلاَ اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اللہ کا سودہ بہت مہنگا ہے مگر جب ہاتھ آ جائے تو سستا ہے۔

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اللہ کا سودا مہنگا تو ہے مگر حاصل کرنا آسان ہے۔ مگر کچھ مجاہدہ چاہتا ہے۔ غیر اللہ سے بچنے میں حسینوں سے جان چھڑانے میں جان لڑا دو۔ جو جان لڑا دے گا وہ جان چھڑا لے گا، جو مجاہدہ کرے گا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اُس کے لیے میں اپنے تک رسائی کے دروازے کھول دیتا ہوں۔

مہرِ نبوُّت دلیلِ صداقتِ نبوُّت ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرامینِ نبوت پر جو مہر لگایا کرتے تھے اُس کی تصویر ایک صاحب لے کر آئے جس پر محمد رسول اللہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ اللہ سب سے اُوپر، اُس کے نیچے رسول اور اُس کے نیچے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مہرِ نبوت کو دیکھ کر حضرت والا نے فرمایا کہ مہرِ نبوت صداقتِ نبوت کی دلیل ہے۔ دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اللہ پھر رسول پھر محمد لکھوایا۔ یہ دلیل ہے کہ آپ سچے نبی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام سب سے نیچے رکھا اس کے بعد رسول اور اس کے بعد سب سے اوپر اللہ۔ یہ ترتیب بتا رہی ہے کہ آپ سچے نبی ہیں۔ اگر کوئی جھوٹا نبی ہوتا تو پہلے اوپر اپنا نام لکھتا، پھر رسول پھر اللہ۔ اُس کو اِس ادب کی تمیز ہی نہ ہوتی۔ مگر سبحان اللہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شان ہے، مہرِ نبوت دلیلِ نبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلمکے سچے نبی ہونے کی یہی دلیل ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام سب سے اوپر رکھا اور اپنا نام

سب سے نیچے رکھا۔ یہ فنائیت اور ایسی عقل وفہم دلیلِ نبوت ہے۔ جعلی نبی کو یہ تمیز، یہ ادب اور اتنی عقل وفہم ہو ہی نہیں سکتی اور نبوت کی ایک دلیل التحیات کی یہ عبارت بھی ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ عبد پہلے فرمایا پھر رسول فرمایا۔ عبدیت کو رسالت پر مقدم کیا۔ پہلے آپ بندہ ہیں پھر رسول ہیں۔ عبدِ کامل ہونا یہ رسول ہونے سے بھی افضل ہے اور عبدِ کامل رسول ہی ہوسکتا ہے۔ مگر عبدِ کامل ہونا پہلے دِکھایا کہ میں اللہ کا کامل بندہ ہوں، اس کے بعد رسول ہوں، عبدیتِ کاملہ کے بعد رسالتِ کاملہ ہے۔ مہرِ نبوّت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سب سے نیچے رکھنا عبدیتِ کاملہ کی دلیل ہے اور آپ کے سچے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

۵؍شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۷؍نومبر ۲۰۰۴ء بروز بدھ مجلس بعد عشاء

درخانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کیا تعلق ہے؟

ارشاد فرمایا کہ آج ایک بات دل میں آئی ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی جبکہ میری عمر ۷۶ سال کی ہوگئی ہے مگر اس طرف کبھی ذہن نہیں گیا کہ اللہ تعالیٰ میں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کیا تعلق ہے؟ مگر آج مغرب اور عشاء کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص محبت اور تعلق کے متعلق ایک علمِ عظیم عطا ہوا۔

کلمہ پر غور کرو، دیکھو! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جہاں ختم ہوتا ہے وہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ شروع ہوتا ہے، جہاں اللہ ہے بس وہیں محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بالکل قرب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے پیارے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ملا رکھا ہے، اللہ کے نام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں کوئی فاصلہ نہیں ہے، کوئی

فرق نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے درمیان کوئی لفظ بھی نہیں آیا یعنی اللہ اور محمد میں قرب ایسا ہے جو بغیر حجاب، بغیر کسی دیوار، بغیر کسی فصل کے ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ملا رکھا ہے (یہ فرما کر حضرت والا پر گریہ طاری ہو گیا۔)

اللہ تعالیٰ کے نام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں جدائی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ جہاں ہے وہیں محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی ہمارا کلمہ اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصل اور قربِ خاص پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کو پسند نہیں کیا، اپنے نام کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل ملا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اس کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی بات میرے دل میں ڈالی۔

سامنے خانقاہ کی دیوار پر اللہ جل جلالہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو فریموں میں ساتھ ساتھ لکھا ہوا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ آج مجھے اِشکال ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو اللہ تعالیٰ کے نام کے نیچے ہونا چاہیے، اللہ کے نام کے ساتھ کیوں لگا دیا ہے؟ اسی وقت دل میں جواب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کلمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے تو اگر میں نے اللہ کے نامِ پاک کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک لکھوا دیا تو کیا اِشکال ہے۔

اللہ کون ہے؟

۵ر شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ بمطابق ۱۸ر نومبر ۲۰۰۴ء بروز جمعرات ۱۱ بجے دن کی مجلس

ارشاد فرمایا کہ اگر آپ لوگوں سے کوئی پوچھے کہ اللہ کیا ہے، اللہ کی تعریف کرو تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ذات کو اللہ کہا ہے وہی ہمارا اللہ ہے، ہم لوگ کیا جانیں کہ اللہ

کون ہے؟ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اللہ کہا ہے وہی ہمارا اللہ ہے۔ ایک بزرگ کا شعر ہے ؎

سوا اس کے ہر بات بے راہ ہے
محمد کا اللہ اللہ ہے

اس کے علاوہ کوئی راستہ ٹھیک نہیں ہے بس محمد کا اللہ اللہ ہے، یہ سب سے بہترین جواب ہے۔

مدینہ منورہ کا آسمانِ مبارک اور نگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

شب ۱۹ ر شوال ۱۴۲۵ھ مطابق یکم دسمبر ۲۰۰۴ء بروز بدھ قبیل عشاء در حجرۂ حضرتِ والا

حضرت والا کے کمرہ میں روضۂ مبارک کی تصویر لگی ہوئی ہے جو بجلی سے روشن ہو جاتی ہے اس کو دیکھ کر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ یہ آسمان مدینہ پاک کا ہے۔ اس آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی ہے لہٰذا آج اس آسمان سے نظر ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک سے اپنی نظر ملا لو۔ یہ ملاقات کا عجیب طریقہ ہے اور صحابہ کی نظر بھی اس آسمان پر پڑی ہے اس لیے صحابہ کرام کی نظر سے بھی اپنی نظر ملا لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک مدینہ کے ان پہاڑوں پر اور آسمان پر پڑی ہے لہٰذا ان مقامات کو دیکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک سے اپنی نگاہ کو ملانا ہے کیونکہ یہ مدینہ شریف کا فوٹو ہے، یہ وہیں کے پہاڑ ہیں، وہیں کا آسمان ہے اور وہیں کے سورج ڈوبنے کی سرخیاں ہیں جو تصویر میں دکھائی دے رہی ہیں۔ اس مقام کو اس نیت سے دیکھو کہ ہماری نگاہ وہاں پڑ رہی ہے جہاں ۱۴ سو برس پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک پڑی تھی اور ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کی نگاہ پڑی تھی تو اس وقت ہماری نگاہ واصل ہے نگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نگاہِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے۔ یہ فرما کر دریافت فرمایا کہ بتاؤ یہ مزہ آج تک کسی سے سنا تھا الا ماشاء اللہ۔

جب میں مدینہ شریف جاتا ہوں اور چاند کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک نے اس چاند کو یقیناً دیکھا ہے کیونکہ چاند دیکھنے کی دعا ثابت ہے اور تمام صحابہ کرام کی نگاہیں بھی اس چاند پر یقیناً پڑی ہیں ۔لہٰذا مدینہ منورہ کے چاند کو دیکھ کر یہ مراقبہ کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک جہاں پڑی ہے وہیں آج میری نگاہ بھی پڑ رہی ہے تو اس طرح میری نگاہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ملاقات ہو رہی ہے۔ کہیں یہ باتیں سنیں ؟انتہائی احسان ہے مجھ پر اللہ تعالیٰ کا۔ هٰذا مِمَّا خَصَّنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِلُطْفِهٖ یہ علوم وہ ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو خاص کیا ہے۔ یہ جملہ حضرت تھانوی نے بھی کلید مثنوی کی شرح میں لکھا ہے۔ یہ فرما کر حضرت والا پر گریہ طاری ہو گیا۔

اللہ کی محبت لغت اور زبان سے بے نیاز ہے

حضرت والا کے پرنواسے ڈاکٹر ندیم صاحب کے بیٹے عبد الرحمٰن سلمہ جن کی عمر تقریباً ۵ سال ہو گی حضرت والا کی مجلس میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس کو یہاں مزہ آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت لغت، ڈکشنری اور زبان کی محتاج نہیں ہے۔ اللہ کی محبت آنکھوں سے مل جاتی ہے۔

آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کی تم نے پی نہیں

دیکھئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف زبانوں کے لوگ تھے۔ سب کو فیضِ نبوت پہنچا اگرچہ بہت سے لوگ عربی نہیں جانتے تھے۔ بس دل میں درد ہونا چاہیے اور تقویٰ کا نور ہونا چاہیے، محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ محبت خود اپنی زبان ہے اور دل سے دل میں منتقل ہوتی ہے۔

۲۷/ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۷/فروری ۲۰۰۵ء دوشنبہ ۱۱ بجے صبح

عقلی محبت مطلوب ہے طبعی نہیں

ارشاد فرمایا کہ صحابہ کے حالات مختلف تھے اور ان کے مراتب

بھی مختلف تھے۔ حضرت صدیق اکبر کا مقام کچھ اور تھا، حضرت عمر فاروق کا کچھ اور مقام تھا، حضرت بلال کا کچھ اور تھا لیکن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ میں تمام صحابہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا پروانہ اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک ہر صحابی کے لیے ہے۔ اسی طرح شیخ کے مریدوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں، کسی میں محبت زیادہ ہے کسی میں کم معلوم ہوتی ہے لیکن محروم کوئی نہیں رہتا بس شرط یہ ہے کہ کوشش میں لگا رہے کیوں کہ اپنی اختیاری کوشش کرنا بندہ پر فرض ہے، جو اختیاری نہیں ہے وہ فرض بھی نہیں ہے۔ اپنے اختیار کو اختیار کرلو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ جو اختیار میں نہیں ہے اس کی فکر ہی نہ کرو۔ ایک پیر کے سینکڑوں مرید ہوتے ہیں، کسی میں گریہ وزاری ہے، کسی میں محبت بہت زیادہ ہے، کسی میں کم ہے مگر عقلی طور پر محبت سب کو ہوتی ہے مگر کسی کو طبعی محبت بھی ہو جائے تو یہ اللہ کا انعام ہے مگر انعام غیر اختیاری ہے لہٰذا غیر اختیاری کام کے پیچھے مت پڑو، اختیاری کام کرو، غیر اختیاری کے پیچھے پڑو گے تو ناامیدی پیدا ہوگی۔ اختیاری کوشش کرو جو تمہارے اختیار میں ہے، بندہ اختیاری کوششوں کا مکلّف بنایا گیا ہے، غیر اختیاری کوششوں کا مکلّف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں وہ کیسے غیر اختیاری چیزوں کا مکلّف بنا دیں گے۔ اللہ ذوالفضل العظیم ہے۔ کسی کو اپنے فضل سے طبعی محبت بھی دے دیتا ہے مگر طبعی محبت پر نجات نہیں ہے، طبعی محبت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو بھی تھی یہاں تک کہ فرماتے ہیں۔

وَاللّٰہِ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِھِمْ
حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنًا

واللہ! تجھ تک اے میرے بھتیجے کافروں کی کوئی جماعت نقصان پہنچانے کے لیے نہیں پہنچ سکتی یہاں تک کہ تمہارا چچا ابوطالب قبر میں دفن ہو جائے۔ طبعی محبت تو

اتنی تھی لیکن عقلی محبت نہیں تھی اس لیے ایمان نہیں لائے۔ معلوم ہوا نجات عقلی محبت پر ہوگی طبعی محبت پر نہیں ہوگی جیسے طبعی محبت ابو طالب کو کچھ مفید نہیں ہوئی، عقلی محبت نہ ہونے سے ایمان نہیں لائے اور کچھ نہیں ملا، محروم رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت وحشی سے عقلی محبت تھی اس لیے باوجود طبعی محبت نہ ہونے کے بھی وہ مفید ہوگئی اور آپ صحابیت سے مشرف ہوئے اور طبعی محبت نہ ہونا شرفِ صحابیت کے لیے کچھ مضر نہ ہوا اس لیے طبعی محبت کا انتظار نہ کرو، عقلی محبت کرو۔ اب ایک آدمی غیر ملک سے اپنے شیخ کے پاس آتا ہے، کرایہ خرچ کر کے تکلیفیں اُٹھا کر۔ اس کو اگر محبت نہ ہوتی تو کیوں آتا؟ اور کبھی طبعی محبت بھی ہوتی ہے مگر احساس نہیں ہوتا۔ احساس ہونا اور ہے اور محبت کا ہونا اور ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے نجات کا راستہ عقلی محبت پر رکھا ہے ورنہ بعض لوگوں کو شیطان مایوس کرتا ہے کہ اور لوگ تو خوب روتے ہیں، محبت کا اظہار کرتے ہیں، تمہارے اندر محبت نہیں ہے۔ شیطان کا کام مایوس کرنا ہے، اللہ کا کام امیدوار بنانا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا امیدوار کرتے ہیں، شیطان ناامید کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناامیدی کو کفر قرار دیتے ہیں کہ میری رحمت سے اگر ناامید ہو جاؤ گے تو جہنم میں ڈال دوں گا، جہنم کا ڈنڈا دکھا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنا رہے ہیں، ایسی امید دِلانے والا کریم سوائے اللہ کے کون ہوسکتا ہے۔ جہنم سے ڈرا کر ہمیں اپنی رحمت کا امیدوار بننے پر مجبور کر دیا وہ کتنے کریم مولیٰ ہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ ناامیدی پر اپنی لا نازل کردی کہ خبردار! میری رحمت سے ناامید نہ ہونا اِنَّ اللهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا الف لام استغراق کا داخل کیا کہ گناہ بڑے ہوں یا چھوٹے اللہ سب معاف کر دے گا لیکن استغفار تو کرو۔ فرماتے ہیں کہ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب سے معافی مانگو اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا وہ غافر نہیں غفّار ہے یعنی بہت بخشنے والا ہے اِسْتَغْفِرُوا اللهَ نہیں فرمایا اِسْتَغْفِرُوْا

رَبَّکُمْ فرمایا جوتمہارا پالنے والا ہے اس سے معافی مانگو۔ پالنے والے کو پالی ہوئی چیز سے محبت ہوتی ہے اور پالی ہوئی چیز بھی پالنے والے سے محبت کرتی ہے۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

اس کے علاوہ عقلی محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے اور طبعی محبت کا اعتبار نہیں۔ کبھی ہے کبھی نہیں ہے، طبیعت تو بدلتی رہتی ہے جیسے جوانی میں بیوی سے خوب محبت ہوتی ہے مگر جب بڈھی ہوگئی، دانت ٹوٹ گئے، کمر جھک گئی، گال پچک گئے تو طبعی محبت ختم ہو جاتی ہے، اس لیے طبعی محبت کا کچھ اعتبار نہیں، عقلی محبت اصل ہے، عقل سے محبت کرو کہ وہ ہمارا پالنے والا ہے، اس سے مایوسی دور ہوتی ہے، بعض لوگوں کو شیطان مایوس کرتا ہے کہ فلاں تو نعرہ لگا رہا ہے اور ہماری نہ آہ نکلتی ہے نہ نعرہ نکلتا ہے، تم تو پارہ پارہ ہو گئے اس لیے عقلی محبت بہت ضروری ہے۔

کوے نومیدی مرو امید ہاست
سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

ناامیدی کے راستہ میں مت جاؤ کہ اللہ کی راہ میں امیدیں ہی امیدیں ہیں اور تاریکی کی طرف مت جاؤ کہ یہاں امیدوں کے ہزاروں آفتاب روشن ہیں۔

۱۷رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷رفروری ۲۰۰۵ء بروز اتوار

ذکر اللہ کے باوجود اطمینان حاصل نہ ہونے کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ ذکر کرنے کے باوجود اطمینان سے محروم ہیں جبکہ وعدہ ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی صرف اللہ کی یاد ہی میں دل اطمینان پاتے ہیں۔ تو ذکر کے باوجود اطمینان سے محرومی کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں (۱) ذکرِ مثبت اور (۲) ذکرِ منفی۔

ذکرِ مثبت تو نماز، روزہ، ذکر اللہ، تلاوت ونوافل، صدقہ وخیرات وغیرہ ہے اور ذکرِ منفی گناہوں سے بچنا اور گناہوں سے بچنے کا غم اُٹھانا ہے۔ ذکر کرنے کے باوجود جو لوگ اطمینان سے محروم ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ذکرِ مثبت تو کرتے ہیں لیکن ذکرِ منفی نہیں کرتے یعنی گناہوں سے نہیں بچتے لہٰذا جب ذکرِ مثبت کے ساتھ ذکرِ منفی بھی ہوگا یعنی جب اذکار ونوافل وتلاوت وغیرہ کے ساتھ گناہوں سے بھی بچنے لگیں گے تب اطمینانِ کامل نصیب ہوگا۔

توجہ کا مسئلہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھ پر توجہ فرمایئے، میں آپ کی توجہ کا محتاج ہوں۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ توجہ کرنا سنت سے ثابت نہیں ہے دعا کرنا سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے سامنے دعا فرمائی کہ یا اللہ! دو عمر میں سے ایک کو ہدایت نصیب فرما، عمر بن الخطاب یا عمر بن ہشام یعنی ابوجہل۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دعا قبول ہوئی۔ اگر توجہ سنت ہوتی تو آپ دونوں پر توجہ ڈال دیتے۔ میں نے اپنے شیخِ اوّل حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں درخواست کی کہ حضرت مجھ پر توجہ کیجئے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ توجہ مجھ جیسا ضعیف کیا کرے گا، دعا کرتا ہوں جو موافق سنت کے ہے۔

شیخ کے ادب کی تعلیم

حضرت والا کے ایک مجاز نے عرض کیا کہ جب میں خانقاہ میں آتا ہوں تو بہت سے احباب اور جاننے والے اور مریدین گھیر لیتے ہیں اور مصافحہ شروع کردیتے ہیں اور بعض ہاتھ چومنے لگتے ہیں اور ایک مجمع سا لگ جاتا ہے جو خانقاہ میں مجھے خلافِ ادب معلوم ہوتا ہے، بہت منع کرتا ہوں لیکن لوگ نہیں

مانتے۔ مجھے اس معاملہ میں بہت تشویش ہے۔

ارشاد فرمایا کہ شیخ کا ادب یہ ہے کہ خانقاہ میں جانے کے بعد اپنا وجود ہی نظر نہ آئے کہ ہم کیا ہیں۔ سب مریدین اور معتقدین کو سمجھا دو کہ شیخ کے سامنے میں شیخ نہیں ہوں، شیخ کے سامنے میں شیخ کا غلام ہوں۔ لہٰذا یہاں کوئی میرا ہاتھ چومے گا یا نصیحت سننے کے لیے مجمع لگائے گا یا جوتے اٹھائے گا تو میں سختی سے پیش آؤں گا چاہے کوئی مرید ہو یا غیر مرید ہو سب کو ڈانٹ دو کہ مجھے برباد مت کرو اور بدنصیب مت بناؤ کیونکہ اگر میں بے ادب ہوں گا تو بے نصیب ہو جاؤں گا کیونکہ باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ کے ساتھ سفر میں جاؤ تو خادم بن کر جاؤ، مخدوم بن کر مت جاؤ کہ مریدوں کے مجمع کو لے گئے، کوئی ہاتھ دبا رہا ہے، کوئی پاؤں دبا رہا ہے، جب مخدوم بنو گے تو شیخ کی خدمت کیسے کرو گے اور نفس کیسے مٹے گا۔ نفس کی چالیں بہت باریک ہوتی ہیں، مخلوق میں عزت دکھا کر نفس اندر اندر خوش ہوتا ہے۔ نفس بہت مشکل سے مٹتا ہے، شیخ کے سامنے ذلیل ہو جاؤ، اس کے پاؤں میں خود کو خوب رگڑ ڈالو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ حبِّ جاہ صدیقین کے سر سے بھی سب سے آخر میں نکلتی ہے۔

شیخ کے انتقال کے بعد بھی اس کا اور اس کی اولاد کا، اس کے بیٹوں کا، اس کے پوتوں کا ادب لازم ہے خصوصاً اس کی اولاد، بیٹے پوتے اگر عالم اور حافظ بھی ہوں تو سونے پر سہاگہ ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت بھی ہے اور علمِ دین کی نسبت بھی ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جہاں بیٹھتے تھے تو پہلے ایک کپڑا بچھاتے تھے لیکن اپنے شیخ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی کی قبر پر حاضر ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ادب کی وجہ سے بغیر کچھ بچھائے زمین پر بیٹھ گئے اور رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ

مجھ کو بھی اور آپ کو بھی اور سب کو باادب بنادے اور بے ادبی سے بچائے، آمین۔ آخر میں فرمایا کہ شیخ کے ادب کا یہ مضمون کبھی کبھی مجلس میں سنوادیا کرو۔

(احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ چند سال پہلے حضرت والا نے ایک صاحب کو اجازت بیعت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی مجلس کا وہی وقت رکھا جو رات کو حضرت والا کی مجلس کا وقت ہوتا ہے اور مجلس میں نہیں آئے۔ حضرت والا نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں؟ معلوم ہوا کہ ان کے گھر پر ذکر کی مجلس ہورہی ہے۔ حضرت والا نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ جو میری مجلس کو چھوڑ کر اپنی مجلس کو گرم کرے گا اس کی گرمیاں بھی سردیاں ہوں گی۔)

احتیاط اور تقویٰ کی عظیم الشان تعلیم

ارشاد فرمایا کہ جب تک ڈاڑھی مونچھ خوب اچھی طرح نہ آجائے اور چہرہ میں کشش بالکل ختم نہ ہو جائے اس وقت تک لڑکوں کو مرید نہ کرو۔ اپنے مدرسہ میں اس کی خاص ہدایت کردو کہ امردوں کو بیعت کرنا جائز نہیں ہے۔ جو بے ڈاڑھی والے لڑکوں کو بیعت کرے اور ان کو لے کر بیٹھے، ان سے احتیاط نہ کرے اس کو مدرسہ سے نکال دو۔ جو پیر ہو یا استاد امردوں سے یا کَالْاَمْرَدِ سے یعنی جن کے ڈاڑھی تھوڑی تھوڑی آئی ہو پیر دبوائے یا تنہائی میں ملے یا ان کو پاس بٹھائے وہ قابلِ اخراج نہیں واجب الاخراج ہے، اس کا مدرسہ سے نکال دینا واجب ہے کیونکہ جب تقویٰ نہیں ہے تو سب بے کار ہے، تقویٰ تو فرضِ عین ہے، عالم، حافظ اور مفتی بننا فرضِ کفایہ ہے، جو فرضِ عین میں کوتاہی کرے اس کی قابلیت کسی کام کی نہیں۔ جو خود متقی نہیں وہ دوسروں کو بھی خراب کرے گا۔ ایسا پیر پیر نہیں، ایسا استاد استاد نہیں۔ غیر متقی سے فیض نہیں ہوتا، متقی سے فیض ہوتا ہے۔

نافرمانی کے کام میں شرکت جائز نہیں

ارشاد فرمایا کہ جہاں کوئی گناہ، کوئی منکر اور بدعات ہو رہی ہوں وہاں جانا جائز نہیں ہے خواہ بزرگوں کے مقامات ہوں لَا یَجُوْزُ الْحُضُوْرُ عِنْدَ مَجْلِسٍ فِیْہِ الْمَحْظُوْرُ ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں نافرمانی ہو رہی ہو وہاں شرکت جائز نہیں ۔ گنگوہ میں عرس کے زمانہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند سے اپنے شیخ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حضرت نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اس زمانہ میں کیوں آگئے جبکہ عرس ہو رہا ہے ۔ شیخ الہند نے عرض کیا کہ حضرت میں تو آپ کے پاس آیا ہوں ۔ فرمایا کہ تم نے عرس والوں کی تعداد بڑھا دی اس لیے انہی میں شامل ہو گئے ۔ حدیثِ پاک میں ہے مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ جس نے جس قوم کی تعداد بڑھا دی وہ انہی میں سے ہے ۔ فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ حالانکہ کتنے محبوب تھے کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نواب صاحب آگئے جو حضرت کے مہمان تھے اور جب ان کے لیے دستر خوان لگایا جانے لگا تو حضرت شیخ الہند چپکے سے اٹھ کر جانے لگے ۔ حضرت گنگوہی نابینا ہو گئے تھے لیکن ان کو محسوس ہو گیا تو فرمایا کہ محمود الحسن کہاں جا رہے ہو ۔ عرض کیا کہ حضرت میں طالبِ علم ہوں، میری موجودگی شاید نواب صاحب کو ناگوار ہو ۔ فرمایا کہ ارے اگر نواب صاحب کو ناگوار ہوگا تو ان کا کھانا ان کے کمرہ میں بھیج دیں گے لیکن میرا تمہارا تو مرنے جینے کا ساتھ ہے، تم کہاں جاتے ہو یہیں بیٹھو ۔

اتنے محبوب شاگرد کو فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ، اس وقت آنا جائز نہیں تھا ۔ راستہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد ملا اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ خالی پیٹ آئے ہیں اور بیس میل خالی

پیٹ جائیں گے ذرا ٹھہریئے، میرے گھر پر کچھ کھا پی لیجئے تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ میرے شیخ نے فرمایا ہے کہ فوراً جاؤ اگر کچھ کھا پی لوں گا تو فوراً کے خلاف ہو جائے گا۔ دیکھو یہ تھی شیخ کی اتباع کہ فوراً واپس ہو گئے۔ پہلے بزرگوں میں اتباع ہی کی برکت سے فیض ہوا ہے۔

اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل

خانقاہ میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، فرانس، ری یونین، بنگلہ دیش، برما، ہندوستان وغیرہ کئی ملکوں کے لوگ جمع تھے جو اپنی اصلاح کے لیے حضرت والا کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔ اسی طرح پاکستان کے کئی صوبوں کے لوگ بھی تھے۔ ان کو دیکھ کر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی حقانیت کی ایک بڑی دلیل ہے کہ کالے، گورے، سانولے ہر رنگ کے آدمی جمع ہو گئے اور یہاں رنگ اور زبان کی کوئی تفریق نہیں کیونکہ جنت میں کوئی ملک اور کوئی صوبہ نہیں ہے، نہ وہاں فرانس ہے نہ امریکہ نہ ہندوستان نہ بنگلہ دیش نہ پنجاب نہ سندھ نہ بلوچستان لہٰذا جن کو جنت میں جانا ہے ان کے دل میں عصبیت نہیں ہوتی۔ یہی علامت ہوتی ہے کہ یہ جنتی لوگ ہیں اور جنت میں سب کی زبان عربی ہوگی اور جو عربی نہیں پڑھا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو سکھا دیں گے، ہر جنتی عربی بولے گا۔ وہاں قومیت، صوبائیت لسانیت نہیں ہوگی کہ پنجابی پنجابی بول رہا ہے، سندھی سندھی بول رہا ہے، گجرات کا گجراتی بول رہا ہے۔ وہاں سب عربی بولیں گے۔

قرآن وحدیث میں بیٹیوں کی فضیلت

ارشاد فرمایا کہ بیٹیاں بہت بڑی نعمت ہیں کیونکہ ان کی پرورش پر جنت کا وعدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا یَکُوْنُ لِاَحَدِکُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ

﴿فَیُحْسِنُ اِلَیْھِنَّ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ﴾

(سنن الترمذی، ابواب البر والصلۃ ج: ۲، ص: ۱۳)

کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں پس وہ ان کے ساتھ بھلائی کرے یعنی پرورش کرے دین سکھائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور دوسری روایت میں ارشاد ہے:

﴿مَنْ کَانَتْ لَہٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْثَلَاثُ اَخَوَاتٍ اَوْ اِبْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَھُنَّ وَاتَّقَی اللہَ فِیْھِنَّ فَلَہُ الْجَنَّۃُ﴾

(سنن الترمذی، ابواب البر والصلۃ ج: ۲، ص: ۱۳)

جس کے تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں ان کی اچھی طرح پرورش کرے اور ان کے اداءِ حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے اُس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور بعض روایات میں آپ نے تین بیٹیوں اور دو بیٹیوں کی پرورش پر جنت کی بشارت دی تو کسی نے عرض کیا کہ اگر کسی کے ایک ہی لڑکی ہے تو آپ نے اس کو بھی جنت کی بشارت دی۔ اگر یہ نعمت نہ ہوتیں تو ان پر جنت کا وعدہ نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہ سببِ نزولِ رحمت ہیں لہٰذا جس کے گھر بیٹیاں پیدا ہوں وہ خوش ہو جائے، ہرگز دل چھوٹا نہ کرے اور ان کو نعمت سمجھے۔ جن کی وجہ سے جنت مل جائے وہ نعمت نہ ہوں گی؟ پس بیٹی پیدا ہونے کی خبر سن کر جس کے چہرہ پر غم آجائے یہ شعارِ کافرانہ ہے یعنی کافروں جیسا کام ہے کیونکہ کافر بیٹیوں کی خبر سن کر غمگین ہو جاتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بیٹیوں کو لعنت سمجھتے تھے کہ داماد ڈھونڈنا پڑے گا اور اپنی سبکی سمجھتے تھے۔ اسی لیے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایسے شقی القلب اور جانور تھے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗ دَۃُ سُئِلَتْ٭ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ٭﴾

(سورۃ التکویر، آیۃ: ۹-۸)

جب زندہ دفن کی جانے والی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا۔ ان بیٹیوں ہی سے تو انسان پیدا ہوتے ہیں، ان کو حقیر سمجھنا علامتِ کافرانہ اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثاً وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾

(سورۃ الشوریٰ، ایۃ: ۴۹)

اللہ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے (ترجمہ از بیان القرآن) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیٹیوں کو مقدم فرمایا جس سے ان کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت مبارک ہے جس کے پیٹ سے پہلی مرتبہ بیٹی پیدا ہو۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿اِنَّ مِنْ يُمْنِ الْمَرْأَةِ تَبْكِيْرُهَا بِالْاُنْثٰى قَبْلَ الذَّكَرِ﴾

(تفسیر قرطبی، ج: ۸، ص: ۴۸)

اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے مروی ہے:

﴿مِنْ يُمْنِ الْمَرْأَةِ تَبْكِيْرُهَا بِاُنْثٰى﴾

(تفسیر روح المعانی، ج: ۲۵، ص: ۵۴)

لہٰذا بیٹیوں کے پیدا ہونے کی خبر سن کر مسکراؤ اور خوش ہو جاؤ اور سمجھو کہ گھر میں برکت نازل ہوگئی۔ اسلام نے بیٹیوں کو کیا عزت دی ہے اس لیے بیٹیوں کو نعمتِ عظمیٰ سمجھو۔ ان ہی سے تو اولیاء اللہ پیدا ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دونوں عالم میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پیارے ہیں اور وجۂ تخلیقِ کائنات ہیں ان کا نسب آپ کی بیٹی سے چلا۔ اگر بیٹیاں مبارک نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اپنے سب سے پیارے نبی کا نسب بیٹی سے نہ چلاتا۔ معلوم ہوا کہ بیٹیاں بہت مبارک ہیں، اس لیے ان کو حقیر نہ سمجھو۔ بیٹے تو بیٹیاں لاتے ہیں اور بیٹیاں بیٹے یعنی داماد لاتی ہیں۔ بعض وقت داماد ایسا لائق مل گیا جو بیٹوں سے بھی زیادہ خدمت گذار نکلا۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے بیٹے

کے لیے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس نیت سے بیٹا مانگو کہ اسے عالم اور حافظ بناؤں گا تا کہ وہ اللہ والا بن جائے، دین کا کام کرے اور ہمارے دینی اداروں کو چلائے اور ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہو۔

مراکزِ لذت کے گندے مقامات سے اِتصال کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں مولوی لوگ نہ جانے کیوں ہمارے پیچھے ڈنڈا لیے پھرتے ہیں حالانکہ ہم نے کیا کیا، نہ لیا نہ دیا صرف دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے بدنظری کو حرام کیا اس لیے کہ بدنظری کرنے سے بات صرف نظر تک نہیں رہتی۔ گناہ خصوصاً باہی گناہ کی خاصیت ہے کہ یہ ایک حد پر قناعت نہیں کرتا حالانکہ شروع میں نفس یہی کہتا ہے کہ صرف دیکھ کر مزہ لے لو کچھ اور نہ کرنا۔ لیکن جب دیکھ لیا تو اور آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ گال کا چما لے لو۔ جب چما لے لیا تو گال تک نہیں رہتا۔ چما تو ابتدائی مراحل اور ابتدائی منازل ہیں لیکن گالوں کا چما آخر میں کہاں پہنچاتا ہے؟ پیشاب اور پاخانے کے مقام پر! عورت ہے تو اس کے پیشاب کے مقام پر اور مرد ہے تو پاخانے کے مقام پر پہنچاتا ہے اور ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مراکزِ لذت اللہ تعالیٰ نے پیشاب پاخانہ کے گندے مقامات پر کیوں رکھے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اور جگہ بھی ان کو پیدا کر سکتے تھے؟ تا کہ بندے حلال میں بھی زیادہ مشغول نہ ہوں، صرف ضرورت پر اکتفا کریں اور مجھ کو بھول نہ جائیں اور گندگی کو دیکھ کر ان مقامات پر پاگل نہ ہو جائیں۔ میری یاد کو اوّلیت اور تمام لذتوں پر فوقیت دیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے خود انتظام کیا ہے جیسے ابا جس بیٹے سے بہت پیار کرتا ہے اس کی شادی بہت زیادہ حسین بیوی سے نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ اگر پری کی طرح ہوگی تو بیوی سے ہی چپکا رہے گا، مجھ کو بھول جائے گا۔ پس اللہ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی

نفسیات کو کون جانتا ہے؟ اس لیے مراکزِ لذت کو گندے مقامات کے قریب رکھ دیا تا کہ ان چیزوں سے زیادہ دل نہ لگائیں اور ہم کو نہ بھول جائیں۔ جس حلال نعمت میں زیادہ مشغول ہو کر اپنے بھول جانے کا خطرہ ہو اپنے خاص بندوں کو اس حلال نعمت سے بھی بچاتے ہیں۔ اسی لیے میں نے اکثر دیکھا کہ اولیاء اللہ کو بیویاں اچھی نہیں ملیں۔ میں نے مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جوانی میں دیکھا ہے۔ اتنے حسین تھے جیسے کوئی فرشتہ ہو، صراحی نما گردن، ہلکا بدن، ململ کا کرتہ پہنے ہوئے بہت ہی حسین معلوم ہوتے تھے لیکن بیوی کے بارے میں معلوم ہوا کہ ایک آنہ بھی حسن نہ تھا۔ اسی طرح حضرت امام محمد بھی مثل چاند کے تھے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اتنی احتیاط کرتے تھے کہ درس کے دوران پیٹھ کے پیچھے بٹھاتے تھے، سامنے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ ان کو بیوی بالکل مکروہ شکل کی ملی مگر جنت میں یہی بیویاں حوروں سے زیادہ حسین کردی جائیں گی کیونکہ جنت میں یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ بیوی میں مشغول ہو کر اللہ کو بھول جائیں۔ جنت میں اللہ کو بھولنا محال اور ناممکن ہے۔ لیکن دنیا میں چونکہ یہ احتمال ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد میں مشغول رکھنے کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ نفس کے مراکزِ لذت کو پیشاب پاخانے کے مقامات سے متصل کردیا اور اکثر اولیاء اللہ کو حسین بیویاں نہیں دیں۔

اہلِ وجاہت کو تبلیغ کا حکمت آمیز انداز

ایک بہت بڑے ڈاکٹر جو امریکہ و یورپ میں بلائے جاتے ہیں اور بہت دین دار ہیں لیکن ڈاڑھی پر کالا خضاب لگاتے ہیں۔ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے ارشاد فرمایا کہ اگر کبھی آپ کو خضاب لگانے کی ضرورت پیش آئے تو براؤن خضاب لگایئے کالا خضاب نہ لگایئے گا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کالا خضاب لگائے گا قیامت کے دن اس کا چہرہ

کالا کر دیا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے اور عرض کیا کہ کبھی کالا خضاب نہیں لگاؤں گا۔

سبحان اللہ! یہ حضرت والا کا کمالِ حکمت ہے کہ ان سے یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے کالا خضاب لگایا ہوا ہے کیونکہ اس سے وہ سُبکی محسوس کرتے۔ اس طریقہ سے ان کو مسئلہ بھی بتادیا اور ان کی اصلاح بھی ہوگئی۔

آیت وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ باب تفعُّل سے نازل ہونے کا راز

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ اس میں ایک علمی سوال ہوتا ہے کہ یحب کو دو دفعہ کیوں نازل کیا جبکہ عربی قاعدہ سے عطف ممکن تھا یعنی یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَالْمُتَطَهِّرِیْنَ نازل کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فَضْلاً وَّرَحْمَةً یُحِبُّ دوبار نازل کیا کہ اس میں ڈبل انعام ہے یعنی جس طرح سے میں توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہوں اسی طرح مُتَطَهِّرِیْنَ یعنی جو بہ تکلف گناہ سے بچتے ہیں، گناہ سے بچنے میں تکالیف اُٹھاتے ہیں، گناہ چھوڑنے کا دل پر غم برداشت کرتے ہیں، اپنی حرام خواہش کا خون کرنے کی مشقت جھیلتے ہیں ان کو بھی میں اپنا محبوب بنالیتا ہوں اس لیے یُحِبُّ مستقل نازل کیا، عطف نہیں کیا تا کہ بندوں کو میرا محبوب بننے کی لالچ میں تکلیف اُٹھانا اور میری محبت کے نام پر جان کی بازی لگانا آسان ہو جائے۔

جان دے دی میں نے ان کے نام پر
عشق نے سوچا نہ کچھ انجام پر

یہ میرا ہی شعر ہے۔ اللہ کا محبوب بننا معمولی بات ہے؟ نعمتِ عظمیٰ

ہے۔ اسی لیے مُتَطَهِّرِيْنَ بابِ تفعل سے نازل کیا۔ اگر چہ یہ جملہ خبریہ ہے کہ جو گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف اُٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محبوب بنا لیتا ہے لیکن اس میں جملہ انشائیہ ہے کہ اگر تم اللہ کا محبوب بننا چاہتے ہو تو گناہوں کو چھوڑنے کی تکلیف برداشت کرو۔ اس جملہ خبریہ میں یہ انشائیہ ہے ورنہ بابِ تفعل کے بجائے کوئی دوسرا صیغہ بھی نازل کر سکتے تھے۔ یُحِبُّ الطَّاهِرِيْنَ فرمادیتے کہ میں پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہوں لیکن نہیں تطھر بابِ تفعل سے نازل کیا اور بابِ تفعل میں تکلف کی خاصیت ہے۔ اللہ اکبر! کیا عظیم الشان کلام ہے جو اللہ کا کلام ہونے کی دلیل ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کی طبیعت کو جانتے ہیں اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ بھلا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا۔ وہ جانتے تھے کہ گناہوں سے بچنے میں بندوں کو تکالیف ہوگی اس لیے تطھر بابِ تفعل سے نازل کیا کہ پرانے پاپ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا لیکن متطھرین وہ بندے ہیں جو اللہ کو راضی کرنے کے لیے گناہ کو چھوڑ کر دل کا خون کر لیتے ہیں اگر چہ گناہوں کی ان کو چاٹ پڑی ہوئی ہے، بدمعاشیوں کی عادت پڑی ہوئی ہے لیکن پرانی سے پرانی عادت کو چھوڑنے کے لیے مشقتیں اٹھاتے ہیں تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ جس کو عادت گناہوں کی پڑ جاتی ہے اس سے پوچھو کہ گناہ چھوڑنے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے، دل کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ دل کیا چیز ہے، بندہ ہے کیونکہ بندے کا ہر جز بندہ ہے جب ہم اللہ کے غلام ہیں تو ہمارا ہر جز اللہ کا غلام ہے پھر دل اللہ کی غلامی سے کیسے نکل سکتا ہے لہٰذا دل کو بہ تکلف زبردستی اللہ کی فرماں برداری پر مجبور کرتے ہیں۔ لہٰذا بابِ تفعل نازل کر کے اللہ تعالیٰ بہ تکلف گناہوں سے بچنے کی تکلیف اُٹھانے والوں کی تعریف فرما رہے ہیں۔

(احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے خلیفہ مولانا یونس پٹیل

صاحب جو افریقہ سے آئے تھے اس تقریر کے وقت موجود تھے، انہوں نے عرض کیا کہ متطہرین باب تفعل سے نازل ہونے کا یہ راز نہ انہوں نے کسی عالم سے سنا نہ کسی کتاب میں پڑھا۔)

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ وضو کے بعد کی جو مسنون دعا ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ کہ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں بنا دیجئے اور گناہوں کی نجاست سے پاک رہنے کی تکلیف اُٹھانے والوں اور گناہوں سے بچنے اور گناہوں کو چھوڑنے کی تکلیف برداشت کرنے والوں میں مجھے بنا دیجئے۔ یہی طہارتِ حقیقیہ ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طہارت کی حقیقت ہے طَھَارَۃُ الْاَسْرَارِ مِنْ دَنَسِ الْاَغْیَارِ یعنی غیر اللہ کے میل کچیل سے دل کا پاک ہو جانا۔ جب کسی حسین یا حسینہ، نمکین یا نمکینہ، دمکین یا دمکینہ، رنگین یا رنگینہ، معشوق یا معشوقہ کی محبت سے دل پاک ہو جائے تو سمجھ لو طہارتِ باطنی حاصل ہوگئی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وضو کے بعد جو یہ دعا تعلیم فرمائی گئی اس میں یہ حکمت ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہا ہے کہ اے اللہ! وضو کر کے میں نے جسم تو دھو لیا، ظاہری طہارت تو حاصل کر لی یہی میرے اختیار میں تھا لیکن دل تک میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا آپ اپنی قدرتِ قاہرہ سے میرے دل کو پاک کر دیجئے یعنی گناہوں کے ذوق، گناہوں کے شوق، گناہوں کے طوق یعنی طوقِ لعنت سے مجھے پاک کر دیجئے۔

اور ایک نکتہ یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ تَوَّابِیْنَ کو اور مُتَطَھِّرِیْنَ کو محبوب رکھتے ہیں تو اُمت کو یہ دعا سکھا دی کہ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں اور بہ تکلف گناہوں کو چھوڑنے کی تکلیف اُٹھانے والوں میں اور غیر اللہ کی محبت سے دل کو پاک کرنے کی

مشقت جھیلنے والوں میں بنا دیجئے تا کہ اس دعا کی برکت سے امت کو مذکورہ طہارتِ باطنی کی توفیق ہو جائے اور اُمت محبوب ہو جائے۔

۸ر صفر المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۸ر مارچ ۲۰۰۵ء بروزِ جمعہ بعد نمازِ عشاء در خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی۔

اسماءِ حسنیٰ کا باہمی ربط

فرمایا کہ قرآنِ پاک میں جہاں دو اسماءِ حسنیٰ ایک ساتھ نازل ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے بے ربط نازل نہیں فرمائے بلکہ اُن میں ایک خاص ربط ہے۔

غَفُوْرٌ اور وَدُوْدٌ کا ربط

مثلاً سورۃ البروج میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ** وہ بہت معاف کرنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے۔

پھولپور میں تالاب پر میں اپنے شیخ اوّل حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑے دھو رہا تھا کہ حضرت دوڑے ہوئے آئے اور اُوپر سے آواز لگائی کہ حکیم اختر جلدی آؤ تلاوت کرتے ہوئے ابھی ابھی ایک علم وارد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے علمِ عظیم عطا فرمایا ہے۔ میں دوڑ کر حضرت کے پاس آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ** اللہ تعالیٰ نے غفور کے بعد ودود کیوں نازل فرمایا؟ گویا فرما رہے ہیں کہ جانتے ہو میں تم کو کیوں جلدی بخش دیتا ہوں؟ مارے میا کے۔ میا کہتے ہیں محبت کو یعنی مارے محبت کے بخش دیتا ہوں، میں غفور کیوں ہوں؟ چونکہ ودود ہوں، چونکہ تم سے محبت کرتا ہوں اس لیے تمہیں معاف کر دیتا ہوں۔ جس سے محبت ہوتی ہے محبت کرنے والا اس کو جلد معاف کر دیتا ہے چنانچہ ماں باپ اپنی

اولاد کو جلد معاف کر دیتے ہیں۔ اگر بیٹا ایک بار کہہ دے کہ ابا غلطی ہو گئی، معاف کر دیجئے تو ابا کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

تَوَّاب اور رَحِیْم کا ربط

ارشاد فرمایا کہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ اِنَّهٗ کے بعد هُوَ کیوں فرمایا جب کہ ضمیر موجود ہے پھر دوبارہ ضمیر کیوں لائے؟ دو دفعہ میں تاکید کر دی تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائے کہ تحقیق کہ اللہ، وہی اللہ جو تواب بھی ہے رحیم بھی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے، وہ تائب نہیں تواب ہے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت قبول کرتا ہے توبہ کو۔ اس کے بعد رحیم کیوں نازل فرمایا؟ یہ فرقہ معتزلہ کا رد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ایک گمراہ فرقہ معتزلہ پیدا ہوگا جو کہے گا کہ معافی مانگنے کے بعد اللہ تعالیٰ قانوناً پابند ہیں کہ بندوں کو معاف کر دیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے وقت ہی تواب کے بعد رحیم نازل فرما کر اس فرقۂ باطلہ کا رد فرما دیا کہ اے ظالمو! میں قانون کا پابند نہیں ہوں، میں قانون اور ضابطہ کی وجہ سے تمہاری توبہ قبول نہیں کرتا بوجہ رحمت کے قبول کرتا ہوں، تمہاری توبہ کو قبول کرنے کی وجہ میری رحمت ہے ضابطہ نہیں ہے، ضابطہ کا پابند تو محتاج ہوتا ہے، میں کسی کا محتاج نہیں ہوں لہٰذا میں تواب ہوں بوجہ رحیم ہونے کے۔ مارے رحمت کے یعنی غلبۂ رحمت کی وجہ سے تمہاری توبہ کو قبول کر لیتا ہوں۔ بوقتِ نزولِ قرآن فرقۂ معتزلہ موجود نہیں تھا۔ لیکن اس وقت اس کا رد نازل فرما دینا خود دلیل ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے۔

عَزِیْز اور غَفُوْر کا ربط

ارشاد فرمایا کہ سورۂ ملک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ عزیز کے معنیٰ ہیں اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَلَا یُعْجِزُهٗ شَیْءٌ فِیْ اِسْتِعْمَالِ قُدْرَتِهٖ عزیز وہ ہے جو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور اُس کو کوئی چیز اپنی طاقت کو استعمال کرنے سے عاجز نہیں کر سکتی۔ ساری دنیا اور ساری دنیا کی طاقتیں اور غیر اللہ کی طاغوتی قوتیں مل کر بھی اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کے استعمال سے نہیں روک سکتیں۔ دیکھئے دنیا کا کتنا ہی بڑے سے بڑا پہلوان آجائے اور وہ کسی کو گھونسہ مارنا چاہے لیکن دس پہلوان اگر اُس کا ہاتھ پکڑ لیں تو مجبور ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں عزیز ہوں یعنی ایسا طاقتور ہوں کہ ہر چیز پر قادر ہوں اور میری طاقت کے استعمال میں کوئی چیز مجھے روک نہیں سکتی۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عزیز کے بعد غفور کیوں نازل فرمایا؟ زبردست طاقت والا اگر معاف کرتا ہے تو اُس کی معافی کی قدر ہوتی ہے اور اگر کوئی کمزور اور ضعیف کہہ دے کہ جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا تو اُس کی معافی کی قدر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ غفوریت کی قدر و عزت کے لیے پہلے عزیز نازل کیا کہ جانتے ہو میں زبردست طاقت والا ہوں، چاہوں تو تمہیں کتا سور بنا دوں، چاہوں تو تمہیں زمین میں دھنسا دوں لہٰذا میری معافی کی قدر کر لو اس لیے عزیز کے بعد غفور نازل فرمایا۔

عَزِیْز اور عَلِیْم کا ربط

فرمایا کہ سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ﴾

(سورۃ یٰس، اٰیۃ: ۳۹)

اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اُس اللہ کا جو زبردست طاقت والا اور علم والا ہے اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں

آفتاب اور ماہتاب کے چلنے کے لیے الگ الگ روٹ مقرر کردیئے ہیں۔ سورج اُسی روٹ پر چلاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مستقر کردیا چنانچہ نکلتا کہیں ہے ڈوبتا کہیں ہے، یہاں طلوع ہورہا ہے امریکہ میں غروب ہورہا ہے اور یہ وہی کرسکتا ہے جو زبردست طاقت والا ہو کہ اپنے انتظامات کو نافذ کرسکے اور زبردست علم والا بھی ہو جو اِن انتظامات کی حکمت اور مصلحت جانتا ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی دو صفت عزیز اور علیم نازل فرمائیں کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنی زبردست طاقت سے سورج اور چاند کو اپنے اپنے مستقر پر ڈال دیا ہے اور وہ اُس کی حکمت و مصلحت بھی جانتا ہے کہ مثلاً چاند اور سورج اور دیگر سیارات کتنے فاصلوں پر رہیں کہ آپس میں نہ ٹکرائیں۔ یا مثلاً بقول سائنس دانوں کے سورج ساڑھے نو کروڑ میل پر ہے، اگر اِس سے اور قریب آجائے تو کھیتوں کا غلہ بھی جل جائے اور انسان بھی جل جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا زبردست علم ہے جس سے سورج کو اتنے فاصلے پر رکھا کہ فوائد حاصل ہوجائیں اور نقصانات نہ پہنچیں یعنی غلہ پک جائے اور جلے نہیں اور انسانوں کو بقدرِ ضرورت روشنی اور گرمی حاصل ہو۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ﴾

(سورۃ یٰس، آیۃ: ۴۰)

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت اور زبردست علم کا بیان ہے کہ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے یعنی قبل از وقت خود طلوع ہوکر چاند کو اور اس کے وقت یعنی رات کو محو کردے جیسا کہ چاند بھی سورج کو اُس کے ظہورِ نور کے وقت نہیں پکڑ سکتا کہ رات آجائے اور چاند کا نور ظاہر ہوجائے اور

اسی طرح نہ رات دن کے زمانۂ مقررہ کے ختم ہونے سے پہلے آسکتی ہے جیسے دن بھی رات کے زمانۂ مقررہ کے ختم ہونے سے پہلے نہیں آسکتا اور چاند اور سورج دونوں ایک ایک دائرہ میں حساب سے اس طرح چل رہے ہیں جیسے گویا تیر رہے ہیں اور حساب سے باہر نہیں ہوسکتے کہ رات دن کے حساب میں خلل واقع ہوسکے۔ ان تمام انتظامات کی مصلحت اور حکمت جاننے کے لیے زبردست علم اور اُن کے نفاذ کے لیے زبردست قدرت کی ضرورت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے دو اسماءِ حسنیٰ عزیز اور علیم نازل فرمائے کہ میں اپنے زبردست علم سے تمام انتظام فلکیات و ارضیات کی حکمت و مصلحت جانتا ہوں اور اپنی قدرتِ عظیمہ سے ان کو نافذ کرتا ہوں۔

۹ر صفر المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰ر مارچ ۲۰۰۵ء بروز اتوار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سندھ بلوچ سوسائٹی، کراچی۔

ایک وفاقی وزیر کو نصیحت

حضرت والا سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب اپنے دوست ایک وفاقی وزیر کو حضرت والا کی زیارت کے لیے لائے۔ لانے والے صاحب کے بھی پہلے ڈاڑھی نہیں تھی حضرت والا کی برکت سے اب ان کے ماشاء اللہ پوری ڈاڑھی ہے۔ ان کو مخاطب کر کے حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے آپ کے لیے بہت دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ڈاڑھی شریعت کے مطابق ایک مشت کر دے تاکہ جب اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں تو اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے دوست کی شکل بھی آپ جیسی ہو جائے، ایک مشت ڈاڑھی ہو جائے اور مونچھیں بھی ایسی ہی باریک ہو جائیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔ آج کل اُمت اس کے خلاف کر رہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُکھ پہنچا رہی ہے۔ بتاؤ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچانے والا کیسے فلاح پائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے کہ ان کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی ہو اور مونچھیں کٹی ہوئی ہوں۔ بس وہ دن مجھے اللہ تعالیٰ جلدی دکھائے آمین اور وزارت کے زمانہ میں ہی اگر یہ ڈاڑھی رکھ لیں اور ساری مخلوق سے اعلان کردیں کہ میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا تو یہ اللہ کے شیر ہوجائیں گے۔ شیر جنگل میں اکیلا ہوتا ہے۔ وہ لومڑیوں اور بندروں کی اکثریت سے ووٹنگ نہیں کراتا کہ لومڑیو تمہاری کیا رائے ہے، وہ نہیں ڈرتا کہ لومڑی کیا کہہ رہی ہے، بندر کیا کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے عمل میں آزاد ہوتا ہے۔ مخلوق اللہ کے سامنے اس سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اس لیے بس اللہ تعالیٰ کو خوش کریں اور مخلوق کو نہ دیکھیں کہ مخلوق کیا کہے گی۔ اللہ کو دیکھیں کہ وہ کیا کہے گا۔ سوچ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ڈاڑھی تھی یا نہیں تھی؟ بس عاشق کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ محبوبِ ربِ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈاڑھی تھی لہٰذا ڈاڑھی رکھ لو تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم یہ کہہ سکیں کہ۔

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

دیکھو! دنیا میں چند روز رہنا ہے۔ آپ کے ابا بھی چلے گئے، اُن کے ابا بھی چلے گئے، اور ایک دن سب کو جانا ہی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ جذبہ عطا فرمادیں کہ ہم اللہ کو راضی اور خوش کرلیں اور ایک لمحہ کو بھی ناراض نہ کریں اور مخلوق کو کمزور اور بے حقیقت سمجھیں، کسی سے مرعوب نہ ہوں چاہے کوئی بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عافیت سے رکھے، دنیا میں بھی عافیت اور عزت وآبرو سے رکھے اور آخرت میں بھی عافیت اور عزت وآبرو سے رکھے۔ آمین! حضرت والا کی نصیحت سے وفاقی وزیر آبدیدہ ہوگئے اور حضرت والا سے

رخصت ہونے کے بعد اپنے دوست سے کہا کہ میں بہت سے بزرگانِ دین کے پاس گیا ہوں لیکن سوائے حضرت والا کے کسی نے مجھ سے ڈاڑھی کے متعلق نہیں کہا۔

فضل ورحمت کی علامت

۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۷؍مئی ۲۰۰۵ء بعد نماز جمعہ

حضرت والا کے حجرہ میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث میں ہے لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَوْلَا فَضْلُ اللہِ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَتُہٗ مَازَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰکِنَّ اللہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ یعنی حدیث پاک میں ہے کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے شقاوت یعنی بدبختی دور کردی جاتی ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کے باوجود اس وقت تک ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت نہ ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر فضل ورحمت کے اللہ والوں کی صحبت بھی مفید نہیں۔ حضرت والا نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ کا جلیس (ہم نشین) ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ومشیت کی علامت ہے، اگر رحمت وفضل نہ ہوتا تو وہ ان کا جلیس بھی نہ ہوتا بلکہ ان سے نفرت اور دشمنی رکھتا۔ اللہ والوں کے پاس جانے کی توفیق اسی کو ہوتی ہے جس کو علمِ الٰہی میں اللہ والا بننا ہوتا ہے اور ان کے پاس آنا جانا اسی فضل ورحمتِ الٰہیہ کی علامت ہے جو سببِ حقیقی ہے تزکیہ کا۔ (مرتب)

صاحبزادی صاحبہ کو ایک نصیحت

نوٹ: مندرجہ ذیل ملفوظات ۱۵؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۶؍مارچ ۲۰۰۶ء کے ہیں جنہیں حافظ ضیاء الرحمٰن نے مرتب کیا۔

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

کی صاحبزادی کی بہت ہی دلی تمنا اور خواہش تھی کہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ عمرہ نصیب ہوجائے۔ چنانچہ حضرت والا نے عمرہ کا ارادہ فرمالیا لیکن بعد میں بوجہ ضعف ارادہ ملتوی فرمادیا۔ حضرت والا کی صاحبزادی کو بہت افسوس اور غم ہوا کہ اس بار بھی حضرت والا کے ساتھ عمرہ نہیں کرسکوں گی۔ لیکن حضرت والا کے داماد منظر میاں کا ارادہ تھا ابھی عمرہ کرنے کا۔ حضرت والا نے اپنی صاحبزادی کو فون پر نہایت ہی درد سے اور اشکبار آنکھوں سے یوں نصیحت فرمائی۔

اپنے شوہر کی مرضی پہ راضی رہو۔ جس بات سے وہ خوش ہوں اسی کو اختیار کرو۔ تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کبھی بھی آپ کے ساتھ عمرہ نہیں کیا اس لیے افسوس ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم بس اپنے شوہر کی مرضی پہ راضی رہو۔ ان کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشی سب خوشیوں سے افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو بیوی کو حکم ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے مگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ لیکن اس سے شوہر کی اہمیت اور اس کا درجہ ظاہر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور کسی کے بارے میں اس عنوان سے ارشاد نہیں فرمایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی بہت قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوش رکھو، اللہ تعالیٰ کو خوش رکھو، اللہ تعالیٰ کو خوش رکھو (بہت ہی جوش اور دردِ محبت سے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی کے سامنے اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کو فدا کردو۔ تمہارا رب تمہارے شوہر کی خوشی سے خوش ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ابا اگر میں آپ کے ساتھ جاتی تو آپ خوش ہوتے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اپنے ابا کی خوشی کو مت دیکھو! اپنے ربا کی خوشی کو دیکھو! اور ربا خوش ہے تمہارے شوہر کی خوشی میں

اس لیے اپنے شوہر کی خوشی کو مقدم رکھو۔ ماں باپ، بہن بھائی سے بھی زیادہ شوہر کا حق ہے، تم باپ کی خوشی کو مت دیکھو، مجھے بہت خوشی ہوگی کہ تم اپنے شوہر کے ساتھ عمرہ کرنے جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی نصیحتوں سے مجھے بہت نفع ہوا، بہت تسلی ہوئی جو تھوڑا سا غم تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔ اب میں بہت خوشی سے جاؤں گی۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اپنے شوہر پہ بھی ظاہر کردو کہ تم کو بہت خوشی ہورہی ہے ان کے ساتھ عمرہ کرنے کی، ذرا بھی غم کا اظہار نہ کرنا۔ اور یہ باتیں اپنی سب بہوؤں کو بھی سمجھا دو اور جہاں جاؤ ان باتوں کو پھیلاؤ۔

شیطان کی ایک چال

ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات شیطان چھوٹی نیکی میں لگا دیتا ہے بڑی نیکی چھڑا کر جیسے گھر میں بیوی بیمار ہے لیکن یہ صاحب بیوی کی تیمار داری کرنے کے بجائے مسجد میں مراقبہ میں بیٹھے ہیں، عرشِ اعظم پہ پہنچے ہوئے ہیں۔ ارے ظالم! اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرش اعظم پر رکھنا ہوتا تو پھر فرش پہ کیوں بھیجتے؟

الہامِ رشد اور شر نفس سے حفاظت کی دعا

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔ لیکن اتنی عقل اور سمجھ نہیں ہوتی کہ کن کن باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو یہ دعا کثرت سے پڑھنی چاہیے:

﴿اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ﴾

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجآء فی جامع الدعوات، ج:۲، ص:۱۸۶)

اس دعا کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی باتیں آتی جائیں گی، اللہ تعالیٰ کی مرضی کی باتیں دل میں آتی جائیں گی۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل میں آواز آتی رہتی ہے کہ اشرف علی

یہ کام کرلو اور یہ کام مت کرو۔

۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۰؍ستمبر ۲۰۰۶ء اتوار بعد عصر

یہ ملفوظ مولانا آصف صاحب نے نقل کیا جو برطانیہ سے چلّہ کے لیے حضرت والا کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانی

ارشاد فرمایا کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الآیۃ) کوئی افریقہ سے آیا ہے کوئی لندن سے، کوئی بلوچستان سے، کوئی پنجاب سے، کوئی سندھ سے، کوئی کہیں سے آیا ہے کوئی کہیں سے لیکن میں سب کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ﴾

(سورۃ الروم، اٰیۃ:۲۲)

کہ زبان و رنگ کا اختلاف یہ میری نشانیاں ہیں، اگر کوئی اللہ کی نشانی کو حقیر سمجھے تو اس کی بہت بڑی نالائقی ہے، وہ بڑا بے ہودہ آدمی ہے۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ زبان و رنگ کے اختلاف سے ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں۔ لوگ گناہ کی حقیقت کو سمجھتے نہیں، اگر کوئی اللہ کی نشانی کو نہیں مانتا، انکار کرتا ہے تو یہ کفر ہے۔ کوئی پنجابی بولتا ہے، کوئی سندھی زبان بولتا ہے تو اردو زبان والے ہنستے ہیں۔ اردو اچھی زبان تو ہے لیکن اس کو تمام زبانوں سے اچھا اور افضل سمجھنا جائز نہیں اور کسی زبان کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔ انگریزی زبان کو بھی حقیر نہ جاننا چاہیے، اگر کوئی انگریز مسلمان ہوجائے تو کیا بولے گا؟ انگریزی ہی تو بولے گا۔ پس جتنی زبانیں ہیں سب کو اچھا سمجھو۔ اگر تم لندن میں پیدا ہوتے تو انگریزی بولتے، پنجاب میں پیدا ہوتے تو پنجابی بولتے، سندھ میں پیدا ہوتے تو

سندھی بولتے لہٰذا جو زبان تمہاری ہوتی کیا اس کو حقیر سمجھتے ؟ لہٰذا کسی زبان کو حقیر نہ سمجھو۔

جب ہم بنگلہ دیش گئے تو کبھی کسی بنگلہ دیشی کو حقیر نہیں سمجھا، اسی وجہ سے سب بنگلہ دیشی عاشق ہو گئے کیونکہ مجھ میں عصبیت نہیں ہے، عصبیت کا نہ ہونا یہ بات بہت کم پاؤ گے۔ میرے کتنے دوست پنجاب کے ہیں لیکن ان کی پنجابی سے مجھے مزہ آتا ہے۔

اپنے قلب کا جائزہ لیتے رہو کہ عصبیت کا کوئی ذرّہ دل میں تو نہیں ہے۔ اگر عصبیت کا ایک ذرّہ بھی دل میں ہوا تو سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ ایک غزوہ میں ایک شخص بہت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ ایک صحابی نے اس کی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جہنمی ہے۔ وہ صحابی اس کے پیچھے لگ گئے۔ آخر میں دیکھا کہ وہ زخمی ہو گیا اور زخموں کی تاب نہ لا کر اپنی تلوار سے اس نے خودکشی کر لی۔ صحابی نے آکر یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اسلام کے لیے نہیں عصبیت کے لیے لڑ رہا تھا کہ میرے قبیلہ کا نام ہوگا۔ پس خوب سمجھ لو کہ عصبیت جہنم میں لے جانے والی ہے، زبان اور رنگ کو حقیر سمجھنا جہنم میں جانے کا سامان کرنا ہے۔

اس مضمون کو پھیلاؤ، اس کا بہت فائدہ ہوگا، آج کل اس کی ہر جگہ اشاعت کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان اس مضمون کو آگے پھیلائے۔ کسی زبان کو حقیر نہ سمجھو، زبان اور رنگ کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا دلیل ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی نشانی کا انکار کر رہا ہے۔

جتنے آدمی یہاں موجود ہیں سب اس مضمون کو پھیلائیں وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ...... الخ آدمی اپنے باپ کی نشانی کی عزت کرتا ہے،

اس کو دیکھ کر باپ کو یاد کر کے روتا ہے کہ یہ میرے ابا کی نشانی ہے۔ وہ بندہ کتنا نالائق ہے جو اللہ تعالیٰ کی نشانی کو جھگڑے کا ذریعہ بناتا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں چاہے لندن کے ہوں، چاہے یوگینڈا کے ہوں۔ کالے گورے اللہ تعالیٰ بناتے ہیں، خود نہیں بنتے، اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں۔ رنگ و زبان کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ جو قرآن پاک کی کسی آیت پر ایمان نہ لائے وہ قرآن پاک کا انکار کرنے والا ہے۔

میں نے ملاوی میں کہا تھا کہ برطانیہ کے کتے بلّی اور دوسرے ملکوں کے کتے بلّی سب کی ایک ہی زبان ہے۔ برطانیہ کا کتا بھی بھوں بھوں کرتا ہے اور افریقہ کا کتا بھی بھوں بھوں کرتا ہے، برطانیہ کی بلّی بھی میاؤں بولتی ہے اور افریقہ کی بلّی بھی میاؤں بولتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جانورں کی زبانوں میں اختلاف نہیں رکھا کیونکہ جانوروں کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی قرار نہیں دیا اور انسان کو مختلف زبانیں اور مختلف رنگ دیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے رنگ اور زبانوں کے اختلاف کو اپنی نشانی قرار دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے محبت کرو۔ محبوب کی نشانی سے محبت کی جاتی ہے۔ اس کو نفرت، نزاع اور جھگڑے کا ذریعہ نہیں بنایا جاتا۔

۲۳؍محرم الحرام ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲؍فروری ۲۰۰۷ء، بروز دوشنبہ بعد نمازِ ظہر حضرت والا کے حجرۂ مبارک میں حاضرین سے یہ الہامی مضمون ارشاد فرمایا

تقویٰ کے معنیٰ

ارشاد فرمایا کہ ہر زمانہ میں اس وقت کے اولیاء کے طریقہ کو دیکھنا چاہیے، شاہراہِ اولیاء پر چلنا چاہیے، پہلے زمانے میں لوگ قوی تھے، صحتیں اچھی تھیں اس لیے ان کا دل نرم کرنے کے لیے اللہ کے خوف سے رُلایا جاتا تھا،

لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے، اب لوگ کمزور ہوگئے ہیں، جس کو دیکھو ذہنی الجھن، اعصابی تناؤ، اختلاجِ قلب اور ڈپریشن کا شکار ہے۔ اس لیے اب رونے کے بجائے ہنسنے سے خدا مل جائے گا، بس ایک شرط ہے کہ ایک بھی گناہ نہ کرے، بالکل متقی رہے تاکہ اللہ کی دوستی بالکل صحیح سالم رہے۔ اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾

(سورۃ یونس، اٰیۃ: ۶۲)

اور دوسری آیت میں ہے:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾

(سورۃُ الانفال، اٰیۃ: ۳۴)

میرا کوئی ولی نہیں ہے، مگر جو متقی ہیں۔ بتایئے! اس آیت میں کہیں رونے کی شرط ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ میرے ولی صرف متقی بندے ہیں تو تقویٰ کے معنی رونا نہیں ہے کہ جو بہت روتا ہو وہ میرا ولی ہے۔ متقی کے معنی یہ ہے کہ جو گناہ سے بچتا ہو، کسی بھی عالم سے متقی کے معنی پوچھ لو، سب یہی بتائیں گے کہ متقی اُسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچتا ہو، گناہوں کو کچل کے رکھ دو، بس اللہ کے ہوجاؤ گے۔

تقویٰ کے معنی پرہیز کرنا ہے، یعنی جو گناہوں سے پرہیز کرتا ہو، اس میں رونے کا کہیں ذکر نہیں ہے، بعض اوقات آدمی روتا تو بہت ہے مگر گناہ بھی کرتا ہے، وہ متقی نہیں ہے، وہ نافرمان ہے، متقی رونے سے نہیں بنتے، اگر کوئی گھڑے بھر بھر کر روتا ہو اور رونے کے بعد کسی عورت سے زِنا کرتا ہو یا لواطت کرتا ہو یا کوئی بھی گناہ کرتا ہو تو وہ اللہ کا ولی نہیں ہے، وہ بدمعاش ہے، اللہ کا نافرمان ہے۔ بہت سے لوگ رونے کے بعد گناہ کرلیتے ہیں، کیونکہ رونے سے

دل مطمئن ہوجاتا ہے، دل میں اطمینان آجاتا ہے اس لیے وہ سوچتے ہیں کہ گناہ کرنے کے بعد پھر رولیں گے، رونے کے بھروسے پر وہ گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ نفس کا بہت بڑا دھوکا ہے کہ گناہ کرتے رہو اور پھر روکر معاف کرالو۔ ایسے رونے سے نفس کبھی پاک نہیں ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر بگرید ور بنالد زار زار

او نخواہد شد مسلماں ہوش دار

اگر نفس زار و قطار روئے تو اس کے دھوکہ میں نہ آنا، محض رونے سے یہ فرماں بردار نہیں ہوگا۔ بس کوئی گناہ نہ کرو متقی بن جاؤ گے، اللہ کے ولی ہو جاؤ گے اِنْ اَوْلِیَآءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ میرا کوئی ولی نہیں سوائے متقی کے اور تقویٰ کے معنی رونے کے نہیں ہیں، تقویٰ کے معنی ہیں گناہوں سے بچنا اور جس کو گناہ سے بچنا مشکل لگتا ہو وہ اللہ والوں کے پاس رہے جہاں کچھ متقی بندے رہتے ہوں جو گناہوں سے بچتے ہوں ان میں جا کر رہے، تنہائی میں ایک منٹ بھی نہ رہے، اکیلے رہے گا تو گناہ کرلے گا، نیک لوگوں میں ہنسے بولے، بدمعاشوں میں بالکل نہ رہے۔

اگر کسی کو رونے کی بیماری ہے، ہر وقت روتا رہتا ہے تو اس شخص کے لیے رونا حرام ہے، کیونکہ ہر وقت رونے سے صحت خراب ہوجاتی ہے اور صحت کی حفاظت فرض ہے، صحت خراب ہوجائے گی تو کچھ بھی نہیں کرے گا، فرض نماز روزوں کے قابل بھی نہیں رہے گا، اللہ کا نام بھی نہیں لے گا۔ بس صحت کے لیے ہنسنا اور نیک دوستوں میں رہنا ضروری ہے بلکہ فرض ہے۔ جس کو رونے کی بیماری ہو، جب دیکھو رو رہا ہے، تو اس کو ہنسایا جائے، ہنسنا بھی اس کے لیے عبادت ہے اور فرض عبادت ہے، اس کو بالکل نہیں رونے دیا جائے، وہ نیک لوگوں میں ہنسے اور یہ نیت کرلے کہ ہنسنے سے میرا دماغ اعتدال پہ رہے گا، اس

کی صحت ہنسنے پر موقوف ہے تو صحتِ موقوف کو حاصل کرے، رونا اس کے لیے خطا ہے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے، کیونکہ وہ بیمار ہے مگر پھر بھی رو رہا ہے، رونے سے اس کی بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔

آج کل انسان پہلے ہی سے رو رہا ہے، ہر انسان مصیبت زدہ ہے، وہ پہلے زمانے کی بات تھی جب انسان خوش رہتے تھے، اب تو ہر انسان مصیبت میں مبتلا ہے، اسی لیے کہتا ہوں کہ جو ہر وقت روتا ہو وہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر کوئی بالکل نہ روئے مگر گناہوں سے بچتا ہو وہ اللہ والا ہے، متقی ہے۔ دلیل قرآن پاک کی آیت ہے اِنْ اَوْلِیَآءُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ میرا کوئی ولی نہیں مگر متقی اور متقی کے معنی رونے والے کے نہیں ہیں، جو گناہوں سے بچتا ہو وہ متقی ہے، یعنی اس پر اتنا خوف رہتا ہے کہ گناہ نہیں کرتا، ہر گناہ سے بچتا ہے چاہے بالکل نہیں روتا، آنسو نہیں نکلتے تو بھی اس کی ولایت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کو رونا نہ آئے وہ رونے والوں کی شکل بنالے فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونا فرض نہیں بتارہے ہیں، بلکہ اگر کسی کو رونا نہ آئے تو اس کا متبادل بتارہے ہیں کہ رونے والوں کی شکل بنالو، ان شاء اللہ اس سے بھی کام بن جائے گا تو جس کو رونا نہ آئے وہ بتکلف رولے، آنکھ میں آنسو نہ آئے تو رونے والوں کی سی شکل بنالے۔

رونا مطلق منع نہیں ہے، مقید ہے، جو لوگ مضبوط دل و دماغ کے ہیں، اللہ کی یاد میں ان کا رونا مفید ہے، لیکن جو بیمار ہے، رونے سے اس کی بیماری بڑھ رہی ہے اور بیماری بڑھنے سے دل و دماغ کمزور ہو رہے ہیں، دماغی توازن بگڑ رہا ہے تو وہ اگر روئے گا تو اور کھوئے گا، اس کے لیے ہنسنا فرض ہے۔ اسی لیے پیر سے تعلق کرنا ضروری ہے لیکن پیر جعلی نہ ہو، لالچی نہ ہو، سچا پیر ہو، جو وہ بتائے وہ کرو، پھر اللہ والے ہو جاؤ گے۔

اور زیادہ ہنسنا بھی گناہ ہے، اتنا ہنسو جس سے صحت ٹھیک رہے، صحت کے لیے ہنسنا فرض ہے، اتنا ہنسو کہ رونے کی عادت ختم ہوجائے، مگر جب تک بالکل ٹھیک نہ ہوجائے اس وقت تک ہنستا رہے، رونے کا نام بھی نہ لے اور ہنسنے میں جھوٹ نہ ہو، ہنسنا بھی سچا ہو، ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ بولنا درست نہیں، اگر ہنسی میں جھوٹ ملا ہوگا تو وہ عبادت کیسے ہوگی، ہنسنا ایسا ہو جس سے اللہ بھی راضی ہو، ایسے ہنسی مذاق سے بچو جس سے اللہ ناراض ہو، ہنسنے ہنسانے میں بھی یہ شرط ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جھوٹی ہنسی نہ ہو، کوئی غلط بات نہ ہو، سنبھل کر بات کرے جیسے ہمارے بزرگانِ دین ہنساتے ہیں، لیکن اتنا نہیں ہنساتے کہ رات دن بس ہنستا ہی رہے، تھوڑا سا ہنسا دیا اور پھر دین کی باتیں کرتے ہیں، دین کی باتیں سنتے ہیں۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں، ہنستے رہتے ہیں، میں کہتا ہوں جو بزرگ نہ ہنسے تو سمجھ لو کہ وہ بزرگ ہی نہیں ہے، اس کی صحت خراب ہوجائے گی، اس زمانے میں ہنسنا ضروری ہے، ہنسو لیکن اللہ سے غافل نہ ہو۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

ہنسی بھی ہے گو لبوں پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

اور میرا شعر ہے ؎

لب ہیں خنداں، جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۴ اپریل ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ

حضرت والا کا کمالِ ادب

ایک صاحب جو دبئی میں رہتے ہیں اور اکثر پاکستان آتے رہتے ہیں ان سے حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ مکہ شریف اور مدینہ شریف جاتے ہو؟

لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے، اب لوگ کمزور ہوگئے ہیں، جس کو دیکھو ذہنی الجھن، اعصابی تناؤ، اختلاجِ قلب اور ڈپریشن کا شکار ہے۔ اس لیے اب رونے کے بجائے ہنسنے سے خدامل جائے گا، بس ایک شرط ہے کہ ایک بھی گناہ نہ کرے، بالکل متقی رہے تاکہ اللہ کی دوستی بالکل صحیح سالم رہے۔ اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں فرمایا:

﴿اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللهِ لاَخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لاَ هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾

(سورۃ یونس، اٰیۃ: ۶۲)

اور دوسری آیت میں ہے:

﴿اِنْ اَوْلِیَآءُ هٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾

(سورۃ الانفال، اٰیۃ: ۳۴)

میرا کوئی ولی نہیں ہے، مگر جو متقی ہیں۔ بتایئے! اس آیت میں کہیں رونے کی شرط ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ میرے ولی صرف متقی بندے ہیں تو تقویٰ کے معنی رونا نہیں ہے کہ جو بہت روتا ہو وہ میرا ولی ہے۔ متقی کے معنی یہ ہے کہ جو گناہ سے بچتا ہو، کسی بھی عالم سے متقی کے معنی پوچھ لو، سب یہی بتائیں گے کہ متقی اُسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچتا ہو، گناہوں کو کچل کے رکھ دو، بس اللہ کے ہوجاؤ گے۔

تقویٰ کے معنی پرہیز کرنا ہے، یعنی جو گناہوں سے پرہیز کرتا ہو، اس میں رونے کا کہیں ذکر نہیں ہے، بعض اوقات آدمی روتا تو بہت ہے مگر گناہ بھی کرتا ہے، وہ متقی نہیں ہے، وہ نافرمان ہے، متقی رونے سے نہیں بنتے، اگر کوئی گھڑے بھر بھر کر روتا ہو اور رونے کے بعد کسی عورت سے زِنا کرتا ہو یا لواطت کرتا ہو یا کوئی بھی گناہ کرتا ہو تو وہ اللہ کا ولی نہیں ہے، وہ بدمعاش ہے، اللہ کا نافرمان ہے۔ بہت سے لوگ رونے کے بعد گناہ کرلیتے ہیں، کیونکہ رونے سے

دل مطمئن ہوجاتا ہے، دل میں اطمینان آجاتا ہے اس لیے وہ سوچتے ہیں کہ گناہ کرنے کے بعد پھر رولیں گے، رونے کے بھروسے پر وہ گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ نفس کا بہت بڑا دھوکا ہے کہ گناہ کرتے رہو اور پھر رو کر معاف کرالو۔ ایسے رونے سے نفس کبھی پاک نہیں ہوگا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بگرید ور بنالد زار زار

اونخواہد شد مسلماں ہوش دار

اگر نفس زار وقطار روئے تو اس کے دھوکہ میں نہ آنا، محض رونے سے یہ فرماں بردار نہیں ہوگا۔ بس کوئی گناہ نہ کرو متقی بن جاؤ گے، اللہ کے ولی ہوجاؤ گے اِنْ اَوْلِیَآءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ میرا کوئی ولی نہیں سوائے متقی کے اور تقویٰ کے معنی رونے کے نہیں ہیں، تقویٰ کے معنی ہیں گناہوں سے بچنا اور جس کو گناہ سے بچنا مشکل لگتا ہو وہ اللہ والوں کے پاس رہے جہاں کچھ متقی بندے رہتے ہوں جو گناہوں سے بچتے ہوں ان میں جا کر رہے، تنہائی میں ایک منٹ بھی نہ رہے، اکیلے رہے گا تو گناہ کرلے گا، نیک لوگوں میں ہنسے بولے، بدمعاشوں میں بالکل نہ رہے۔

اگر کسی کو رونے کی بیماری ہے، ہر وقت روتا رہتا ہے تو اس شخص کے لیے رونا حرام ہے، کیونکہ ہر وقت رونے سے صحت خراب ہوجاتی ہے اور صحت کی حفاظت فرض ہے، صحت خراب ہوجائے گی تو کچھ بھی نہیں کرے گا، فرض نماز روزوں کے قابل بھی نہیں رہے گا، اللہ کا نام بھی نہیں لے گا۔ بس صحت کے لیے ہنسنا اور نیک دوستوں میں رہنا ضروری ہے بلکہ فرض ہے۔ جس کو رونے کی بیماری ہو، جب دیکھو رو رہا ہے، تو اس کو ہنسایا جائے، ہنسنا بھی اس کے لیے عبادت ہے اور فرض عبادت ہے، اس کو بالکل نہیں رونے دیا جائے، وہ نیک لوگوں میں ہنسے اور یہ نیت کرلے کہ ہنسنے سے میرا دماغ اعتدال پہ رہے گا، اس

۲۷ر جولائی ۲۰۰۳ء، بروز اتوار

صبح دس بجے کے قریب کچھ حضرات ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ان کا بیٹا قرآن شریف حفظ کر رہا تھا کہ اچانک چھوڑ دیا۔ بہت سمجھانے کے بعد اب الحمدللہ حفظ دوبارہ شروع کیا ہے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اور اپنی اولاد کے تقویٰ کی فکر زیادہ کرو، حافظ یا عالم ہونا فرضِ کفایہ ہے لیکن تقویٰ فرضِ عین ہے۔ متقی ہونا ایسا فرض ہے کہ جیسے نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، ایسے ہی تقویٰ سے رہنا فرضِ عین ہے۔ اور جن کے پاس جانے سے تقویٰ ملتا ہے ان کے پاس جانا بھی فرضِ عین ہے کیونکہ فرضِ عین کا مقدمہ بھی فرضِ عین ہوتا ہے۔ جیسے انڈا مرغی کے پروں کے نیچے اکیس دن رہتا ہے تو اس بے جان انڈے میں جان آجاتی ہے، مردہ کو حیات مل جاتی ہے ایسے ہی اہل اللہ کی صحبت سے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو ایمانی حیات عطا فرماتے ہیں اس لئے اہلُ اللہ کی قدر اس کو ہوتی ہے جو ایمانی حیات چاہتا ہے۔

محمد بھام صاحب جن کو حضرت والا ازراہِ مزاح گلفام کہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ جب میں ۱۴ر سال کا تھا اس وقت میں نے حضرت والا سے ملاقات کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی، جس کی قبولیت کا ظہور تمیں سال کے بعد ہوا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک صاحب جو کتابوں کا کاروبار کرتے تھے، انہوں نے ایک بڑے عالم سے کہا کہ ایک کتاب آئی ہے جس کا نام ہے معرفتِ الٰہیہ، عجیب وغریب کتاب ہے۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ میں اس کتاب کو چار مرتبہ پڑھ چکا ہوں لیکن ابھی جی نہیں بھرا، ہر دفعہ دوبارہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے بھی وہ کتاب خرید لی اور پڑھ کر دعا کی کہ یا اللہ اس کتاب کے مصنف سے مجھے ملاقات نصیب ہو جائے تو الحمدللہ تمیں سال کے بعد انگلینڈ

میں یہ شرف نصیب ہوا حالانکہ بچپن میں ہندوستان کے صوبہ گجرات میں یہ دعا کی تھی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ دعا کا قبول اور ہے، ظہور اور ہے۔ درخواست منظور ہوگئی لیکن ظہور بعض دفعہ بعد میں ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے وساوس کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ وسوسہ اس امت پر معاف ہے لیکن اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرو۔ خیال آ گیا تو ادھر توجہ نہ کرو۔ وسوسہ آنا برا نہیں لانا برا ہے۔ آنا اور لانا میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ حل کر دیا۔ بس اس کی طرف اپنے اختیار سے توجہ نہ کرو یعنی اس میں مشغول نہ ہو۔ اگر وسوسہ آیا اور اس میں ایک سیکنڈ بھی قصداً مشغول ہو گئے تو مجرم ہو گئے اس سے مرض اور بڑھ جائے گا۔ اب اللہ سے توبہ کر لیں کہ یا اللہ وسوسہ آنے سے جو میں اس میں مشغول ہوا اپنی رحمت سے میری اس مشغولی فی الوسوسہ کو معاف کر دیجئے۔ وسوسہ کا علاج عدم التفات ہے یعنی نہ اس میں مشغول ہوں نہ اس کو بھگانے کی کوشش کریں بلکہ کسی مباح کام میں لگ جائیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ مجھے غصہ بہت آتا ہے، کبھی جائز اور کبھی ناجائز۔ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بے موقع اور خلافِ اصول بات کرے تو غصہ آنا ہی چاہیے لیکن ایسی جگہ جہاں غصہ کرنا جائز نہ ہو غصہ کو ضبط کرنا مستحسن ہے اور ایسی جگہ غصہ کرنا گناہ ہے، بے جا غصہ کو ضبط کرے اور جہاں سمجھے کہ غصہ کرنا مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے وہاں غصہ کر لے لیکن حد کے اندر، جہاں حد سے گذرا، ناپسندیدہ ہو جائے گا۔ غصہ آنا برا نہیں ہے، بے جا غصہ کرنا برا ہے اسی لئے وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ فرمایا کہ ہمارے خاص بندے غصہ کو پی جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا ہے کہ وَالْعَادِمِیْنَ الْغَیْظَ نہیں فرمایا کیونکہ غصہ کو معدوم کرنا مراد نہیں ہے۔ کاظمین فرمایا کہ

غصہ کا گھونٹ پی جاؤ، ضبط کرلو۔ کظم کہتے ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ امْتِلَاءِ هَا یعنی مشک کی گردن میں رسی باندھ دینا جب وہ بھر جائے اور پانی باہر نکلنے لگے۔ اسی طرح غصہ آجائے تو اس وقت غصہ کی گردن میں رسی باندھ دو یعنی ضبط کرلو۔ اگر غصہ کو معدوم کرنے کا حکم ہوتا تو والعادمین نازل ہوتا لیکن والکاظمین نازل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ غصہ کو معدوم کرنا مطلوب نہیں، غصہ کو ضبط کرنا مطلوب ہے کیونکہ اگر غصہ ہی نہ آئے تو آدمی جہاد کیسے کرے گا، کافروں کو کیسے للکارے گا، لہٰذا غصہ کا آنا برا نہیں ہے۔ جہاں ضرورت ہو وہاں نافذ کرو اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں صبر کرو۔

عشقِ مجازی کا کشتہ

ارشاد فرمایا کہ عشقِ مجازی کا مادّہ برا نہیں بلکہ مفید چیز ہے بشرطیکہ اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرو، اس کو کشتہ کردو جیسے سنکھیا اگر کچا کھالو تو مر جاؤ گے لیکن اسی کو کشتہ کردو گے تو وہی طاقت کی دوا بن جاتا ہے۔ کشتہ معنی مار اہوا، اسی طرح عشقِ مجازی کا کشتہ کردو، ماردو تو یہی حیات افزا بن جاتا ہے، حیاتِ ایمانی کا سبب بن جاتا ہے، اللہ تک پہنچا دیتا ہے۔ عشقِ مجازی کا مادّہ اندر رہے لیکن اس پر عمل نہ ہو تو اسی کا نام ہے عشقِ مجازی کا کشتہ کردینا۔ عشقِ مجازی کے کشتہ کرنے کے طریقے سن لو، آنکھ کسی حسین کو دیکھنا چاہے تو اس کو نہ دیکھنے دو، کان سے معشوق کی بات نہ سنو، ناک سے اس حسین کو سونگھو مت کیونکہ یہ عشق اژدھا ہے، یہ سونگھ کر بھی معشوق کو ہڑپ کرلیتا ہے، اور ہاتھ سے اس کو خط نہ لکھو کہ آپ کی یاد میں رو رہا ہوں، جل رہا ہوں، بھن رہا ہوں۔ لہٰذا دنیا کے ان معشوقوں سے نہ بات کرنا جائز ہے، نہ ان کی بات سننا جائز ہے، نہ ان کو دیکھنا جائز ہے۔ پس نہ ان کو دیکھو، نہ ان سے بات کرو، نہ ان کی بات سنو، نہ ان کو خط لکھو، نہ ان کے پاس جاؤ، بلکہ اس گلی سے بھی نہ گذرو جدھر وہ رہتی ہے یا رہتا

ہے۔ یہ معشوقوں کی دو قسمیں ہیں اور دونوں سے بچنا ضروری ہے۔ شہرِ معشوق بھی چھوڑ دینا افضل ہے، اُس شہر میں رہنا چاہیے جہاں اللہ سے ہم دُور نہ ہوں، ہمارا اللہ جہاں ہمارے ساتھ ہو، کیونکہ ان حسینوں کا حسن فنا ہونے والا ہے، اور اللہ کا نام ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

علی گڑھ میں ایک لڑکا بہت حسین تھا، بڑے بڑے پروفیسر اس پر عاشق ہو گئے تھے اور اس کو خوب لڈو کھانے کو ملتے تھے۔ اس کے بعد جب اس کے ڈاڑھی مونچھ آ گئی، بغل میں بال، سینہ پر بال، پیٹھ پر بال، جس کی میں یوں تعبیر کرتا ہوں کہ سینہ پر صحرائے سینائی ہے اور پیٹھ پر فلسطینی چھاپہ مار ہیں یعنی گردن پر، بغل میں، پیٹھ پر بے شمار بال آ گئے تو رسالہ لکھنے والے نے لکھا کہ اُس وقت بڑے بڑے پروفیسر جو اس کے عاشق تھے اس کو دیکھ کر کترانے لگے کیونکہ اس کو دیکھ کر اس سے گھن آنے لگی تھی۔ مصنف نے اس موقع پر بہت عمدہ شعر لکھا ہے کہ ؎

گیا حُسن خوبانِ دلخواہ کا

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

کیا مرنے والوں پر مرتے ہو کل یہی لڑکیاں بڈھی ہو جائیں گی اور لڑکا بڈھا ہو جائے گا اور دونوں کی گردن رعشہ سے ہلنے لگے گی تو اس وقت ان سے عشق کرو گے؟ گدھے کی طرح بھاگو گے جو شیر کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ لہٰذا حسنِ مجازی میں مبتلا ہونا احمقوں اور بے وقوفوں کا کام ہے اور عقلمندی کا کام ہے عشق مجازی کو کشتہ کر دینا یعنی اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا، تو یہی عشق مجازی کشتہ ہو کر کیمیا بن جاتا ہے اور حیاتِ ایمانی کا سبب بن جاتا ہے اور آدمی اللہ والا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آج عشق مجازی کو کشتہ کرنے کا طریقہ بتا دیا کہ اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرو تو یہ عشق مجازی کشتہ بن کر بہت مفید ہو جاتا ہے۔

وہ لوگ اللہ کا شکر ادا کریں جو عشق مجازی سے، بچ گئے۔ عشق مجازی

میں جو دن گذرے، جو راتیں گذریں سب غارت ہو گئیں، وہ دن بے کار ہو گئے، وہ راتیں بے کار ہو گئیں۔ ابھی اس کا پتہ نہیں چلے گا، پتہ اس وقت چلے گا جب اُس کی شکل بگڑ جائے گی۔ یہ تو اس کا انجام ہے، اس وقت تو سوائے پچھتانے کے، ہاتھ ملنے اور گدھے کی طرح حسنِ رفتہ سے بھاگنے کے اور کچھ نہیں ملتا لیکن عین عالمِ شباب میں بھی عشقِ مجازی عذاب الٰہی ہے۔ دوزخیوں کی سی زندگی ہوتی ہے لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی نہ موت آتی ہے نہ حیات ملتی ہے، زندگی اور موت کے درمیان میں تڑپتا رہتا ہے۔

نہ اُگلا جائے ہے مجھ سے
نہ نگلا جائے ہے مجھ سے

جیسے سانپ چھچھوندر کو کھاتا ہے تو نہ نگل سکتا ہے نہ اگل سکتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جو عشق مجازی میں مبتلا ہوتا ہے وہ احمق نمبر وَن (One) ہے۔ اور جو عشق مجازی سے نجات پا گیا، خود اس کی روح گواہی دے گی کہ دوزخ سے نکل کر جنت میں آ گیا۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ خوب دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس کام میں اللہ نے مجھے پی ایچ ڈی بنایا ہے یعنی عشقِ مجازی کی تباہ کاریوں سے نجات کے طریقے، وہی کام کرنے کی توفیق دے کہ جو مجازی آگ میں جل رہے ہیں ان کو اس آگ سے چھڑا کر اللہ سے ملا دوں، اللہ ملا دے اپنی رحمت سے، میں کیا ملاؤں گا، مجھے ذریعہ بنا دے۔

اگر اللہ کی مدد نہ ہو تو مقرر بھی مجاز کا گُو کھانے لگے۔ اللہ کی مدد ہوتی ہے جس سے خود بھی بچتا ہے اور بچاتا بھی ہے، جو خود نہیں بچتا وہ کیا بچائے گا، اس کی تقریر میں جان نہیں رہے گی، تقریر سے پتہ چل جاتا ہے کہ مقرر بھی بچتا ہے اور اس کو عشق کا تقاضا ہے یعنی ہر معشوق کو دبوچنے کا مادّہ اس کے اندر

بھی موجود ہے مگر غم اٹھاتا ہے، اللہ کے لئے برداشت کرتا ہے، مگر وہ عشق سے بے بہرہ اور خالی نہیں ہے، عشق مجازی کا مادّہ اس کے اندر بھی ہے، اس کا دل بھی چاہتا ہے کہ دنیا میں کوئی حسین نہ چھوڑوں، سب حسینوں کو (use) کرلوں لیکن اللہ کے خوف سے بچا ہوا ہے، اسی لئے اس کی بات میں اثر ہوتا ہے جس سے دوسروں کو بھی بچنے کی توفیق ہوتی ہے اور جو خود پرہیز نہ کرے تو اس کی بات میں اثر نہیں ہوتا، بدپرہیز آدمی پرہیز کے لیے کہے تو اس کی نصیحت بے اثر ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ اے اللہ! میرے قلب کے وساوس کو آپ اپنا ڈر اور اپنا ذکر بنا دیجئے یعنی ہمارے وسوسے آپ کی خشیت اور آپ کے ذکر میں تبدیل ہو جائیں، یعنی وساوس کے بجائے دل میں آپ کی خشیت اور آپ کی یاد ہو، یہی میرا اوڑھنا بچھونا ہو جائے، بس اس کی جنت دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور جس شخص کے اندر شہوانی تقاضے اور خیالات ہیں اور وہ ان پر عمل بھی کر لیتا ہے تو سمجھ لو دنیا ہی میں اس کی دوزخ شروع ہوگئی، دوزخ کا اصلی عذاب تو بعد میں آئے گا لیکن اس کی دوزخ کی ابتداء ہوگئی۔

آج صبح آٹھ بجے جنوبی افریقہ سے حضرت مولانا عبدالحمید صاحب لیسٹر پہنچے۔ انہوں نے عرض کیا کہ سفر سے حضرت بہت تھک گئے ہوں گے۔ فرمایا کہ ہاں! مگر اللہ کی محبت ایسی چیز ہے کہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب سے مجھے معلوم ہوا کہ جنت میں دوستوں سے ملاقات ہوگی تو مجھے جنت کا شوق بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ جاؤ میرے خاص بندوں سے ملو، یہ میرے ہیں، یہ دنیا میں میرے بن کے رہے، نفس وشیطان کے نہیں ہوئے تو میں کیوں نہ کہوں کہ یہ میرے ہیں، نفس وشیطان نے ان سے بہت

تقاضا کیا تھا لیکن ان سے جان چھڑا کے میرے دربار میں آ گئے، میرے بن گئے تو میں نے یاءِ نسبتی لگا دی فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ جب یہ میرے رہے تو میں کیوں نہ کہوں کہ یہ میرے خاص ہیں۔ لہٰذا پہلے میرے خاص بندوں میں جاؤ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اور ان کے طفیل میں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اصل اللہ والوں کی ملاقات ہے، اصل جنت یہی ہے کہ اللہ والوں کی ملاقات ہو مگر ان کے طفیل میں جنت بھی لے لو۔

شام آٹھ بجے بعد نمازِ عصر حضرت والا مجلس دعوۃ الحق لیسٹر کے بڑے ہال میں تشریف لائے۔ حضرت مولانا ایوب سورتی صاحب نے اظہارِ تشکر فرمایا کہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت والا معذوری کے باوجود اتنی تکلیف اٹھا کر اور سفر کی طویل مشقت برداشت فرما کر انگلینڈ تشریف لائے، ہم اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ حضرت کی صحبتِ بابرکت سے مستفید ہوں اور اعلان فرمایا کہ جب تک حضرت والا کا یہاں قیام ہے روزانہ بعد نمازِ عصر تا مغرب اور صبح ۱۱ سے ۱۲ بجے تک ان شاء اللہ حضرت والا کی مجلس ہوا کرے گی، لیکن حضرت والا کی صحت کی رعایت بھی ہمارے لیے ضروری ہے، اس لئے استفادہ کے لئے بیان ضروری نہیں، حضرت کی زیارت ہی کافی ہے۔ اگر حضرت والا کی طبیعت موزوں ہوئی تو کچھ ارشاد فرما دیں گے ورنہ حضرت والا کے ممتاز خلیفہ مولانا عبدالحمید صاحب جو جنوبی افریقہ سے تشریف لائے ہیں اور حضرت والا کے علوم کے ترجمان ہیں، وہ بیان فرما دیا کریں گے۔

بدنظری اور عشقِ مجازی کی مذمت پر عجیب تقریر

اس کے بعد حضرت والا نے خطبہ پڑھا اور بیان شروع فرمایا۔

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ایک روحانی بیماری کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آگاہ

فرمایا ہے قل للمومنین یغضوا من ابصارھم اے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں و یحفظوا فروجھم اور یہ نگاہوں کی حفاظت ان کی شرم گاہوں کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ان دونوں آیتوں میں یہ ربط ہے کہ جو اپنی نگاہوں کو بچائے گا اس کی شرم گاہ بھی بچی رہے گی اور اگر نگاہ خراب کرے گا یعنی عورتوں یا لڑکوں کو دیکھے گا تو اس کی شرم گاہ کی خیر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں آیتوں کو ملا کر بیان کیا جس کے اندر یہ علمِ عظیم مخفی ہے کہ نگاہوں کی حفاظت پر شرم گاہ کی حفاظت موقوف ہے۔

قرآن پاک کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری شریف ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زنا العین النظر آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے۔ النظر مبتدا جو مقدم تھا اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤخر کیا اور خبر زنا العین کو مقدم کیا تا کہ اہمیت پیدا ہو اور امت کے اندر احساس پیدا ہو کہ نظر بازی آنکھوں کا زنا ہے اور زنا کا نام سنتے ہی آدمی گھبرا جائے کہ ارے یہ آنکھوں کا زِنا ہے! اس لیے اگر آنکھیں خراب کیں اور کسی نامحرم عورت کو دیکھ لیا تو وہ اسی وقت آنکھوں کے زِنا میں مبتلا ہو گیا، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو گیا۔ اگر یہ معمولی گناہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو آنکھوں کا زِنا نہ فرماتے۔ نظر بازی کے بعد پھر سارے اعضاء گناہ میں مبتلاء ہو جاتے ہیں، آنکھیں اس حسین کی تلاش میں رہتی ہیں، قدم اس کی گلی میں جانا چاہتے ہیں، تمام حواس اس غیر اللہ کی جستجو میں لگ جاتے ہیں اور دل اس کے ساتھ بدفعلی کا قصد کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ نہ لیا نہ دیا صرف دیکھ لیا لیکن عالم لوگ مفت میں ہمارے پیچھے ڈنڈے لے کر دوڑ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر لیا دیا کچھ نہیں تو پھر کیوں دیکھتے ہو؟ فضول حرکت کیوں کرتے ہو؟ معلوم ہوا کہ ضرور کچھ لیا کچھ دیا ہے، ضرور کوئی بات ہے، ضرور حرام لذت دل میں درآمد کرتے ہو، گو تمہیں

احساس نہ ہو، تمہیں اپنی چوری کا احساس نہ ہو لیکن اللہ کو سب علم ہے ؎

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز
جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز

چاہے اپنی چوری کا ہمیں خود احساس نہ ہو لیکن اللہ کو سب خبر ہے کہ تم آنکھوں سے چوریاں کررہے ہو، تمہارا نفس چور ہے چور۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ **یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور** تمہاری آنکھوں کی چوریوں کو اور سینہ میں چھپے ہوئے رازوں کو اور دل میں حرام خیالات کا پلاؤ پکانے کو اللہ خوب جانتا ہے۔ بعض اوقات چور کو چوری کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کے یہاں ایک شخص ملازم تھا۔ بازار گیا تو ایک دوکان سے گُڑ کالڈّو اُٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ اس سے کہا گیا کہ تم نے چوری کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ صاحب ہماری نیت خراب نہیں تھی، اچھی نیت سے چوری کی ہے۔ تو اچھی نیت ہو یا بری نیت ہو برا کام تو برا کام ہے۔

اور مشکوٰۃ کی حدیث ہے **لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ** نظر باز پر اللہ کی لعنت ہو اور جو اپنے آپ کو بدنظری کے لئے پیش کرے اس پر بھی لعنت ہو اور لعنت کے معنیٰ ہیں رحمت سے دوری۔ اللہ کی رحمت سے دور ہو جانا ہی کیا کم عذاب ہے، کیا اللہ کی رحمت کے بغیر گذارہ ہوسکتا ہے؟ ناظر اور منظور دونوں کو ملعون کا لقب دیا گیا کہ یہ دونوں اللہ کی رحمت سے محروم ہیں۔

میرے محترم دوستو اور عزیزو! آجکل یہ بیماری عام ہے۔ اپنی نظر کی حفاظت اتنی سختی سے کرو کہ ایک نظر بھی خراب نہ ہو، نہ عورتوں پر نظر ڈالو، نہ لڑکوں پر۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی آجانے کے بعد لڑکوں کو دیکھنے میں حرج نہیں ہے، لیکن اس زمانہ میں یہ کوئی قید نہیں۔ مدرسہ کے ایک طالب علم نے مجھے خط

لکھا کہ میں ایک مٹھی ڈاڑھی والے لڑکے پر عاشق ہوں اور اس کی ناراضگی کے غم سے دوبار خودکشی کی کوشش کی لیکن ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

بتایئے! عادت اس قدر خراب ہوگئی کہ ایک مٹھی ڈاڑھی کے باوجود اس پر عاشق ہوگیا۔ ہر زمانے میں مرض کی نوعیت الگ ہوتی ہے، اس زمانے میں بے پردہ عورتیں پھر رہی ہیں اس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر احتیاط نہ کی تو ایمان کا بہت نقصان ہوگا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس زمانے میں بے پردہ عورتیں بہت ہوگئیں تو بدنظری معاف ہوجائے گی، اس کی معافی نہیں ہے، جس نے آنکھوں میں روشنی دی ہے وہی تو منع فرما رہا ہے کہ بدنظری نہ کرو، اپنی آنکھوں کی روشنی کو قابو میں رکھو۔ مان لو ایک عورت ہے جو حسن میں اوّل نمبر آئی ہے، وہ کہے کہ میں حسن میں اوّل نمبر پاس ہوں لیکن میں نظر باز کو پستول سے ماردیتی ہوں اور ہاتھ میں پستول لئے ہوئے ہے تو کسی کی ہمت ہے جو اس کو دیکھے۔ آنکھوں کو بچا کر بھاگو گے کہ نہیں؟ تو جان بچانے کے لئے تو ہمت آ گئی مگر ایمان بچانے کے لئے خدا کے خوف سے کیوں توفیق نہیں ہوتی، اللہ کو حساب دینا ہے کہ نہیں؟ آنکھ کی روشنی خدا نے دی ہے لہٰذا جہاں اللہ کا حکم ہوگا ہم وہاں استعمال کریں گے، جہاں منع ہے وہاں دیکھنے سے رک جائیں گے۔

آج کل بدنظری کا مرض عام ہوگیا ہے لہٰذا علماء و محدّثین کو خصوصاً بہت احتیاط کرنی چاہیے، صوفیاء کو بہت خیال رکھنا چاہیے کہ ہم اس بیماری میں مبتلا نہ ہوں۔ دیکھئے! اگر آندھی چل رہی ہو، چھوٹی چھوٹی کنکریاں اور ریت کے ذرات اُڑ رہے ہوں اور ڈاکٹر بھی کہہ دے کہ ریت کے ذرات میں ایسا زہریلا مادّہ ہے کہ اگر آنکھ میں کوئی ذرّہ چلا گیا تو آنکھ صحیح نہیں ہوگی، تو ڈر کے مارے

لوگ آنکھوں کو بند کر کے اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چلیں گے تو اللہ کا حکم توڑنا کیا آندھی سے کم نقصان دہ ہے؟ دوستو! اللہ کے حکم پر جان دے دو مگر حرام مزہ نہ اُڑاؤ۔ جان کس کے لئے ہے؟ مدینہ شریف میں جو ستر شہید دامنِ احد میں سوئے ہوئے ہیں وہ ہمارے لئے عبرت ہیں کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جان دے دی اور ہم اللہ کے لئے اپنی نگاہ بھی نہ بچا سکیں۔

ہمت کرلو کہ چاہے جان چلی جائے مگر ہم حسینوں کو نہیں دیکھیں گے۔ جان جانے کے لئے ہے، چلی جائے تو چلی جائے مگر ہم لڑکیوں اور لڑکوں کو ہرگز نہیں دیکھیں گے۔ دانت پیس کر ارادہ کرلو کہ خدا کی قسم آج سے کسی پر حرام نظر نہیں ڈالیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ مانا آجکل بے پردگی اور عریانی کی وجہ سے نظر بچانا مشکل ہے لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ پرچہ اگر مشکل ہے تو انعام بھی عظیم ہے۔ وہ عظیم انعام کیا ہے؟ ایمان کا حلوہ، حلاوتِ ایمانی اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ جو نظروں کی حفاظت کرے گا اس کے لئے ایمان کی مٹھاس کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جو حسینوں سے نظر بچا کر اپنی نگاہ کو تکلیف دے گا اللہ اس کے دل کو میٹھا کردے گا۔ آنکھ کو بچا کر تکلیف اٹھائی، اس تکلیف کے بدلہ میں ہم اس کے دل کو میٹھا کرنے کا وعدہ کررہے ہیں۔ کنز العمال کی حدیث ہے:

﴿اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ مَّنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِىْ يَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِىْ قَلْبِهٖ﴾

(کنز العمال، ج:۵، ص: ۱۴۰، دار الکتب العلیمۃ)

نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے زہر میں بجھا ہوا، جس نے میرے خوف سے اس کو ترک کیا وہ اپنے قلب میں ایمان کی مٹھاس کو پالے گا۔

یجد کا مطلب ہے کہ وہ ایمان کی مٹھاس دل میں پالے گا، وہ واجد ہوگا اور ایمان کا حلوہ دل میں موجود ہوگا، یہ محض واہمہ اور تصور نہیں ہے کہ خیال

کرلو کہ ہمارے دل میں مٹھاس آرہی ہے۔نہیں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ایمان کے تم واجد ہوگے اور واجد کا مفعول موجود ہوتا ہے یعنی ایمان کی حلاوت تمہارے دل میں موجود ہوگی، یہ نہیں فرمایا کہ ایمان کی حلاوت کو تم محسوس کرلوگے بلکہ فرمایا کہ تم پالوگے۔ یہ تصورات اور وہمیات کی دنیا نہیں ہے، وحی الٰہی ہے۔عمل کرکے دیکھو، خود اپنے دل میں جب مٹھاس کو پاؤ گے تو پھر کسی دلیل کی ضرورت نہ ہوگی۔

اس زمانے میں بہت ضروری ہے کہ حفاظتِ نظر کے مضمون کو پھیلایا جائے ،جس زمانے میں جو خطرناک بیماری زیادہ پھیلی ہو اس کے بارے میں زیادہ بیان کرنا چاہیے یا نہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے کہ یہ صرف نظروں کی بیماری کو ہی کہتے ہیں ،دوسرے اور گناہ بھی تو ہیں، جیب کاٹنا بھی تو گناہ ہے۔مگر میں کہتا ہوں کہ میرا تجربہ ہے کہ جو اس عمل کو کرے گا یعنی آنکھ کو بچائے گا تمام گناہوں کو چھوڑ دینے کی اس میں ہمت پیدا ہو جائے گی۔ میرے دوستو! آج کل صرف یہی کام کرلو، آنکھ بچاؤ، دل بچاؤ اور جسم بچاؤ۔بعض لوگ کہتے کہ ہم آنکھ بچالیں گے اور دل بھی بچالیں گے لیکن اگر کوئی حسین بغل میں بیٹھی ہے تو پھر کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جیسا کہ ریل میں ایک حسینہ ایک شاعر کے پاس آکر بیٹھ گئی ،شاعر اللہ والا تھا اسے بہت تکلیف ہوئی ، پوچھا کہ آپ کہاں جا رہی ہیں؟ اُس نے کہا کہ میں مری جا رہی ہوں۔ (مری پاکستان میں ایک پہاڑی کا نام ہے)۔ پھر اس نے شاعر سے پوچھا کہ اور جناب آپ کہاں جا رہے ہیں؟ شاعر نے جواب دیا کہ میں مرا جا رہا ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ لڑکی وہاں سے بھاگ گئی۔

بدنظری کا مرض آج کل تمام امراضِ روحانیہ کا باپ ہے۔بس اس کو چھوڑ دو، اس کی برکت سے ان شاء اللہ ہر گناہ چھوڑنا آسان ہو جائے گا۔جس

نے آنکھ کی حفاظت کر لی اور دل کو گندے خیالات سے بچالیا اور جسم کو بھی حسینوں سے دور رکھا اس نے بہت مشکل پرچہ حل کرلیا۔ جولوگ کہتے ہیں کہ جسم کو حسین کے قریب ہونے سے کیا ہوگا؟ میں دیکھوں گا ہی نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ دیکھو گے نہیں، بلا دیکھے ہی ڈسچارج (Discharge) ہو جاؤ گے۔ آنکھ تو بند ہے لیکن یہ احساس تو ہے کہ میری بغل میں ایک حسین لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ قریب مت بیٹھو، چاہے بس کا اسٹینڈ پکڑ کر کھڑا ہونا پڑے۔ اللہ کے راستہ میں تکلیف اٹھالو لیکن حرام مزہ مت درآمد کرو۔

اسی طرح مثلاً ایک راستہ ہے جس میں کوئی لڑکی یا امرد نہیں ہے اور دوسرا راستہ ہے جس میں لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں مگر یہ راستہ قریب کا ہے اور وہ راستہ دور کا ہے۔ اللہ کے لئے دوری کا راستہ لے لو مگر یہ قریب کا راستہ نہ لو جس میں لڑکیاں یا امرد ہیں، یا ایک فُٹ پاتھ پر لڑکیاں آرہی ہیں اور دوسرے فٹ پاتھ پر سلامتی ہے تو یہ راستہ چھوڑ کر دوسرے سلامتی کے راستہ پر یہ آیت پڑھتے ہوئے چلے جاؤ اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَهۡدِیۡن میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں جو عنقریب مجھ کو ہدایت دے گا۔ تو یہ راستہ بدل دینا بھی عبادت ہو جائے گا۔ سانپ دیکھنے میں بہت حسین ہوتا ہے لیکن اتنا زہریلا ہوتا ہے کہ اگر پھنکار دے تو کھوپڑی پھٹ جائے لہٰذا ان حسینوں کو دیکھنے سے یا ان کے بارے میں دل میں گندے خیالات لانے سے یا جسم کو ان کے قریب کرنے سے تمہارے ایمان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، ایمانی موت واقع ہو جائے گی، لیکن آج کل احساس ہی نہیں رہا، آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ہاتھ میں تسبیح ہے اور آنکھیں جرم کر رہی ہیں۔

لہٰذا اللہ کے لیے امت کو بتلاؤ کہ اس گناہ کو چھوڑ دے۔ جو اس گناہ کو چھوڑ دے گا ان شاء اللہ سب گناہ چھوٹ جائیں گے۔ جو اپنی آنکھوں کی

حفاظت کرے گا حسینوں سے، اور دل کی حفاظت کرے گا ان کے خیالات سے، اور جسم کو بھی ان سے دور رکھے گا تو یہ ایسا عمل ہے کہ اس کی برکت سے سب گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق ہو جائے گی۔ جو بھینس اُٹھائے گا وہ بکری نہ اُٹھالے گا؟ امتحان میں جو مشکل پرچہ حل کرلے گا وہ آسان پرچہ حل نہ کرے گا؟ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج کل اوّابین تہجد و اشراق کا تو اہتمام ہے مگر اس گناہ سے بچنے کا اہتمام نہیں ہے۔ اس لئے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس گناہ سے بچو کہ گناہ نیکیوں کے نور کو ختم کردیتا ہے۔

اس لیے کہتا ہوں کہ اس زمانے میں جب گھر سے نکلو تو نکلنے سے پہلے ہی نیت کرلو کہ مجھے آنکھ بچانا ہے، حسینوں کو نہیں دیکھنا ہے۔ جس نے آنکھ پیدا کی ہے اسی کا یہ حکم ہے۔ عدم قصدِ نظر کافی نہیں قصدِ عدمِ نظر کرو یعنی دیکھنے کا ارادہ نہ ہونا کافی نہیں بلکہ ارادہ کرو کہ نہیں دیکھنا ہے تب بچ سکتے ہو، نیت کرو، نیت سے عمل پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ اگر دیکھنے کا ارادہ تو نہیں ہے لیکن یہ ارادہ نہیں کیا کہ نہیں دیکھنا ہے تو ایسے شخص کو نفس خوب بدنظری کرادے گا۔

اس زمانے میں یہ ارادہ کرو کہ نہیں دیکھنا، چاہے جان چلی جائے یہ ہے قصدِ عدمِ نظر۔ جب نہ دیکھنے کا قصد کریں گے تب اس گناہ سے بچ سکتے ہیں۔ حسینوں سے نظر بچانے کا یہی طریقہ ہے۔ اور لڑکیوں کو پی۔اے (P.A.) نہ رکھو ورنہ یہ ایمان کو پی جائیں گی۔ جو لوگ لڑکیوں کو پی۔اے رکھتے ہیں وہ بے پئے پئے رہتے ہیں۔ لہٰذا ان کو پی۔اے نہ رکھو چاہے بکری یعنی Sale کم ہو جائے، چاہے کچھ ہو جائے، مومن وہ ہے جو جان کی بازی لگادے۔

گناہ میں لاکھ فائدہ ہو مگر فائدہ کو مت دیکھو، اللہ کو ناراض کرکے کسی کو فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اپنے رب کی ناراضگی مت خریدو ورنہ ان کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے۔ رات کو خیریت سے لیٹے اور صبح گردن میں کینسر ہوگیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ

کے خوف سے نگاہ بچاؤ، دل بچاؤ اور جسم بچاؤ، ان شاء اللہ ہم آپ ولی اللہ بن کر مریں گے۔ کوشش کرو کہ ایک نظر نہ خراب ہو پھر دیکھو کیا مزہ آتا ہے۔ دنیا ہی جنت معلوم ہوگی۔ دل تو ٹوٹے گا مگر دل ٹوٹنے سے نہ گھبراؤ، دل ٹوٹے گا تو انعام بھی زیادہ ملے گا۔ دیکھو کوہِ طور اللہ کی تجلی سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا لہٰذا اللہ کی تجلی پہاڑ کے اندر داخل ہوگئی۔ اسی طرح اگر ہم اپنا دل توڑ دیں تو اللہ کی تجلی دل کے اندر داخل ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے گناہ نہ کرنے کی منفی عبادت کا حکم اسی لئے دیا کہ میرے بندوں کے دل ٹوٹیں اور میری تجلی اوپر ہی اوپر نہ رہے، ان کے دل میں سما جائے۔ مثبت عبادت یعنی ذکر وتلاوت ونوافل سے نور پیدا ہوتا ہے لیکن یہ نور اوپر ہی اوپر رہتا ہے، منفی عبادت یعنی گناہوں سے بچنے سے دل ٹوٹتا ہے اور یہ نور دل کے اندر داخل ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے منفی عبادت کا حکم اسی لیے دیا تاکہ میری محبت میں تمہارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور عبادت کا نور اندر داخل ہوجائے اور تمہارے دل کا ذرّہ ذرّہ روشن ہوجائے۔

میرے دوستو! جس نے آنکھ دی ہے اس پر اپنی آنکھوں کی روشنی کو قربان کرو، جہاں وہ خوش ہوں وہاں دیکھو، جہاں ناخوش ہوں ہرگز نہ دیکھو۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اور میرے دوستوں کو بھی توفیقِ عمل نصیب فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

بعد نمازِ مغرب

حضرت والا کا درسِ حدیث

بعد نمازِ مغرب حجرہ میں مولانا سلیم دھورات صاحب جو لیسٹر کے ایک

مشہور عالم ہیں، حضرت والا سے ملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت والا انہیں حدیث کی اجازت مرحمت فرمائیں اور ایک حدیث کے درس کی درخواست کی۔ حضرت والا نے ان کو درسِ حدیث کی اجازت عطاء فرمائی اور بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث کا مختصر درس دیا جس کی جامعیت اور ندرت سے مولانا اور دوسرے علماء جو وہاں موجود تھے بہت محظوظ ہوئے۔

ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے انّما الاعمال بالنّیات میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نیت نوات سے ہے جس کے معنی ہیں گٹھلی۔ کہتے ہیں اکلت التمرۃ ولفظت النواۃ میں نے کھجور کو کھالیا اور گٹھلی پھینک دی۔ فرماتے تھے کہ جیسی گٹھلی ہوگی ویسا ہی درخت ہوگا۔ اگر گٹھلی اچھی ہے تو درخت بھی اچھا ہوگا اور اگر گٹھلی خراب ہوگی تو درخت بھی خراب ہوگا۔ پس جیسی نیت ہوگی ویسے ہی اس کا ثمرہ ہوگا، اچھی نیت ہوگی تو ثمرہ بھی اچھا ہوگا۔ اب کوئی نیم لگا کر امید رکھے کہ اس میں آم آجائیں تو یہ بے وقوفی ہے۔

حضرت فرماتے تھے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور آخری حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ صحابہ میں سب سے پہلے جس کو امیر المومنین کا لقب دیا گیا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں لیکن ہر طالب علم خلیفہ نہیں ہوسکتا لہٰذا آخری حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیا تاکہ طلباء پڑھنے پڑھانے کا ذوق رکھیں اور ان کے مزاج میں درویشی غالب رہے۔

اور بخاری شریف کی آخری حدیث ہے کلمتان حبیبتان الی الرحمن دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب اللہ کو محبوب ہیں تو بہت بھاری اور مشکل ہوں گے تو اس کا حل سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا خفیفتان علی اللسان زبان پر بہت ہلکے ہیں، مگر پھر یہ سوال ہوا کہ جب زبان پر ہلکے ہیں تو قیامت کے دن کہیں ترازو پر بھی ہلکے نہ ہوں اس لئے فرمایا کہ ثقیلتان فی المیزان ترازو میں بہت بھاری ہوں گے۔سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سبحان اللہ وبحمدہ کی شرح کی ہے ای اسبح اللہ عن النقائص کلھا میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں کہ تمام نقائص سے اللہ پاک ہے۔لیکن نقائص سے پاک ہونا یہ جامع تعریف نہیں ہے مانع ہے، جیسے بادشاہ کو کوئی کہے کہ بادشاہ جولاہا نہیں ہے تو یہ جامع تعریف نہیں ہوئی، جامع تعریف جب ہوگی کہ بادشاہ کے محامد اور خوبیاں بھی بیان کی جائیں کہ بادشاہ عادل ہے، رحمدل ہے، شجاع ہے وغیرہ۔اس لئے نقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان فرمانے کے بعد آگے فرمایا وبحمدہ ای مشتملاً بالمحامد کلھا جتنی حمد ہوسکتی ہے، جتنی بھی تعریفیں ہوسکتی ہیں وہ سب اللہ کے لائق ہیں اور میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ تعریف کی چار قسمیں ہیں:

(۱) اللہ خود اپنی تعریف بیان کرے۔

(۲) یا اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی تعریف کرے۔

(۳) یا بندہ، بندہ کی تعریف کرے۔

(۴) یا بندہ اللہ کی تعریف کرے۔

اور یہ چاروں تعریفیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں۔

اس کے بعد حضرت والا نے مولانا سلیم دھورات سے فرمایا کہ اب

آپ کا سلسلہ سندِ حدیث کا میری وجہ سے بہت اونچا ہوگیا کیونکہ مجھ میں اور قطبِ عالم مولانا گنگوہی میں صرف دو واسطے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور میں نے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان میں صرف ایک واسطہ تھا یعنی حضرت مولانا ماجد علی صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

عمرہ کے لیے روانگی

۱۶؍جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ، مطابق ۱۵؍اگست ۲۰۰۳ء بروز جمعہ

آج برطانیہ سے روانگی کا دن تھا حضرت والا کی جدائی سے تمام احباب غمگین تھے۔ پاکستان واپسی پر حضرت والا کا حرمین شریفین کی زیارت کا نظم تھا چنانچہ ۱۵؍اگست کو صبح سوا سات بجے حضرت والا لیسٹر سے لندن ہیتھرو ائیر پورٹ روانہ ہوئے۔ کار میں حضرت مولانا ایوب سورتی صاحب، حافظ ضیاء الرحمٰن صاحب اور راقم الحروف تھے۔ نو بجے کے قریب ایئرپورٹ پہنچے۔ پرواز کا وقت ساڑھے بارہ بجے تھا۔ لیسٹر، باٹلی، گلوسٹر اور دیگر مقامات سے حضرت والا کو رخصت کرنے کے لیے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ ان سے مصافحہ کے بعد حضرت والا نے فرسٹ کلاس لاؤنج میں آرام فرمایا۔ ایئرپورٹ پر مولانا احمد علی صاحب بن حضرت مولانا آدم صاحب کا فون آیا کہ آج رات فجر کے قریب انہوں نے خواب دیکھا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لیسٹر سے لندن روانہ ہو رہے ہیں۔

بارہ بج کر پچپن منٹ پر جہاز نے جدہ کے لیے پرواز کی اور چھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد سعودی عرب کے مقامی وقت کے مطابق سات بجے جدہ

ائیر پورٹ پر اُترا۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد حافظ سمیع اللہ صاحب کی کار میں حضرت والا مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت والا کے ساتھ حافظ ضیاء الرحمٰن صاحب، ممتاز صاحب اور راقم الحروف تھے۔ گیارہ بجے شب مکہ مکرمہ آمد ہوئی۔ حضرت والا نے عشاء کی نماز کے بعد کھانا تناول فرمایا اور تھوڑی دیر آرام فرمایا۔ اتنی طویل مسافت اور تھکن کے باوجود فرمایا کہ عمرہ ابھی ادا کرنا ہے۔ کراچی سے تقریباً پچاس افراد حضرت والا کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے ایک دن پہلے پہنچ چکے تھے۔ بنگلہ دیش سے بھی بہت سے علماء اور دیگر حضرات آئے ہوئے تھے اور بہت سے مقامی حضرات نے بھی عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا۔ جملہ رفقاء نے حضرت والا کے ساتھ عمرہ ادا کیا اور رات دو بجے عمرہ سے فارغ ہوئے۔

سب سے بڑا دشمن اور اس کا علاج

۲۴؍ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۳؍ اگست ۲۰۰۳ء بروز ہفتہ، بعد ظہر مکہ مکرمہ

حرم شریف میں ظہر کی نماز پڑھ کر بہت سے لوگ دوبارہ مجلس میں آگئے۔ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو اپنے نفس کو بدمعاش نمبرون یقین کرنا چاہیے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اپنے نفس کو آدمی جتنا خود جانتا ہے دوسرا نہیں جان سکتا، ہر شخص کو اپنی بدمعاشیوں کا علم ہے۔ اس لیے اپنے بالغ ہونے کے بعد سے اب تک اپنے اعمال کو سوچے تو خود یقین آجائے گا کہ میرا نفس بدمعاش نمبرون ہے۔ اگرچہ لوگ اس کو تقدس مآبی کا لقب دے رہے ہوں اور حضرت والا دامت برکاتہم بھی کہہ رہے ہوں مگر وہ اپنے کو دامت شرارتہم سمجھے، اپنے نفس کو بدمعاش اور مہا ڈشٹ یقین کرے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اس کا علاج اللہ والوں کی صحبت ہے، جتنا ہو سکے اللہ والوں کی صحبت میں رہے۔ اس

سے بہتر کوئی علاج نہیں۔ اس کی دلیل کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر تم اپنے بدمعاش نفس کو نیک اور متقی بنانا چاہتے ہو تو اللہ والوں کی صحبت میں رہ پڑو۔ اب سوال ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں کتنا رہے؟ تو علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خَالِطُوْھُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ اللہ والوں کے ساتھ اتنا رہو کہ تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ، جب تک ان کا تقویٰ، ان کے پاکیزہ اخلاق تمہارے اندر منتقل نہ ہو جائیں تب تک ان کے ساتھ رہو۔

عصبیت کفر کی نشانی ہے

اس کے بعد حضرت والا نے مولانا عبد المتین صاحب سے فرمایا کہ بنگلہ زبان میں اس کا ترجمہ کرو۔ بنگلہ دیش سے پندرہ حضرات، حضرت والا کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ترجمہ کے بعد فرمایا کہ دیکھو! بنگلہ زبان سے سب کو مزہ آیا۔ یہ کس وجہ سے ہوا؟ اس لیے کہ ایمان دل میں اتر گیا۔ اگر عصبیت اور نفسانیت ہوتی تو مزہ نہ آتا، اسی لیے ہمارے دوست آپس میں بہت محبت رکھتے ہیں۔ ہم سب ایک امت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر زبان کے نبی ہیں۔ بنگلہ دیشی، ہندوستانی، پاکستانی، برطانوی، افریقی، امریکی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے نبی ہیں، مختلف زبانیں رکھنے والوں کا نبی ایک ہی ہے۔ اس لیے ہم سب ایک ہیں۔ جب ہمارا اللہ ایک ہے اور ہمارا رسول ایک ہے تو ہم سب ایک ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ایک قوم فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ﴾

(سورۃ مائدۃ، آیت: ۵۴)

تم میں سے جو مرتد ہو جائیں گے ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ایک قوم پیدا کرے گا، جن سے اللہ محبت کرے گا اور جو اللہ سے محبت کریں گے۔ اللہ نے

قوم نازل فرمایا، اقوام نازل نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے عاشقین سب ایک قوم ہیں چاہے وہ عربی ہوں یا عجمی ہوں، گورے ہوں یا کالے ہوں، چاہے وہ عربی بولتے ہوں یا انگریزی بولتے ہوں، بنگلہ بولتے ہوں یا اردو بولتے ہوں چاہے کوئی زبان بولتے ہوں لیکن اللہ سے محبت رکھنے والے سب ایک قوم ہیں، ایک اُمت ہیں۔

اس لیے اختلافِ زبان اور اختلافِ رنگ سے خود کو ایک دوسرے سے برتر یا کمتر سمجھنا کفر ہے۔ فرض کرلو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمارے درمیان آجائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عربی میں بولیں گے لیکن ہر زبان میں ایک ترجمان بنائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ہر زبان میں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ہر زبان ہماری ہے۔ اسی طرح ایک عالمِ دین کو دوسروں تک دین پہنچانے کے لیے ہر زبان کا ترجمان چاہیے۔ اس لیے زبانوں سے نفرت مت کرو، زبانوں سے نفرت میں بوئے کفر آتی ہے۔ ہر زبان کو اللہ نے اپنی نشانی فرمایا ہے:

﴿وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ﴾

(سورۃ روم، آیت: ۲۲)

زبانوں کا اختلاف اور تمہارے رنگوں کا اختلاف اس میں ہماری نشانیاں ہیں۔ اللہ کی نشانی کو حقیر سمجھنا، اُس سے نفرت کرنا کفر ہے۔ زبان سے نفرت کرنا اور رنگ سے نفرت کرنا کہ یہ کالا ہے وہ گورا ہے یہ سب کفر کی باتیں ہیں۔ کوئی رنگ ہو اور کوئی زبان ہو، انگریزی ہو، فارسی ہو، عربی ہو، بنگالی ہو، اردو ہو، پشتو ہو سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ اس لیے اللہ کی نشانی کو حقیر سمجھنا، ذلیل سمجھنا، کمتر سمجھنا کفر ہے۔

پس عصبیت اور صوبائیت کہ یہ فلاں ہے، وہ فلاں ہے اس لیے فلاں،

فلاں سے بہتر ہے یہ کفر کی نشانی ہے اور جنت سے محرومی کی علامت ہے۔ جو لوگ جنت میں جانے والے ہیں وہ عصبیت سے پاک ہوتے ہیں کیوں کہ جنت میں رنگوں کا اور زبانوں کا اختلاف نہیں ہے، جنت میں کوئی صوبہ نہیں ہے، جنت میں سب کی زبان عربی ہوگی، سب عربی بولیں گے۔ اب کوئی کہے کہ ہم تو عربی نہیں جانتے ہیں کیونکہ ہم عربی پڑھے ہوئے نہیں ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہاں اللہ سکھا دے گا، جنت کی نعمتوں کا استعمال کرنے کا طریقہ اللہ الہام فرما دے گا۔ جنت کی نعمتیں ایسی ہیں مَالاَ عَیْنٌ رَأَتْ وَلاَ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں، نہ کسی قلب پر اس کا خیال گذرا لیکن جب اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو جنت یاد بھی نہ رہے گی کہ جنت کدھر ہے اور جنت کی حوریں کہاں ہیں، اللہ تعالیٰ کی زیارت میں ایسا مزہ آئے گا۔

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بَلَدِ امین کی برکت سے اور کعبہ شریف کی برکت سے جنتی ہونا مُقدّر فرمادیں، جنت میں دُخولِ اوّلیں نصیب فرمادیں۔ دوزخ میں سزا پاکر جانے سے اللہ بچائے، جنت نصیب فرمائے اور جنتی اعمال کی توفیق دے اور اللہ جہنم سے بچائے اور اعمالِ جہنم سے بھی بچائے اور اللہ ہماری نالائقیوں کو، کوتاہیوں کو، خطاؤں کو معاف فرمادے۔ اللہ اپنی رحمت سے ہمیشہ خوشی دِکھائے اور غم سے بچائے۔ بلا استحقاق اپنے فضل اور رحمتِ محضہ سے ولایت کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمادے، ہم لوگوں کو بھی، ہمارے بچوں کو بھی، ہمارے گھر والوں کو بھی اور جو ہمارے دوست احباب یہاں نہیں ہیں ان کو بھی نصیب فرمادیجئے اور سارے مسلمانوں کے حق میں میری دعا قبول فرمالیجئے اور تمام

کافروں کو بھی آپ ایمان عطا فرما کر ولی کامل بنا دیجئے، اپنی رحمت سارے عالم پر برسا دیجئے، مچھلیوں کو پانی میں، جانوروں کو جنگلوں میں اور پرندوں کو فضاؤں میں عافیت عطا فرمائیے، سارے عالم پر رحمت کی بارش برسا دیجئے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

خانہ کعبہ کے وسطِ دنیا میں ہونے کا راز

ارشاد فرمایا کہ دار السلطنت ملک کے وسط یعنی سینٹر میں ہوتا ہے اور وہیں مرکزی حکومت یعنی سینٹرل گورنمنٹ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو عالم کے وسط میں بنایا۔ یہ کعبہ ویسے ہی اٹکل پچو نہیں بن گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ وسطِ عالم میں میرا کعبہ بناؤ۔ عالم کو بنانے والا یہ تجویز کر رہا ہے کہ یہ میرا مرکز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کی نشاندہی کی ہے۔ اپنا گھر خود اللہ تعالیٰ نے بنوایا ہے اور بتا دیا کہ یہ کعبۃ اللہ ہے اور قیامت تک یہ کعبہ رہے گا۔ اگر کسی زمانہ میں اس کی عمارت گر بھی جائے تو زمین کا یہ حصہ کعبہ ہی رہے گا، قیامت تک مسلمان اسی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں گے۔

خانہ کعبہ کے مختصر ہونے کی حکمت

اب رہی یہ بات کہ دنیا کے لوگ تو اپنا گھر بڑا بنواتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں پھر اپنا گھر چھوٹا کیوں بنوایا؟ جواب یہ ہے کہ اپنے مہمانوں کی رعایت سے۔ اگر بڑا بنواتے مثلاً مان لو یہاں سے جدہ تک کعبہ بنا دیتے تو ایک ہی پھیرے میں حاجی بے ہوش ہو جاتے اور ڈاکٹر انہیں خون چڑھایا کرتے۔ کیا تماشا ہوتا! اللہ تعالیٰ نے چھوٹا سا گھر بنوایا تاکہ میرے حاجیوں کا پھیرا آسان ہو جائے۔

حرم کے پہاڑوں پر سبزہ نہ ہونے کی وجوہات

اور اللہ تعالیٰ نے یہاں کے پہاڑوں پر درخت اور سبزہ نہیں لگایا چٹیل پہاڑ ہیں جبکہ کشمیر کے پہاڑوں پر درخت ہی درخت ہیں اس کی کئی وجوہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حاجی میری یاد میں رہیں اور کیمرہ لے کر مناظر کی نظارہ بازی نہ کریں۔ پہاڑ دل لگانے کی جگہ نہیں ہیں، میرے گھر میں پڑے رہو، چاہے سوتے ہی رہو لیکن مجھ سے دور نہ ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں کے پہاڑوں کو بالکل ویران رکھا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر پہاڑ پر درخت ہوتے تو نمی زیادہ ہوتی اور جہاں نمی زیادہ ہوتی ہے وہاں جراثیم زیادہ ہوتے ہیں لہٰذا منیٰ میں جب حاجی قربانی کر کے اوجھڑیوں کو پہاڑوں پر پھینک آتے تو درخت اور گھاس کی وجہ سے جراثیم پیدا ہو جاتے اور حاجیوں کو کالرا ہو جاتا۔ اب پہاڑوں پر کوئی سبزہ نہیں۔ سخت گرمی پہاڑوں کو گرم کر کے اوجھڑیوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے اس لیے جراثیم پیدا نہیں ہوتے اور حاجی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

یہاں کے پہاڑوں کو اللہ نے حسین مناظر سے پاک رکھا۔ اس سے حسنِ مجازی کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میرے گھر کا جلوہ اور گھر والے کا جلوہ دیکھو۔ اپنی قسمت ہے کسی کو گھر کا جلوہ نظر آتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جن کو گھر کے جلوہ کے ساتھ گھر والے کا جلوہ بھی نظر آتا ہے یعنی ان کے قلب کو تجلیاتِ خاصہ کا اِدراک ہوتا ہے۔ غیروں پر کیوں نظر کرتے ہو، عاشقِ نباتات ہو کر کیا پاؤ گے، عاشقِ حیوانات ہو کر کیا پاؤ گے، ان حسینوں کے پاس کیا رکھا ہے، میرے عاشق بنو تاکہ تمہیں دنیا بھی مل جائے اور آخرت بھی مل جائے، نباتات کا حسن ہو، حیوانات کا حسن ہو سب فانی ہے صرف اللہ ہی کام آئے گا۔

گیا حسن خوبانِ دلخواہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

کون بے وقوف اور کون عقلمند ہے؟

جن حسینوں کو بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پاگل ہو جاتے ہیں کہ آہا! کیا حسن ہے وہی حسینہ جب نانی اماں اور دادی اماں بن جاتی ہے تو پھر کیوں بھاگتے ہو اس سے۔ اسی طرح جب لڑکا، نانا ابا بن جائے گا پھر اس کو دیکھو گے؟ ان عورتوں اور لڑکوں کا حسن باقی رہنے والا نہیں ہے۔ یہ سب حسین، بوڑھے ہونے والے ہیں اور بوڑھے ہو کر قبر میں جانے والے ہیں۔ اس لیے صورتوں پر مرنے والے جتنے لوگ ہیں سب انٹرنیشنل بے وقوف ہیں۔ کیونکہ ختم ہونے والے حسن پر مر رہے ہیں۔ دنیا فانی ہے، ساری دنیا جو غیر اللہ پر مر رہی ہے پاگل ہے۔

عقل مند صرف اللہ والے ہیں اسی لیے ان کا نام اللہ تعالیٰ نے اُولُوا الْاَلْبَابِ رکھا ہے یعنی عقل والے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام عقل مند کیوں رکھا؟ کیونکہ عقل کی بین الاقوامی تعریف ہے انجام بینی۔ یعنی جو انجام پر نظر رکھے۔ جن کا حسن بگڑنے والا ہے عقل والے ان سے دل نہیں لگاتے اور وہ اللہ والے ہیں جو صرف اللہ سے دل لگاتے ہیں، حسینوں پر نہیں مرتے کیونکہ ان کی نظر انجام پر ہوتی ہے کہ ایک دن ان کی شکل بگڑ جائے گی اس لیے ایسی فانی چیزوں سے کیا دل لگانا، یہی ان کے عقل مند ہونے کا ثبوت ہے ورنہ یہ بھی کوئی عقل مندی ہے کہ جوانی میں چند دن اس کے عشق میں پاگل رہے اور بڑھاپے میں اس سے بھاگ نکلے۔

میر کا معشوق جب بڈھا ہوا
بھاگ نکلے میر بڈھے حسن سے

انبیاء علیہم السلام کے بشر ہونے کا راز

ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کو بشریت کے سانچہ میں کیوں ڈھالا، ملکوتیت کے سانچہ میں پیغمبروں کو کیوں نہیں بنایا؟ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمیت تمام پیغمبروں کو انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تو جس کے پیغمبر تھے اس کا سانچہ ہونا ضروری ہے تاکہ بشر بشر کو دیکھ کر مائل ہو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس نکتہ کو سمجھایا کہ ایک بادشاہ کا چھوٹا بچہ ناودان یعنی نالے کے اندر چلا گیا اب اگر بانس ڈالتے ہیں تو زخمی ہو جاتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے ایک حکیم یعنی دانشور سے پوچھا کہ صاحب میرا بچہ نابدان میں گھس گیا ہے اور نکل نہیں رہا ہے، ڈر ہے کہ اس میں مر جائے گا، اس کی جان بچایئے۔ اس حکیم یعنی دانشور نے مشورہ دیا کہ حضور اس نالے کے سامنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیل کود میں لگا دیجئے جب وہ بچہ دیکھے گا کہ میرے ہم جنس کھیل کود رہے ہیں تو ان کا تماشہ دیکھنے کے لیے آ جائے گا۔ لہٰذا محلے کے چند بچے اس کے سامنے کھیلنے لگے۔ اب بچہ بچوں کی طرف کھنچ گیا، اس نے سوچا کہ ہماری برادری تماشہ کر رہی ہے تو ہم بھی چل کر تماشہ کریں اور اپنے ہم جنسوں کے کھیل میں شامل ہو جائیں تو یہی معاملہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسانوں کے لیے نبی کو انسانوں کا سانچہ دیا، انسانوں کی شکل دی مگر انبیاء کی روح نبوت کے نور سے مشرف تھی۔ نبی بھی بشر ہے مگر ایسا بشر ہے جس پر وحی آتی ہے، وہ اللہ کا نور اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اس کے باطن میں نبوت کا موتی ہے، نور کا موتی وہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے، عام انسانوں کے جسم اس سے خالی ہیں تو اللہ نے اس لیے انسانیت کے سانچہ میں نبوت کو ڈھالا تاکہ انسان انسان کو دیکھ کر مائل ہو جائیں اور فیضِ نبوت سے ایمان لے آئیں۔

بلد امین اللہ تعالیٰ کی آیت کبریٰ ہے

ارشاد فرمایا کہ یہاں ہر طرف اللہ تعالیٰ کے نشانات ہیں، پورا شہر اللہ تعالیٰ کی آیتِ کُبریٰ ہے، کعبۃُ اللہ آیتِ کبریٰ ہے، کعبہ پر ریاض صاحب خیر آبادی کا ایک شعر یاد آیا ؎

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

جب میرا پہلا حج ہوا تھا تو کعبہ کے اندر ایک شعر موزوں ہوا ؎

کہاں یہ میری قسمت یہ طواف تیرے گھر کا
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ کے نواسہ فہیم الحق سَلَّمَہٗ نے بتایا کہ جب میں کعبہ میں طواف کے دوران اس شعر کو پڑھتا ہوں تو دوسرے سال حج کا موقع اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرماتے ہیں۔ یہ ایسا مبارک شعر ہے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم پورے طواف میں بار بار یہ شعر پڑھتے رہے ؎

کہاں یہ میری قسمت یہ طواف تیرے گھر کا
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

طواف میں کعبہ کو نہ دیکھنے کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ مسئلہ یہ ہے کہ طواف کرتے وقت نگاہ نیچی رکھو، کعبہ کو مت دیکھو، طواف میں کعبہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب میرے دل میں آیا ہے جو میں نے کسی جگہ لکھا ہوا نہیں دیکھا۔ وہ یہ ہے کہ جب بادشاہ کا دیدار ہو رہا ہو تو اس وقت بادشاہ سے نظر ملانا خلافِ ادب

ہے، بادشاہ کی عظمت کا تقاضا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو تو گویا اللہ نے بتا دیا کہ میرے گھر کا طواف کرنا میرا ہی طواف کرنا ہے۔ وہ میرے سامنے حاضری کا وقت ہے، جب طواف کرو تو گھر والے کا مزہ لے لو کیونکہ جب میرے گھر کا طواف کررہے ہو تو گویا میرا ہی طواف کررہے ہو، جب میں سامنے ہوں تو پھر میری طرف کیوں دیکھتے ہو، بادشاہ کی آنکھ سے آنکھ ملانے کی کیسے ہمت کرتے ہو۔ بادشاہ کی عظمت کا حق یہ ہے کہ نگاہ نیچی رکھو۔ میں تو بادشاہ ہوں مجھ سے آنکھ ملانا کیسے جائز ہوگا؟ کعبہ شریف میں میرے دو شعر اور ہوئے تھے ؎

نہ گلوں سے مجھ کو مطلب نہ گلوں کے رنگ و بو سے
کسی اور سمت کو ہے مری زندگی کا دھارا
جو گرے اِدھر زمیں پر میرے اشک کے ستارے
تو چمک اُٹھا فلک پر میری بندگی کا تارا

یعنی دنیا کے پھولوں سے مجھے کیا مطلب؟ یہاں ایرانی، مصری اور دنیا بھر کی عورتیں آتی ہیں، ان کا تماشا دیکھنے کے لیے حج نہیں فرض ہوا۔ ان کو دیکھنا حج کو ضائع کرنا ہے۔ حج ضائع کرنے کے اسباب سے دور رہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ پر ایمان لانے والے بندو! نامحرم عورتوں اور لڑکوں کو دیکھنا تم پر حرام ہے کہ تم اجنبی عورتوں پر نظر ڈالو یا لڑکوں کو دیکھو، ان کو مت دیکھو، تم بندے ہو، بندگی بجالاؤ، کعبہ میں بھی تم بندے ہو اور باہر کے ملکوں میں بھی بندے ہو اور یہاں تو اور بھی زیادہ اہتمام کرو کہ کسی عورت کو نظر اُٹھا کر مت دیکھو ورنہ سارا نور نکل جائے گا اور شیطان بن جاؤ گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کو نہ دیکھنا یہ حکم کہاں ہے؟ ارے قرآن شریف کا حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ اے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایمان والوں سے آپ فرمادیں کہ آنکھوں کو بچاؤ یعنی نامحرم عورتوں اور لڑکوں سے نظر ہٹالو، یہاں تک

کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی آنکھیں بدنگاہی کے مرض میں مبتلا ہوں تو وہ مطاف کے پاس نہ بیٹھے تا کہ عورتوں کا حسن صاف نہ نظر آئے، دور بیٹھو، دور سے عورتوں کا حسن دھندلا سا نظر آئے گا اور بدنظری سے بچ جاؤ گے۔ اگرچہ عام لوگوں کے لیے افضل تو یہی ہے کہ کعبہ شریف کے قریب بیٹھیں لیکن جو بدنظری کا مریض ہے اس کو تجلّیاتِ الٰہیّہ کے لیے معصیت کی، حرام کام کی کیسے اجازت ہوگی؟ ایسا شخص بجائے تجلیات الٰہیہ کے معصیت میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس لیے مطاف سے دور بیٹھو تا کہ اگر غلطی سے نظر پڑ بھی جائے تو حسن دھندلا سا نظر آئے، صاف نظر نہ آئے اور گناہ کا مُرتکب ہونے سے بچ جائے۔

گناہ اللہ سے دوری کا سبب ہے

ارشاد فرمایا کہ گناہ بڑی خراب چیز ہے۔ اللہ سے دور کر دیتی ہے۔ محبوب سے جو چیز دور کر دے وہ کتنی بری چیز ہے۔ گناہ کرنا محبت کے بھی خلاف ہے۔

شیخ کی مجلس کا ادب

ایک صاحب مجلس میں دیر سے آئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ کہاں تھے آپ؟ جب شیخ افادہ کر رہا ہو تو شیخ کے پاس بیٹھنا تمام نفلی عبادات سے خواہ وہ نفلی عمرہ وطواف ہی کیوں نہ ہو افضل ہے۔ جب صحبتِ شیخ میسر ہو تو صرف فرض واجب اور سنت موکدہ ادا کرو۔ باقی وقت شیخ کے پاس بیٹھو۔ کعبہ شریف میں اگر تزکیہ کی طاقت ہوتی تو کعبہ خود تین سو ساٹھ بتوں کو نکال دیتا مگر کعبہ سے بت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکالے۔ شیخ کو نائبِ رسول سمجھو، دل کو غیر اللہ کی گندگی سے پاکیزگی شیخ کے ذریعہ ملے گی۔

جو لوگ دیر سے آئے، گذارشاتِ شیخ سے محروم ہو گئے۔ کیا عبادت

کرتے ہو؟ ارے عبادت کی روح شیخ سے ملے گی۔ اپنی عبادت میں لگے رہے اور شیخ کی صحبت میں نہیں آئے۔ افسوس ہے آپ لوگوں کی سمجھ پر۔ شیخ موجود ہو تو فرض، واجب، سنت موکدہ کو ادا کر کے جا کے دیکھو کہ معلوم نہیں شیخ کیا بات کررہا ہے۔ شیخ سے اللہ ملے گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کُوۡنُوۡا مَعَ الۡحَاضِرِیۡنَ فِی الۡکَعۡبَۃِ نہیں فرمایا کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ فرمایا کہ جو سچے ہیں، متقی ہیں، صادقین ہیں یعنی جو تقویٰ میں صادق ہو کہ ایک لمحہ بھی اللہ کی نافرمانی میں نہ جیتا ہو وہی اصل شیخ ہے۔

دیکھو! جب معزز مہمان آنے والے ہوں تو دستر خوان پر عمدہ ڈش کھانوں کی لگائی جاتی ہے۔ اس وقت کیا کیا باتیں بیان ہوگئیں، دیر کرنے والے لوگ محروم رہ گئے۔ اس وقت کتنی قیمتی باتیں اللہ نے مجھ سے بیان کروائیں۔ یہاں شیخ بیان کررہا ہے اور یہ آرام کررہے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ شیخ آرام کررہا ہے تو چلے جاتے ہیں آرام کرنے اور جب دیکھتے ہیں کہ باتیں بیان ہورہی ہیں تو سن لیتے ہیں۔ وہ لوگ نالائق ہیں جو صحبت کی قدر نہیں کرتے اور اپنی نفلوں میں لگے ہوئے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اس وقت آپ بیان کررہے ہیں۔ ارے معلوم نہیں تھا تو کیا تاک جھانک بھی نہیں کرسکتے تھے۔ تاکنے جھانکنے کا یہ موقع ہے، جہاں تاک جھانک کا موقع نہیں وہاں تاکتے جھانکتے ہو اور جہاں تاکنے جھانکنے کا موقع ہے وہاں نہیں جھانکا کہ شیخ شاید کوئی بات کررہا ہو۔ ارے تم اگر عاشقِ مجازی ہوتے تو بھی سمجھ جاتے کہ چلو جھانک لو شاید کوئی بات دین کی نہ ہورہی ہو۔ مجازی عشق کے مادّہ کو عشقِ حقیقی میں تبدیل کردیتے۔ بتائیے یہ کتنی بڑی مجرمانہ غلطی ہے، تاکتے جھانکتے تو آپ کو پتا چل جاتا کہ میرا مربی دین کی باتیں سنارہا ہے۔ ان صاحب نے معافی مانگی تو فرمایا

معاف تو کر دیا مگر تمہارا جو نقصان ہوا اس پر مجھے افسوس ہے، اس افسوس کی کوئی تلافی نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو باتیں بیان ہوئیں سب کا اثر ہمارے اور آپ سب کے دلوں میں ڈال دے اور پائیداری عطا فرمائے اور دنیائے ناپائیدار سے دور رکھے اور اپنی محبت میں پائیدار کر دے۔ دنیا کماؤ مگر دل نہ لگاؤ۔ دنیا ہاتھ میں جائز، جیب میں جائز مگر دل میں اللہ کو رکھو، یہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سامنے فرمایا کہ دنیا ہاتھ میں لینا جائز، جیب میں رکھنا جائز، بکس میں ڈالنا جائز مگر دل میں رکھنا جائز نہیں۔

ہجرت کا راز

''مسکنِ یار است وشہرِ شاہِ من'' یہ میرے محبوبِ حقیقی کا مسکن ہے اور اس کا شہر ہے۔ عاشقوں کا وہی وطن ہے جہاں اس کا محبوب رہتا ہے، میرے ہزاروں وطن قربان ہوں اس بلدِ امین پر، مدینہ شریف پر۔ ایک عاشق سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے بہت سفر کیا ہے، آپ کو کون سا شہر سب سے زیادہ اچھا معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ ؎

گفت آں شہر کہ دروے دلبر است

وہ شہر اچھا معلوم ہوا جہاں میرا دلبر رہتا ہے۔ ہجرت فرض کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلۂ تکوینی طور پر بتا دیا کہ وطن کوئی چیز نہیں ہے، جہاں ہم ملیں وہی تمہارا وطن ہے۔ اسی سے سمجھو کہ جہاں سے شیخ ملے اور شیخ سے اللہ ملے وہ سب سے بڑا وطن ہے۔ جو لوگ نفلی حج وعمرہ کرتے ہیں، اگر ان کو اللہ والوں کی ملاقات، اللہ والوں کی غلامی کا شرف مل جائے تو افسوس کریں گے کہ اُف اب تک ہم کہاں تھے۔ کعبۃ اللہ نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی، یہ بھی نعمت ہے اللہ کی، بس سب نشانیوں پر عاشق رہو، اپنے شیخ کو بھی آیاتِ کبریٰ میں سے سمجھنا چاہیے کہ میرا شیخ حاملِ کعبہ ہے اور حاملِ صاحبِ کعبہ ہے، اللہ والوں کا غلام ہے، بس

دیکھو اللہ والوں کی غلامی کا شرف مجھ کو حاصل ہوا ہے اتنا کہ روئے زمین پر شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔

سترہ سال مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہا اور تین سال مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہا اور اب چالیس سال سے حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ ہوں تو اللہ والوں کی غلامی، اللہ والوں کی خدمت اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں فرماتا۔ ہماری عبادات میں تو ''فِــیْ'' لگ سکتی ہے کہ تم نے عبادت اللہ کے لیے نہیں کی، دل غائب تھا چنانچہ تمہاری عبادت قبول نہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی خدمت کو رائیگاں نہیں کرتا۔

جن اور جادو وغیرہ تمام بلاؤں سے حفاظت کا وظیفہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میرے بیٹے پر جنات کے اثرات ہیں، بہت سے عاملوں کو دکھایا، سب نے یہی بتایا کہ جن کے اثرات ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ہر فرض نماز کے بعد یَا قَهَّارُ سات دفعہ پڑھ لیا کرو اور دعا کرو کہ یااللہ! میرے بیٹے پر اثرات جنات کے ہوں یا جادو کے سب کو ختم کر دیجئے۔ قَهَّار اللہ کا نام ہے اور قَهَّار کی تعریف ہے اَلَّذِیْ یَکُوْنُ کُلُّ شَیْءٍ تَحْتَ قَدْرِهٖ وَقَضَآءِهٖ وَقُدْرَتِهٖ یعنی قَهَّار وہ ذات ہے کہ ہر شئی اس کی طاقت کے تحت، اس کی قضاء کے تحت، اس کی قدرت کے تحت ہے یعنی سب اس کی ماتحتی میں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت کرے تو جادو اور جنات کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسا کوئی نہیں ہے کہ اللہ کی حفاظت کے ہوتے ہوئے کسی پر جادو اور جنات بھیج دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو مخلوق کے حوالے نہیں کیا ہے۔ یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔

جوا کب غلامی کا ہے زیبِ مسلم
کہ ہر چیز موزوں ہے اپنے محل میں

یہ اعمالِ بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

آج بہت مجرب عمل بتادیا ہے جن سے، جادو سے حفاظت کے لیے، جو کسی پر جن یا جادو کرے گا اس عمل کی برکت سے اُسی پر الٹ دیا جائے گا۔ اوّل آخر سات سات بار درود شریف، بیچ میں سات بار یَا قَهَّارُ پڑھو، سارے عاملین سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ یَا قَهَّارُ کی برکت سے ہم سب کو اور ہماری اولاد کو ہر قسم کے اثرات سے محفوظ فرمائے۔

عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا فرق

ارشاد فرمایا کہ دیکھو اس بَلَدِ امین میں، اللہ کے نام میں، اللہ والوں کی صحبت میں حلال اور پاکیزہ مزہ مل رہا ہے اور دل میں کیسا نور ہے۔ اس کے برعکس عورتوں اور لڑکوں سے جو مزہ ملتا ہے وہ حرام اور ناپاک مزہ ہے، جو ناپاک کر دیتا ہے اور آدمی عبادت کے قابل نہیں رہتا۔ عاشقانِ مجاز سب گو موت کے عاشق ہیں، اللہ کا عاشق محفوظ ہے۔ بس اللہ اپنا عاشق بنائے۔ اگر مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی اللہ والا ہے تو اس کے جوتے اُٹھا لینے کی تمنا کرتے ہیں اور اگر یہ پتہ چل جائے کہ کسی لونڈیا یا لڑکے پر عاشق ہے تو اس کو سب لوگ جوتے مارتے ہیں۔ کتنا فرق ہے مجاز میں اور حقیقت میں! عاشقِ خدا کے جوتے اُٹھائے جاتے ہیں اور عاشقِ مجاز کے جوتے لگائے جاتے ہیں۔

لطیف مزاح

ظہر کے بعد حضرت والا کے کمرہ میں لوگ جمع ہو گئے اور کمرہ کے باہر بھی زمین پر بیٹھ گئے۔ ارشاد فرمایا کہ دیکھئے! یہ کمرہ چھوٹا پڑ گیا، اللہ کے عاشقوں کی تعداد بڑھ گئی، دیکھئے! مداری جب ڈُگڈُگی بجاتا ہے تو اس کے پاس بندر آجاتے ہیں اور جب میں ڈگڈگی بجاتا ہوں تو میرے پاس قلندر آجاتے ہیں۔

دنیا کب نعمت ہے؟

ارشاد فرمایا کہ دنیا بڑی نعمت ہے بشرطیکہ دین دار کے ہاتھ میں ہو۔ اگر دنیا نہ ہوتو اللہ والوں کو ہدیہ کیسے دیں گے؟ دین کے کاموں میں حصہ کیسے لیں گے؟ ایک شخص اپنی شان دار کار سے کسی اللہ والے کو ائیر پورٹ سے یا اسٹیشن سے لے آیا تو یہ دنیا کیا بن گئی؟ سب دین بن گئی۔ دنیا بری جب ہے جب اللہ کی نافرمانی میں خرچ ہو اور اگر اللہ کی رضا میں خرچ ہو، اللہ والوں پر خرچ ہوتو اس کی دنیا بہت ہی کامیاب اور مبارک دنیا ہے۔

علامہ آلوسی وَمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ دنیا متاعِ غرور یعنی دھوکہ کی پونجی کب ہے؟ اِنۡ اَلۡھَتۡکَ عَنِ الۡاٰخِرَۃِ اگر دنیا آخرت سے غافل کردے وَاِنۡ جَعَلۡتَ الدُّنۡیَا وَسِیۡلَۃً لِّلۡاٰخِرَۃِ وَذَرِیۡعَۃً لَّھَا فَھِیَ نِعۡمَ الۡمَتَاعُ اور اگر تم دنیا کو آخرت کا وسیلہ اور ذریعہ بنالو تو یہ دنیا بہترین پونجی ہے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

خدا سے غافل کرنے کا نام دنیا ہے۔ سونا چاندی، مال و دولت، بیوی بچے وغیرہ اگر کسی کو اللہ سے غافل نہیں کرتے تو یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں عین دین ہیں۔

دوستوں سے گذارش ہے کہ میری صحت، عافیت، سکونِ قلب، کامل تقویٰ اور دین کی خدمت کی توفیق اور اس کی قبولیت کی دعا کیجئے اور اللہ تعالیٰ ایک سو بیس سال کی عمر دے مگر آخری سانس تک دین کی خدمت کرتا رہوں، دین کی خدمت کرتے ہوئے آخری سانس نکلے اور اللہ بھی راضی ہو جائے اور اپنے دین کی خدمت کو قبول کرلے اور اللہ آسانی سے روح نکالے، روح نکلنے کی ذرا بھی تکلیف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ عافیتِ دارین نصیب فرمائے، آمین۔

یقین کی کرامت

ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ پر یقین آجائے تو کوئی کام مشکل نہیں ہے، سب مشکل آسان ہو جائے۔ دیکھو! اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ اس کی شادی بادشاہ کی لڑکی سے ہو جائے گی تو سب مشکل کام اس کو آسان ہو گا کہ نہیں؟ حوروں سے شادی کوئی معمولی بات ہے؟ بادشاہ کی لڑکی تو مر بھی سکتی ہے اور حوریں مریں گی نہیں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ تو حوروں سے نکاح کرنے کے لیے اسی دنیا سے کوشش کرو۔ اور حوریں کیا چیز ہیں؟ ارے! خالقِ حور کے لیے عمل کرو۔ خالقِ حور کے سامنے حور کیا چیز ہے، خالق کے سامنے مخلوق کی کیا حیثیت ہے۔ اس لیے اللہ کی عبادت کرو تو عبادت کا مزہ ہے۔ جنت کے بھی ہم حریص ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جنت سے بھی زیادہ پیارے ہیں چنانچہ جب جنت میں اپنا دیدار کرائیں گے تو جنت کسی کو یاد بھی نہ آئے گی۔

تین برے القاب

ارشاد فرمایا کہ تین مضمون میرے خاص ہیں نمبر۱، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ تو جو بدنظری کرتا ہے اس کو پہلا برا لقب ملتا ہے اللہ ورسول کا نافرمان کیوں کہ حکم يَغُضُّوْا کی نافرمانی کر رہا ہے اور نمبر۲، بخاری شریف کی حدیث سے زِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ آنکھوں کا زِنا ہے نظر بازی، جو شخص نظر لڑاتا ہے اس کو دوسرا برا لقب ملتا ہے آنکھوں کا زِنا کار اور تیسرا برا لقب ہے ملعون، مشکوٰۃ کی حدیث ہے۔ لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ لعنت فرمائے اللہ ناظر اور منظور پر، دیکھنے والے پر بھی اور دِکھانے والے پر بھی۔ بتاؤ! اگر کسی شریف آدمی سے کہو کہ او آنکھوں کا زِنا کار! اللہ و رسول کا نافرمان! ارے او ملعون! کہاں دیکھتا ہے تو بتاؤ میر صاحب کتنا مزہ آئے گا اس کو؟ بہت ہی برا لگے گا نا! کیوں برا لگ رہا ہے؟ کیوں کہ برا کام کر رہا ہے۔

جب برا کام کرے گا تو برے جملے ہی سننے میں آئیں گے اور نظر کے بچانے میں اللہ کیا انعام دے گا؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اپنی نظر بچائے گا اللہ کے خوف سے، یہ نہیں کہ بھئی پیر صاحب دیکھ رہے ہیں، یا سپاہی دیکھ رہا ہے یا کوئی اور دیکھ رہا ہے تو نظر بچالی۔ نہیں! صرف اللہ کے خوف سے نظر بچاتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی کیا بندہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ جب کوئی حسین سامنے آئے اور کوئی پاگل کی طرح دیکھنے لگے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اللہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، قرآن شریف کی آیت، بخاری شریف کی حدیث سب بھول گیا ہے، ایسا شخص سور اور کتے سے بدتر ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو، اگر یہ یقین درجۂ حال میں حاصل ہوجائے تو کوئی گناہ نہیں کرسکتا، لہٰذا حرمِ مکہ شریف اور حرمِ مدینہ میں خاص خیال رکھو، یہاں کسی عورت، کسی لڑکے کو نہ دیکھو اور سمجھو کہ یہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔ ان شاء اللہ تقویٰ فی العرب کی برکت سے اللہ تعالیٰ تقویٰ فی العجم بھی دے دے گا۔

مہمان کی توہین میزبان کی توہین ہے

ارشاد فرمایا کہ کسی کے مہمان کو بری نظر سے دیکھنا میزبان کی توہین ہے۔ دلیل قرآن شریف میں ہے۔ قومِ لوط کو عذاب دینے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام تین فرشتے آئے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے نہیں بھیجا کہ قومِ لوط کو زندگی ہی میں عذاب دینا تھا اور جب عذاب نازل ہوا تب روح قبض کرنے والا فرشتہ بھیجا۔ تو جبرئیل علیہ السلام، اسرافیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام یہ تین فرشتے خوبصورت

لڑکوں کی شکل میں آئے۔ جیسا مرض ہوتا ہے ویسا ہی امتحان ہوتا ہے۔ قومِ لوط کو لونڈوں کا خبیث عشق تھا تو اللہ تعالیٰ نے لڑکوں کی شکل میں فرشتوں کو بھیجا تا کہ ان کو دیکھ کر پاگل ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ حسینوں کی طرف دیکھنا مُعذَّب قوم کا کام ہے، ان کو دیکھنا عذاب کو دعوت دینا ہے چنانچہ لڑکوں کو دیکھ کر شہوت سے پاگل ہو گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں کود گئے تو حضرت لوط علیہ السلام گھبرا گئے کیوں کہ اس وقت تک آپ کو علم نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں اور اپنی قوم سے فرمایا اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ تحقیق یہ میرے مہمان ہیں پس مجھ کو رسوا مت کرو۔ پس یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جو مرد، عورتیں اور لڑکے آئے ہوئے ہیں یہ سب اللہ و رسول کے مہمان ہیں، ان کو بری نظر سے دیکھنا، بدنظری کرنا اللہ و رسول کے ساتھ گستاخی کرنا ہے۔ لہٰذا اگر یہاں کوئی عورت نظر آئے تو نظر نیچی کر کے کہو کہ یا اللہ یہ آپ کی مہمان ہے اس وجہ سے یہ میری ماں سے زیادہ محترم ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی برا خیال لاؤں تو گویا اپنی ماں کے ساتھ برا سوچ رہا ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکا نظر آئے تو فوراً نظریں ہٹا کر سوچو یا اللہ! یہ میرے باپ سے زیادہ محترم ہے کیوں کہ آپ کا مہمان ہے۔ بس لڑکی اور لڑکے سب سے یہاں نظر بچاؤ۔ عجم میں بھی یہی حکم ہے لیکن یہاں معاملہ زیادہ سنگین ہے کہ یہ بلدِ امین ہے اور مدینہ طیبہ بلدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے اللہ و رسول کی عظمت کی وجہ سے ان کے مہمانوں کی عزت کرو۔ اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول کر لے تو تقویٰ فی العرب کی برکت سے اللہ تعالیٰ تقویٰ فی العجم بھی عطا فرما دیں گے یعنی اللہ تعالیٰ یہاں تقویٰ سے رہنے کی برکت سے اپنے اپنے ملکوں میں تقویٰ سے رہنے کی توفیق دے دیں گے اور پھر خیال آئے گا کہ یہ تو اللہ کے بندے اور بندیاں ہیں، ان کو کیسے بری نظر سے دیکھوں۔ پھر اپنے ملکوں میں بھی یہ حدیث سامنے رہے گی:

﴿اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ﴾
(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب الشفقۃ و الرحمۃ)

ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے، اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو اللہ کی عیال سے بھلائی سے پیش آئے۔ بدنظری کرنا کیا بھلائی سے پیش آنا ہے؟ لہٰذا یہاں سختی سے نظر بچاؤ۔ جو نظر کے مریض ہیں وہ مطاف سے بھی دور بیٹھیں ورنہ طواف کرتی ہوئی عورتوں سے بدنظری کرکے حرم کے اندر ملعون ہو جائیں گے اور اللہ کے مہمانوں کے ساتھ بدتمیزی گویا میزبان کے ساتھ بدتمیزی ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے رسوانہ کرو لیکن جب وہ خبیث نہ مانے تو کیا ہوا؟ جن کو وہ لڑکے سمجھ رہے تھے وہ فرشتے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک پر مارا تو سب اندھے ہو گئے۔ اس کے بعد عذاب نازل ہوا۔ اور ان کی ساری مستی نکل گئی اس لیے حسینوں کو دیکھ کر جب مستی آنے لگے تو ڈر جاؤ کہ یہ عذاب کی مستی ہے اور وہاں سے بھاگ جاؤ۔ نگاہوں کو بچاؤ، دل کو بچاؤ، جسم کو بچاؤ اور بدنظری سے کچھ ملتا بھی نہیں ہے، یہ بے وقوفی کا گناہ ہے کہ ملنا نہ ملانا دل کو مفت میں تڑپانا۔ ایک صاحب نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا کہ اگر حسینوں کو نہیں دیکھتا ہوں تو دل کو تکلیف ہوتی۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے یا نہ دیکھنے سے؟ اس نے کہا کہ دیکھنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے، تین دن تک اس حسین کا خیال ستاتا ہے اور نہ دیکھنے سے دو چار منٹ تکلیف ہوتی ہے تو فرمایا کہ دو چار منٹ کا غم برداشت کرلو بڑے غم سے چھوٹا غم آسان ہے۔

جب کوئی کرتا ہے بدنگاہی
مار دوں جاں سے جی چاہتا ہے

❀ ❀ ❀ ❀ ❀